

یہی شیخ حرم ہے جو چپرا کر بیچ کھاتا ہے
 کلیم بوذر و ولق اویس و چادر زہرا
 (اقبال)

مزاج شناس رسول ﷺ

جماعت اسلامی کی خطرناک ڈکٹیر شپ پر طلوع اسلام
 کا بے لاگ تبصرہ

طلوع اسلام ٹرسٹ، لاہور

جملہ حقوق بحق طلوع اسلام ٹرسٹ محفوظ ہیں

نام کتاب	_____	مزاج شناس رسول ﷺ
پبلشر	_____	طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
	_____	25-B گلبرگ II لاہور 54660
	_____	فون 576 4484
طالع	_____	دوست ایسوسی ایشن
	_____	الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 54000
	_____	فون 712 2981
مطبع	_____	عصمت اسلم پرنٹرز
ایڈیشن	_____	دوم 1996ء (بلا ترمیم)

طلوع اسلام ٹرسٹ کی شائع کردہ کتب کی
جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صرف ہوتی ہے

اس مجموعہ میں اگرچہ جماعت اسلامی کی حقیقت کو بے نقاب
 کیا گیا ہے، لیکن چونکہ یہ جماعت دراصل عبارت ہے
 ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے خیالات و عزائم سے،
 اس لئے اُن کی رعایت سے اس مجموعہ کا نام
 ”مزاج شناس رسول“ رکھا گیا ہے۔
 یہ اصطلاح خود انہی کی وضع کردہ
 ہے اور ان کے دستِ راست
 امین احسن صاحب اصلاحی
 کے بیان کے مطابق اس سے
 مراد خود مودودی
 صاحب
 ہیں۔

۴	فہرست مضامین
۱۲	(۱) تعارف
۲۰	باب اول (پاکستان اور جماعت اسلامی)
۲۱	(۲) پاکستان کے نقاب پوش دشمن
	مذہب کی آڑ میں پاکستان کے
	خلاف تخریبی کوششیں جماعت
	اسلامی تحریک مرزائیت کا شنی
	اور قیادت کی بھوک ہے۔
۵۲	(۳) صحیح اور غلط قیادت :-
	غلط مذہبی تصورات کی بناء پر
	جماعت اسلامی قبل از تقسیم اور
	بعد از تقسیم مسلمانوں کے جذبات
	سے کھیل کر عوام کو قیادت کے
	خلاف ابھارتی رہی ہے۔ حالانکہ
۴۷	جو خرابیاں ہیں وہ پوری قوم میں
	ہیں۔ غلط تصورات کو قوم کے دل
	و ماغ سے نکال کر قومی تعمیر کی ضرورت
۴۷	(۴) جنگ کشمیر کے متعلق :-
	جماد کشمیر کے متعلق بود و دی حسا
	کا فتویٰ مسلمان قوم کے ساتھ
	ماضی میں بھی پیشوائیت یہی
	کچھ کرتی رہی ہے۔
۷۳	(۵) ہندوستان جائیے !
	تقسیم سے پہلے جماعت اسلامی
	برابر مسلمانوں کو سچا مسلمان بنانے
	پر مصری اور پاکستان کی مخالفت
	کرتی رہی۔ ان کے لئے صحیح راہ
	عمل یہ ہے کہ وہ ہندوستان

جا کر اپنی اسکیموں کو بڑے کارلائیں

اور پاکستان پر رحم کریں۔

باب دوم (آہنی ڈکٹیٹر شپ) ۸۳

(۶) آہنی ڈکٹیٹر شپ کے عزائم یا ۸۴

ملوکیت و پیشوائیت جسے اسلام

مٹانے آیا تھا پھر مسلمانوں پر مسلط

ہو گئیں۔ مٹا اپنا اقتدار چاہتا ہے

وہ قیام پاکستان کا اسی لئے مخالف

تھا اور آج بھی نظام شریعت کے

قیام پر اسی لئے اصرار کر رہا ہے کہ

اس میں آخری سند ملا ہوتا ہے بجز

دنیا آج قرآنی نظام کے لئے بے چین

ہے اور طلوع اسلام (سی) دعوت کا

نقیب ہے۔

(۷) آہنی ڈکٹیٹر شپ ۲ ۱۰۰

پیشوائیت کا دور حکومت تاریک

ترین دور ہوتا ہے جماعت اسلامی

کل تک بنا بر مذہب قیام پاکستان

کی مخالف تھی اور آج بنا بر مذہب

ہی اس کی کرسیوں پر قبضہ کرنا

چاہتی ہے نیشنلسٹ علماء ان

سے زیادہ غیر تمند تھے۔ ملا کے نظام

شریعت کا تجزیہ جس میں وہ خود

آخری سند ہوتا ہے۔

(۸) آہنی ڈکٹیٹر شپ ۳ ۱۱۴

پاکستان دشمن عناصر کو چھوڑ کر

جماعت اسلامی کے ان عناصر

سے خطاب ہو محض خوشامانعوں

کی وجہ سے خلوص سے ان کے

ساتھ ہو گئے۔ ملا کے شرعی نظام

کا تجزیہ جس میں وہ خود ہی آخری

سند ہوتا ہے۔

(۹) باب سوم (نبوتِ جدیدہ) ۱۲۲

نبوتِ جدیدہ ۱۲۳

"مزاج شناس رسول" مولے کا

دعویٰ مقامِ نبوت کا ادعا ہے

چونکہ جو دعویٰ بلا دلیل تسلیم کیا

جاسکتا ہے وہ صرف نبوت کا

نمبر شمار	صفحہ	نمبر شمار	صفحہ
(۱۰)	۱۳۵	۱۴۲	(۱۳) ماڈرن مُلا
اسی دعویٰ ہو سکتا ہے جماعت اسلامی تحریک مرزائیت کا شنی ہے۔		جماعت اسلامی جدید پبلنگ کے ساتھ پرانا مال بیچنے والی جماعت ہے۔	
مزاج شناس کا تعین۔		معراج کے موضوع پر مودودی صاحب کی ایک ریڈیائی تقریر کا نمونہ۔	
امین احسن اصلاحی صاحب کا بیان کہ مودودی صاحب مزاج شناس رسول ہیں۔		باب پنجم (مودودی صاحب اور حدیث)	۱۸۵
(۱۱)	۱۳۸	(۱۳) مسئلہ معنی	۱۸۶
باب چہارم (مودودی صاحب اور قرآن)		اس موضوع پر تفصیلی بحث کہ اسلام میں احکام کا ماخذ صرف قرآن ہے یا روایات بھی ہیں، مودودی صاحب کے تضادات اور طفلانہ جوابات۔	
مودودی صاحب کی قرآن فہمی	۱۳۹	وحی غیر متوہجی اگر قرآن میں رکھ دی جاتی تو اس سے اس کا حجم بڑھ جاتا۔ مزاج شناس رسول کا تصور اور اس کا تجزیہ۔	
روزوں کے احکام میں مودودی صاحب کی قرآن فہمی کا نمونہ۔ لفظ یُطِيقُونَ کا غلط ترجمہ کرنے کی وجہ سے خدا اور قرآن پر اعتراضات اور ادعائے نسخ طلوع اسلام کی طرف سے آیات کی صحیح تفسیر۔		منکر حدیث کون ہے؟	۲۴۵
(۱۲)	۱۴۰	طلوع اسلام کے مسلک کی وضاحت اور اس کے ایک ایک جزو کی تائید	
غلام اور لونڈیاں			
غلام اور لونڈیوں کے بارے میں مودودی صاحب سے استفادہ اور ان کے جواب پر تنقید۔			

نمبر شمار	صفحہ نمبر شمار	صفحہ
		باب ہفتم (پریسٹ ہڈ)
۳۰۹		۳۱۰
	(۱۸) پریسٹ ہڈ۔	ملازم کے جواز پر مودودی صاحب
		کی تقریر پر تبصرہ، ان کے نزدیک
		عالم ہونے سے زیادہ خاضع قطع
		کی پابندی ضروری ہے۔
	(۱۹) پریسٹ ہڈ ۲	۳۱۴
		ملا کا مبلغ علم اس کی زبان کا ذائقہ
		جمود و تنگ نظری پر مودودی صاحب
		کی تصریحات۔
۳۲۲	(۲۰) باب ششم (تضادات)	۳۲۳
	تضادات	۳۲۳
		معاهدات کے متعلق مودودی صاحب
		کی تضاد بیانیہاں۔
	(۲۱) تضادات ۲	۳۳۲
		رسول کی حیثیات کے متعلق تضاد بیانیہاں
		کسی انسان پر کسی انسان کے ذاتی
		خیالات کی اطاعت لازم نہیں مگر
		میں امیر جماعت اسلامی کی تصریحات
		معض اس فرق کے ساتھ کہ طلوع
		اسلام ہمیشہ ایک بات کہتا ہے اور
		وہ موقعہ بوقعہ رخ بدلتے رہتے ہیں۔
		سید ابوالاعلیٰ منکر حدیث ہیں۔ ۲۷۶
		مودودی صاحب کی تحریرات پر
		مولانا ظفر احمد عثمانی صدر جمعہ علمائے
		اسلام کا فتویٰ۔
		باب ششم (مودودی صاحب اور فقہ حنفی)
		۲۸۱
		۱۴) فقہ حنفی۔
		مودودی صاحب کے بیان پر تبصرہ کہ
		چونکہ پاکستان کی اکثریت مسلک حنفی
		کی تقلید ہے اس لئے پاکستان کا
		آئین فقہ حنفی کی تعبیر کے مطابق
		ہوگا۔ فقہ حنفی کے خلاف خود لان کی
		تصریحات کہ وہ ایک منجمد شاستر
		ہے اور حضرت عمرؓ کے بعد ہی اسلام
		پر جاہلیت چھا چکی تھی۔

نمبر شمار	صفحہ	نمبر شمار	صفحہ
(۲۲) تضادات ۳۱	۳۳۹	جماعت کی خدمات جلیلہ کے تذکرہ میں امیر جماعت کی تبلیغ گویا آج تک مسلمانوں کو جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ انہی کا طفیل ہے حالانکہ وہ تنہا تخریب پاکستان کے لئے سرگرم عمل رہے ہیں۔	
(۲۳) تفہیم القرآن (مودودی صاحب کی تفسیر) ۳۴۲		(۲۵) تعمیر سیرت نہیں (ایکشن) ۳۶۰	
بلند بانگ دعووں کے ساتھ پرانا مالہ قرآن میں ابہام ہے، حلال و حرام کے اختیارات صرف خدا کو حاصل ہیں رسول کو بھی حاصل ہیں، خدا کی اطاعت رسول کی سند کے بغیر یعنی مزاج شناس کی سند کے بغیر معتبر نہیں، تفسیری نکات آفرینیاں۔		طلوع اسلام جماعت اسلامی کی مخالفت کیوں کرتا ہے؟ جماعت اسلامی کے اعمال کا جائزہ اور ان کے نظام شرعی کا تجزیہ۔	
باب نہم (ایکشن) ۳۵۷		(۲۶) انتخابی مہمات ۳۸۴	
(۲۴) خدمات جلیلہ کا تذکرہ ۳۵۸		مودودی صاحب ہوشیار چرنشک انداز سے اپنی مخالفت پاکستان کو چھپا نہیں سکتے، طلوع اسلام کی تاریخ کہ وہ اپنے لٹریچر سے ثابت کریں کہ انہوں نے ایک آزاد مسلم مملکت کی حمایت کی تھی۔	

نمبر شمار	صفحہ	نمبر شمار	صفحہ
(۲۷)	دیکھئے اس بکر کی یہ اچھلتا ہے کیا؟ ۲۸۹	(۳۱) (۳۲) ایک اور نمونہ	۳۰۱
	مودودی صاحب کا ارشاد کہ عوامی اثرات نیچے قرار داد مقاصد پاس کر کے	امین احسن اصلاحی صاحب کی دشنام طرازی کا ایک اور نمونہ	
	ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے مگر پنجاب کے انتخاب نے جماعت اسلامی کو شکست دے کر ثابت کر دیا ہے کہ وہ ملا کا اسلامی آئین نہیں چاہتے۔	باب یا زوہم (متفرقات)	۳۰۲
		(۳۲) (۱) مسلمانان ہندوستان	۳۰۳
		مودودی صاحب کے فتوے پر تبصرہ کہ مسلمانان ہندوستان کے ساتھ شادی بیاہ کرنا جائز نہیں۔	
	باب دہم (صالحین کی زبان) ۲۹۳	حضرت علیؑ (۲) (۳۳)	۳۰۴
(۲۸)	(۱) صالحین کی زبان ۲۹۳	مودودی صاحب کا ارشاد کہ حضرت علیؑ کا خود کو خلافت کے لئے پیش کرنا ان کی لغزش تھی۔	
	امیر جماعت اسلامی کی مظلومیت اسلام کے خلاف دشنام طرازیوں کا نمونہ		
(۲۹)	(۲) صالحین کی زبان ۲۹۴	حضرت عائشہؓ (۳) (۳۴)	۳۰۹
	مودودی صاحب کی دشنام طرازیوں کا دوسرا نمونہ۔	مودودی صاحب کا ارشاد کہ حضرت عائشہؓ کا جنگ جمل میں کمان کرنا ان کی لغزش تھی۔	
(۳۰)	(۳) حبنا کتاب اللہ کہنے والے ۳۰۰	امامی مرتبی وہی عنتری	۳۱۲
	کافر امین احسن اصلاحی صاحب کا فتویٰ۔	قرآن کی طرف دعوت دینے والے	

نمبر شمار	صفحہ	نمبر شمار	صفحہ
			مقبوط الحواس ہیں۔
(۳۷)	۴۱۳	(۵)	مُلا کا اسلام
			اصلاحی صاحب کا ارشاد کہ حضرت
			ابو بکرؓ و عمرؓ بندے نہیں تھے کچھ اور
			تھے۔ اور مودودی صاحب کا ارشاد
			صحابہ کرامؓ اور بزرگانِ سلف کا ہر
			عمل جو اللہ و رسول کے خلاف ہو
			ان کی لغزش ہے۔
(۳۸)	۴۱۷	(۶)	خدا یا شیطان
			مودودی صاحب کو شیطان نے
			نظر بند کرایا (مودودی صاحب)
			انہیں خدا نے نظر بند کرایا (نعیم
			صدیقی)۔
(۳۸)	۴۱۸	(۷)	یوں بھی اور یوں بھی
			اللہ کے پیدا کردہ حالات و ذرائع
			سے اللہ کا نام بلند کرنے کا کام لینا
			جائز ہے۔ لہذا نماز وغیرہ میں لاؤڈ
			اسپیکر کا استعمال مباح ہے مگر
			ہوائی جہاز میں اڑ کر چاند دیکھنا
			جائز نہیں۔
(۳۹)	۴۲۱	(۳۹)	باب دوم (نفسیاتی تجزیہ)
			مودودی صاحب کا نفسیاتی تجزیہ
			ان کی خود نوشت سوانح حیات
			ان کا نفسیاتی تجزیہ کہ اپنے نفسیاتی
			رجحانات کے ماتحت وہ کس طرح
			قوم کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔
			باب سیزدہم (طلوع اسلام اور
			جماعت اسلامی)
(۴۰)	۴۳۲	(۱۱)	ہم میں اور ان میں فرق
			طلوع اسلام اور جماعت اسلامی
			کا ماہر الاخیار۔ وہ مسلمانوں کو منافق
			بنانے اور ان کی قیادت میں کٹر
			ڈالنے کے سو کوئی تعمیری کام نہیں
			کر سکی۔
(۴۱)	۴۳۴	(۲)	جھوٹی روایتیں
			جھوٹی روایات کیونکر وضع ہوتی

نمبر شمار	صفحہ	نمبر شمار	صفحہ
ہیں۔ طلوع اسلام کے خلاف انجیل کو شر کے افتراء کا نمونہ۔	(۳۲)	(۳) (۳۳) طلوع اسلام اور جماعت اسلامی عت	۳۷۰
مورودی صاحب کی سزا ۴۴۷	(۳۲)	طلوع اسلام جماعت اسلامی کو اسلام اور پاکستان کے لئے ایک خطرہ تصور کرتا ہے لہذا مصلحت کی خاطر وہ زیر کو تریاق نہیں کہہ سکتا۔	۳۸۱
حکومت اور عوام کے اعمال کا محاسب حکومت کو چاہیئے کہ وہ مورودی صاحب کا جرم کھلی عدالت میں ثابت کرے قانون اور انصاف کی نگاہ میں بڑے اور چھوٹے کا امتیاز نہیں کیا جاسکتا۔	(۳۳)	حرف آخر	
		جماعت اسلامی کے متعلق تحقیقاتی عدالت کے فاضل رجحوں کا دو ٹوک فیصلہ۔	



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تعارف

انیسویں صدی کے اخیر میں، ہندوستان میں مسلمانوں کی محکومیت اور مظلومیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مشنری پادریوں اور آریہ سماجی پنڈتوں نے اسلام اور رسول اکرم صلعم کے خلاف اعتراضات کا ایک طوفان اٹھا رکھا تھا اور مسلمان اُن کی ان منظم مناظرانہ کوششوں سے تنگ آچکے تھے۔ قادیان کے مرزا غلام احمد صاحب نے جو اس سے پہلے سیالکوٹ کی کچہری میں ملازم تھے، اس صورتِ حالات سے فائدہ اٹھایا اور اعلان کیا کہ وہ ایک ایسی کتاب لکھنا چاہتے ہیں جس میں ان مخالفین کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا جائے گا۔ مسلمانوں نے چاروں طرف سے اس دعوت پر لبیک کہا اور اس طرح نہایت معصومانہ انداز سے، ایک ایسی تنظیم کی بنیاد رکھی گئی جو بعد میں مسلمانوں کے لئے ایک عظیم خطرہ بن گئی۔ اس تنظیم کے ابتدائی مراحل میں لوگوں سے صرف اس امر کی بیعت لی جاتی تھی کہ میں دین کو دنیا پر ترجیح دوں گا۔ اس بیعت میں خالصتہً تلہیت اور جذبہ دین کی سرشاری نظر آتی تھی اُس لئے اگر کسی نے اُس وقت یہ کہا کہ اس جماعت سازی میں کچھ

خطرات نظر آتے ہیں تو لوگ عام طور پر اُس کے پیچھے پڑ گئے اور کسی نے نہ سوچا کہ اس بیج سے پیدا کیا ہونے والا ہے۔ اب مسلمان دور ہے ہیں کہ ہم نے اس بیج کی خود ہی آبیاری کیوں کی۔

(۲) ۱۹۲۷ء کے لگ بھگ ہندوستانی سیاست میں مسلمانانِ ہند کے لئے ایک دام ہم رنگ زمین بچایا گیا جس کا نام ”مُتَّحِدہ قومیت“ تھا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے اربابِ شریعت اس فریب کا شکار ہو گئے اور ہندوؤں کی مہموائی میں مُتَّحِدہ قومیت کا راگ الاپنے لگے۔ اقبالؒ کی قرآنی بصیرت نے اس سحرِ سامی کو توڑا اور اُس نے مسلمان کو بتایا کہ

ہمارے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

آہستہ آہستہ مسلمان اس آواز پر جمع ہونے لگے اور ۱۹۳۷ء میں جب قائدِ اعظم مرحوم نے فکرِ اقبالؒ کی رہنمائی میں اس نظریہ کو ایک عملی شکل دی تو مسلمانوں میں اس کا خاصا چرچا ہو گیا۔ اُس زمانہ میں حیدر آباد (دکن) سے ماہوار مجلہ ترجمان القرآن شائع ہوتا تھا جس کے مدیر سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی تھے۔ اس رسالہ میں انہوں نے مُتَّحِدہ قومیت کے خلاف مقالات لکھنے شروع کئے (حالانکہ اس سے پہلے یہ قومیت پرست علماء کے ترجمان، اخبار ”الجمعیت“ کے ایڈیٹر چکے تھے) ان مقالات سے شمالی ہند بالخصوص پنجاب کے مسلمانوں میں ان کی مقبولیت بڑھ گئی۔ چونکہ حیدر آباد میں رسالہ کی حالت بڑی سقیم تھی اس لئے یہ وہاں سے منتقل ہو کر پنجاب آ گئے اور پٹھان کوٹ کے قریب دارالاسلام میں مقیم ہو گئے۔ دارالاسلام، علامہ اقبالؒ کے تصورات کے مطابق ایک ایسی بستی بننے والا تھا جس میں صحیح اسلامی انداز کی زندگی بسر کی جاتی۔ لیکن علامہ

اقبال ابھی وہاں پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ مودودی صاحب متحدہ قومیت کے خلاف مقالات نگاری سے مسلمانوں میں مقبول ہوتے گئے تا آنکہ انہوں نے ۱۹۴۱ء میں نہایت معصومانہ انداز سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی جس میں کہا یہ گیا کہ مسلمانوں کو سچے معنوں میں مسلمان بننا چاہیے۔ نخلص مسلمانوں نے اس آواز پر لبیک کہا اور اس طرح جماعت اسلامی وجود میں آگئی۔

(۳) اگرچہ مرزا صاحب کی طرح یہ سب کچھ بڑے معصوم انداز سے کیا گیا لیکن جو لوگ سطح سے اتر کر نیچے دیکھنے کے عادی تھے انہوں نے اسی وقت بھانپ لیا کہ اس معصومیت کے پیچھے کتنے بڑے خطرات پوشیدہ ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کو اس خطرہ سے آگاہ کرنے کے لئے آوازیں اٹھیں اور مقام فخر و مسرت ہے کہ اُس میں طلوع اسلام کی آواز بھی شامل تھی۔

(۴) ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی میں یہ دور بڑا نازک تھا۔ انگریز آہستہ آہستہ بھارت سیاست سے پیچھے ہٹ رہا تھا اور زمام حکومت رفتہ رفتہ خود ہندوستانیوں کے ہاتھ میں آرہی تھی۔ ہندوؤں کی یہ انتہائی خواہش تھی کہ وہ اپنی کثرت آبادی کی بنا پر مسلمانوں کو متقللاً اپنا محکوم بنالیں۔ اس کے لئے وہ ہر قسم کی کوششیں کر رہے تھے اور ان کوششوں میں بدتمتی سے مسلمانوں کے ”علماء“ کا طبقہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس کے برعکس مسلمانوں کی یہ کوشش تھی کہ انہیں ایک الگ خطہ زمین مل جائے جس میں وہ اپنے تصور کے مطابق آزادی کی زندگی بسر کر سکیں۔ اس تحریک کا نام حصول پاکستان کی تحریک تھا۔ ہندوؤں اور ان کے ہمہنوا قومیت پرست مولویوں کی طرف سے اس تحریک کی سخت مخالفت ہو رہی تھی۔ لیکن مسلمانوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ اس تحریک کی مخالفت جماعت اسلامی کی طرف سے بھی ہو رہی ہے۔ اس جماعت کی ٹیکنیک

مخالفت کھنی اور پاکستان کے قیام کے بعد جسے یہ ناپاکستان کہتی ہے، یہ جماعت موجودہ نظام حکومت اور اس کے اربابِ اجل و عقد کی مخالفت کرتی ہے۔ اس جماعت کی جتنی تحریریں بھی ہمارے سامنے پیش ہوئی ہیں ان میں مطالبہ پاکستان کی تائید میں کوئی دور کا اشارہ بھی نہیں ملتا۔ اس کے برعکس یہ تحریریں..... اس شکل کی سخت مخالفت کرتی ہیں جس میں پاکستان وجود میں آیا اور جس صورت میں یہ آج موجود ہے۔ اس جماعت کے بانی کے ایک بیان کے مطابق جو اس نے فوجی عدالت کے سامنے دیا تھا اس جماعت کا مقصد یہ ہے کہ وہ، مسلح بغاوت کے علاوہ، ہر ممکن طریقہ سے موجودہ حکومت کی جگہ اپنے تصور کی حکومت قائم کرے۔ یہ اپنے صدر کو امیر کہتی ہے اور اگرچہ اس کے اراکین کی موجودہ تعداد صرف نو سو بتا دے ہے، اس کے وسائل نشر و اشاعت اور پریسیکینڈے کی مشینری بہت وسیع ہے۔ (ریپورٹ انگریزی ص ۳۲)

(۶) یہ ہیں اس جماعت کے اغراض و مقاصد۔ مرزا غلام احمد صرف مذہبی رہنما بننا چاہتا تھا۔ لیکن اس جماعت کے امیر کے پیش نظر مذہب، پیشوائیت کے علاوہ مملکت کا اقتدار حاصل کرنا بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے نزدیک مذہب مقصود بالذات نہیں۔ یہ ذریعہ ہے حکومت کی کرسیاں چھیننے کا۔ مسلمانوں کے عوام مذہب پرست ہیں اور اس باب میں بڑے جذباتی واقع ہوئے ہیں۔ مذہب کے متعلق وہ انتہائی جانتے ہیں کہ یہ مجموعہ ہے اس وضع قطع اور رسوم و شعائر کا جن کے متعلق انہیں مولوی صاحبان بتاتے ہیں کہ وہ اصل اسلام ہے اور جن کی پابندی سچے مسلمانوں کی نشانی ہے۔ چونکہ اس وقت پاکستان کے اربابِ بست و کشادیں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو اس وضع قطع اور ان آئین و رسوم کے پابند نہیں ہیں اس لئے اس جماعت کو ان کے خلاف عوام کے جذبات کو مشتعل کرنے کا نہایت عمدہ موقع ہاتھ آگیا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے ان کی تحریریں اور تقریریں میں ہر جگہ

اسی چیز کو بار بار دہرا کر لوگوں کے دلوں میں نفرت اور حقارت کے جذبات کو ابھارا جاتا ہے اور ان کے برعکس اپنے آپ کو صالحین کی جماعت تصور کرایا جاتا ہے۔ ہم ان --- اربابِ صل و عقد کے وکیل نہیں، نہ ہی ہمیں ان کی مدافعت مقصود ہے۔ طلوعِ اسلام خود شروع ہی سے ان کی غیر اسلامی زندگی اور غیر دانشمندانہ حکمتِ عملی کے خلاف لکھتا چلا آیا ہے۔ جو کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس جماعت کے ہاتھ میں یہ بڑا عمدہ حربہ آگیا ہے جسے یہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے بڑی چابک دستی سے استعمال کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی معتدِ دو جہ کی بنا پر، جن میں ملک کے اربابِ صل و عقد کے عدم تدبیر اور افلاسِ سیرت و کردار کا حصہ کچھ کم نہیں، پاکستان کے عوام کی معاشی اور معاشرتی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ اس جماعت نے اس کا بھی فائدہ اٹھایا اور لوگوں سے کہنا شروع کر دیا کہ اگر ملک کا نظم و نسق ان لوگوں کے بجائے ”سچے مسلمانوں“ کے ہاتھ میں ہو تو تمہاری تمام مصیبتیں ایک دن میں رفع ہو سکتی ہیں۔ اس طرح اس پانچ چھ سال کے عرصہ میں یہ لوگ موجودہ نظامِ حکومت کے خلاف نفرت اور مخالفت کے جذبات کو بھڑکانے اور اپنے آپ کو مقبول بنانے میں کامیاب ہوتے چلے گئے۔

(۷) اس جماعت کے تعارف میں ہم نے بار بار مرزا سیت کا نام لیا ہے۔ یہ بات یونہی نہیں کہی گئی۔ مرزا غلام احمد اور مودودی صاحب نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے جو سٹرھی تیار کی ہے وہ ایک ہی قسم کی ہے۔ مرزا صاحب نے پہلے یہ اعلان کیا کہ مسلمان مذہب کے بہت دو جا پڑے ہیں ان کی فوز و صلاح صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ یہ صحیح اسلام کے پیرو ہو جائیں۔ صحیح اسلام کے معنی ہیں ایک خدا کی اطاعت۔ لیکن خدا کی اطاعت ہو نہیں سکتی جب تک رسول کی اطاعت نہ کی جائے۔ رسول کی اطاعت کے معنی

میں سنتِ رسول کا اتباع - یہ سنتِ احادیث کے اندر ملتی ہے۔ لیکن احادیث کئے انبار میں رطب دیا میں سب کچھ ملا ہوا ہے۔ جب تک جھوٹ کو پچ سے الگ نہ کیا جائے ہم رسول کی اطاعت کر ہی نہیں سکتے۔ احادیث کے انبار میں سے جھوٹ سے پچ کو الگ کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ یہ وہی شخص کر سکتا ہے جسے خدا کی طرف سے ایک نور عطا ہوا ہے۔ لہذا، جس بات کو میں کہوں کہ پچ ہے اسے پچ سمجھو اور جسے میں جھوٹ کہوں اسے جھوٹ مانو۔ اس سے بات صاف ہو گئی کہ خدا کی اطاعت درحقیقت نام ہے مرزا صاحب کے فیصلوں کو ماننے کا۔ بعینہ یہی چیز مودودی صاحب فرماتے ہیں۔ وہ بھی اطاعتِ خدا کو سمٹا کر احادیث میں لے آتے ہیں اور احادیث کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا فیصلہ صرف ”مزاج شناس رسول“ کی بصیرت کر سکتی ہے کہ کوئی حدیث سچی ہے اور کوئی جھوٹی۔ اور وہ مزاج شناس رسول، دان کے دستِ راست، امین احسن صاحب اصلاحی کے بیان کے مطابق جو انہوں نے عدالت میں دیا تھا خود مودودی صاحب ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مودودی صاحب یہ کہتے ہیں کہ خدا کی یہ اطاعت حکومت کی شکل میں ہو سکتی ہے۔ لہذا بظاہر ہے کہ اس حکومت میں وہی فیصلہ خدا کا فیصلہ قرار پائے گا جسے یہ مزاج شناس رسول، رسول کا فیصلہ قرار دیں گے۔ اس فیصلہ کے خلاف لب کشائی کرنے والا معصیتِ خدا و رسول کے جرم میں مرتد قرار پاتا ہے اور مرتد کی سزا اُن کے نزدیک قتل ہے۔

(۸) طلوعِ اسلام نے اس خطرہ کو شروع ہی سے بھانپ لیا تھا۔ اسی بناء پر وہ ۱۹۴۸ء سے لیکر آج تک اس جماعت کے عزائم و مقاصد کو مسلسل بے نقاب کرتا اور مسلمانوں کو ان کی تخریبی کارروائیوں سے آگاہ کرتا چلا آ رہا ہے۔ اس مسئلہ سے دلچسپی لینے والے طبقہ کے پیہم ہر ارد پر اب اُن تمام مقالات کو یکجا کر دیا گیا ہے جو اس دوران میں طلوعِ اسلام میں

شارع ہوتے رہے ہیں تاکہ یہ سب کچھ آپ کے سامنے ایک وقت آ سکے۔ اگر آپ ان مقالات کا غور سے مطالعہ کریں گے تو آپ پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ یہ جماعت فی الواقع پاکستان اور مسلمانوں کے لئے ایک عظیم خطرہ کا موجب ہے۔ عظیم اس لئے کہ جو ہوس اقتدار و مذہب کے نقاب میں مصروفِ تنگ و باز ہوتی ہے اس کے تخریبی نتائج بڑے دور رس اور تباہ کن ہوتے ہیں مینیرکمیٹی کے الفاظ میں

”اگر تم عوام کو یہ یاد رکھا دو کہ جو کچھ اُن سے کہا جا رہا ہے وہ مذہب کی رو سے حق ہے یا مذہبی فریضہ ہے تو تم اُن سے جو جی میں آئے کر سکتے ہو۔ اس میں یہ عوام کسی نظم و ضبط، وفا شناسی، متانت و سنجیدگی، اخلاقی یا تمدنی احساس کا کوئی پاس نہیں کریں گے۔“

آپ خود سمجھ لیجئے کہ جس ملک کے عوام کی یہ حالت ہو اس میں اس قسم کی جماعت کو جس کے پیش نظر مذہب کے راستے حکومت حاصل کرنا ہو، اگر مقبولیت حاصل ہوتی جائے تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ طلوعِ اسلام نے اس جماعت کے خلاف جو کچھ لکھا ہے اس کا جذبہ محرکہ اسی خطرہ کا احساس ہے۔

واللہ علی ما نقول شہید

بابِ اوّل

پاکستان اور جماعت اسلامی

پاکستان کے نقاب پوش دشمن

(میرزائیت کے چھپے چھپے مودودیت)

(نومبر ۱۹۴۸ء)

دنیا میں بعض مصیبتیں انسان پر ہنگامی حوادث کی وجہ سے آتی ہیں جن پر انہیں قدرت نہیں ہوتی اس لئے اسے بسا اوقات ان کے نتائج و عواقب کو مجبوراً برداشت کرنا پڑتا ہے کہ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوتا لیکن اکثر مصیبتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں انسان اپنے لئے آپ پیدا کر لیتا ہے اور اس طرح خواہ مخواہ اپنی خود ساختہ پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ تشکیل پاکستان کے بعد جو مصائب و فوٹازل اس کے دشمنوں کے مشنوم عزائم کے پیدا کردہ تھے یا جو حوادث ارضی و سماوی کے ہاتھوں رونما ہوئے تو ہی کچھ کم نہ تھے لیکن اس سے کہیں زیادہ ہمدردی اور شدید بھاری خود ساختہ مشکلات ہیں جن میں ہم اس بُری طرح سے گھرے ہیں کہ ان سے نجات کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ ان خود ساختہ مصائب میں سب سے بڑا ”ہوا“ وہ ہے جو نظام شریعت کی شکل میں اعصاب ملت پر سوار ہے اور جس سے کوئی راہ منظر نہیں آتی ایک مسلمان کے لئے یہ سوال ہی مضحکہ انگیز ہے کہ وہ شریعت کے نظام پر چلنا چاہتا ہے یا غیر شرعی آئین کے تابع۔ انگریز کی غلامی میں دیوانی مقدمات میں فریقین میں سے جب کوئی یہ کہتا کہ میں اپنا فیصلہ شریعت کے مطابق نہیں

نظام شریعت

بلکہ رواج کی رو سے چاہتا ہوں، تو سینہ میں دل اور دل میں ایمان کی
 رقی رکھنے والے طبقہ میں اس کی یہ حرکت سخت مذموم قرار پاتی اس وقت عام
 طور پر کہا جاتا تھا کہ جن معاملات میں ہمیں اختیار نہیں، ان میں تو خیر بے بسی ہے لیکن جن صورتوں میں
 فیصلہ ہمارے اختیار پر چھوڑا جاتا ہے اس میں رواج کو شریعت پر ترجیح دینا اپنے کلمہ شہادت کی عملی
 تکذیب کے چنانچہ مسلمانوں کی تحریک آزادی سے مقصود ہی یہ تھا کہ جن امور میں ہمیں اختیار نہیں تھا کہ
 وہ شریعت کے مطابق اپنے معاملات کے فیصلے کرنا کر اسکیں، ان امور میں بھی انہیں یہ اختیار مل جائے
 وَيُحْيِي الدِّينَ كَلِمَةً تَنْجُوْهُمۡ بِهَا مِنْ خِطَاۤئِهِمْ چنانچہ یہ اختیار حصول پاکستان کے بعد مل گیا۔ فالحمد لله رب العالمین
 جو رہاں رقص کناں سجدہ شکرانہ زمزمہ

لہذا اس کے بعد یہ سوال ہی پیدا ہونا نہیں چاہیے تھا کہ پاکستان کا نظام حکومت کیا ہونا چاہیے ہی
 وہ حقیقت تھی کہ جس کی طرف قلب ملت محترم قائم اعظم مرحوم نے ۲۵ جنوری ۱۹۴۷ء کو کراچی
 کے ایک اجتماع میں ان الفاظ میں اشارہ فرمایا تھا کہ :-

میں تو سمجھ ہی نہیں سکا کہ لوگوں کو اس استفسار کی ضرورت کیوں پڑ رہی ہے، کیا پاکستان کا ایمن
 اسلامی ہو گیا نہیں اسلامی اصول تو ایسے ہیں جنکی نظر دنیا میں کوئی بھی پیش نہیں کر سکتا۔

یہ اصول آج بھی اسی طرح کارآمد ہیں بطرح آج سے تیرہ سو سال پیشتر تھے۔ (ڈان ۲۶ اپریل ۱۹۷۸ء)

اسی حقیقت کو محترم لیاقت علی خان نے پشاور کے ایک اجتماع کے سامنے ان الفاظ میں پیش کیا تھا :-

ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک قطعہ ارض حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی
 تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کا آزمائشیں پاکستان صحیح معنوں
 میں ایک اسلامی اسٹیٹ ہوگی جس میں عدل و انصاف اور مساوات کے اسلامی اصولوں کا
 نفاذ ہوگا اور طبقاتی امتیاز ختم کر دیا جائے گا پاکستان ہماری ایک تجربہ گاہ ہوگی اور

ہم دنیا کو دکھا سکیں گے کہ تیرہ سو سال پہلے کے اصول آج بھی کارآمد ہو سکتے ہیں۔
(ڈان ۱۲ جنوری ۱۹۷۹ء)

کرنے کا کام یہ تھا کہ اس اصول کو پاکستان کی مجلس آئین ساز کی وساطت سے ایک آئینی منشور کی شکل دے کر اعلان کر دیا جاتا کہ چونکہ پاکستان ایک اسلامی اسٹیٹ ہے اسلئے اس کا نظام حکومت بھی لامحالہ اسلامی ہو گا اور اس کے بعد اس نظام کی تدوین و ترتیب کے لئے عملی قدم اٹھایا جاتا لیکن ہمارے اذباب بست و کشاد نے ایسا نہ کیا اور اس طرح اپنے ہاتھوں ایک ایسی مصیبت پیدا کر لی جس سے اس قسم کی الجھنیں پیدا ہو گئیں اور ہو رہی ہیں کہ جوں جوں انہیں سلجھانے کی کوشش کی جا رہی ہے وہ پیچیدہ تر ہوتی جاتی ہیں۔ سب سے بڑی الجھن یہ کہ اس سے اُن تجویزی عناصر کے لئے جو شروع ہی سے پاکستان کے خلاف چلے آتے تھے اور تشکیلی پاکستان کے بعد اس کی تخریب کے مخوس ارادے مقدس نقابوں میں چھپائے ہوئے تھے وہ کام کے دلوں میں ظنون و وساوس پیدا کرنے کا موقع ہم پہنچا دیا اور انہوں نے اس طرح استیاد اور یقین کی تخریبی عناصر

ان مستحکم بنیادوں کو جن پر اس اسلامی تجربہ گاہ کا قیام شید اور بیج المیز استوار ہونا تھا شک و ذہب بذہنی اور بد اعتمادی اور یاس و نا اُمیدی کے دھبک جراثیم سے متزلزل کر دیا اس سے پاکستان کو ایسا دور رس اور دھبک نقصان پہنچا ہے جس کا سطحی نگاہوں سے اندازہ لگانا مشکل ہے۔ مذہب کا جذبہ تمام مسلمانوں کے تحت الشعور میں جاگزیں ہے اس کی اصل اس کے قلب کی گہرائیوں میں پیوست ہے۔ اس گئے گزریے زمانہ اور افسردہ دور میں بھی اس کے عروقِ مردہ میں خونِ زندگی دوڑانے کا سب سے بڑا محرک یہی جذبہ ہے دنیا نے اپنی اپنی قوموں کے لئے وطن، قوم، تاج،

مملکت کی محبت و عقیدت کے جذبات کو دھبہ گسائی خون اور باعثِ تخلیق جنوں بنانے کی کوشش کی ہے لیکن مسلمانوں کے لئے ان میں سے کوئی جذبہ بھی ایسا مؤثر اور کارگر ثابت نہیں ہوا جس قدر ایک اللہ کا نام انقلاب آفرین ثابت ہوا ہے وہ اس نام کی بلندی کے استحکام اور اس کی آبرو کے قیام کے لئے اپنی عزیز ترین متاع ہنستے کھیلنے لٹا دیتا ہے۔ اس کے اس بے پناہ جذبہ شوق و جنوں کو شکوک و ظنون کے دق کے جراثیم کے سپرد کر دینا قلعی خودکشی نہیں تو اور کیا ہے؟

مندرجہ صدر وجوہات کی بناء پر اس مسئلہ کے متعلق ایک واضح، ہین اور غیر مبہم سرکاری اور آئینی اعلان کی ضرورت پہلے ہی کچھ کم نہ تھی لیکن پچھلے دنوں سے ہندوؤں کی طرف سے جو خاص پروپیگنڈا شروع ہوا ہے اس کے پیش نظر یہ ضرورت اور بھی شدید ہو گئی ہے۔ اور ہمارا خیال ہے کہ اس موقع کے آخری لمحات آپہنچے ہیں جب اس باب میں حکومت پاکستان کے ارباب حل و عقد کو بلاناخیر مزید فیصلہ کرنا ہوگا۔ پچھلے دنوں ہندوستان کے باقی کمشنر مقیم پاکستان نے مشرقی بنگال کے حالات و

مخالف پروپیگنڈا

کوائف کا جائزہ لیتے ہوئے ایک بیان میں کہا کہ وہاں کے ہندو اس لئے ہندوستان آرہے ہیں کہ ارکان پاکستان نے کئی مرتبہ اعلان کیا ہے کہ پاکستان ایک اسلامی اسٹیٹ ہوگی لہذا اس قسم کی اسٹیٹ میں غیر مسلم کس طرح اپنے آپ کو محفوظ سمجھ سکتے ہیں اس کے بعد پاکستان کے گورنر جنرل محترم خواجہ ناظم الدین نے جب ایک بیان کے سلسلے میں فرمایا کہ محترم قائد اعظم کی وفات کے بعد ہمارے اندرونی اختلاف دور ہو چکے ہیں حتیٰ کہ وہ لوگ جو اس سے پہلے قدیم شریعت کی فوری تنفیذ کا مطالبہ کیا کرتے تھے انہوں نے بھی اپنی جدوجہد کو ملتوی کر دیا ہے تو اس پر

ہندوستان ٹائمز نے نسیم عمریؒ کے عنوان سے ایک مقالہ افتتاحیہ لکھا جس میں کہا کہ:-
 پاکستان بالخصوص مشرقی بنگال کی اقلیتوں کو اتنا خوف و ہراس اور کسی چیز سے
 پیدا نہیں ہوا جتنا اس حقیقت سے کہ پاکستان کے رہنماؤں نے متحدہ دہارا اس
 کا اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی اصول و روایات کے مطابق ایک
 اسلامی مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں
 اس کے بعد لکھا کہ:-

اگر کشمیر کا تنازعہ پر امن طریق سے طے ہو جائے اور پاکستان اسلامی اسٹیٹ
 کے خیال کو ترک کر دے اور اپنے سامنے ایک جمہوری ریاست کی تشکیل
 کا نصب العین رکھے تو اس سے پاکستان اور ہندوستان اور ہندوؤں اور
 مسلمانوں میں خوشگوار تعلقات کا ایک نیا دور شروع ہو جائے گا۔ (پڑا ۱۹)
 پھر جب لندن میں محرم لیاقت علی خان نے ایک اجتماع میں کہا کہ:-
 پاکستان ایک اسلامی اسٹیٹ ہے اور ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ وہ ان اصولوں
 پر قائم کی جائے گی جو ہیں اسلام نے سکھائے ہیں۔ (ہندوستان ٹائمز نمبر ۲۵)
 تو اس پر اخبار نے پھر اپنے مقالہ افتتاحیہ میں لکھا کہ:-

تقسیم ہند کے وقت سے ہندوستان کے نیناؤں نے اس امر کا اعلان کر
 رکھا ہے کہ ہندوستان میں مادی (SECULAR) مملکت ہو
 گی لیکن سرحد کے اُس پار کے لیڈر پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ پاکستان
 اسلامی اسٹیٹ ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں ہندوستان کی سیاسی جماعتوں
 اور ارکان حکومت کی تمام کوششیں اس امر میں صرف ہو رہی ہیں کہ

مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو یقین دلائیں کہ وہ یہاں بالکل محفوظ ہیں پاکستان کی اقلیتوں کو یہ محسوس کرایا جا رہا ہے کہ پاکستان میں خیر مسلموں کے لئے کوئی جگہ نہیں اور ان کی املاک کو قانوناً ضبط کیا جاسکتا ہے! ابھی پچھلے دنوں مسٹر لیاقت علی خاں نے کہا ہے کہ پاکستان ایک اسلامی اسٹیٹ ہے (۲۵)۔

یہ دہی پروپیگنڈا ہے جو اس سے بہت پہلے عیسائی حکومتوں اور مشنریوں نے مسلمانوں کے خلاف شروع کیا تھا اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمان ساری دنیا کی نگاہوں میں سب سے زیادہ وحشی، خونخوار انسانیت کا دشمن اور تہذیب و تمدن کا رہنمائی قرار پایا ہے جس کے ہاتھوں نہ کسی شریف آدمی کی عزت محفوظ ہے نہ آبرو، نہ جان سلامت ہے نہ ایمان! اس کا مذہب دنیا میں فساد و خونریزی کا سب سے بڑا موجب اور اس کی شریعت ننگ و ناموس انسانیت کی سب سے مہیب دشمن سمجھی جاتی ہے چنانچہ آج بھی صورت یہ ہے کہ جب ہم اقوام عالم کے کسی اجتماع میں جلتے ہیں تو سب سے پہلے انہیں یہ باور کرانا پڑتا ہے کہ ہم سے ڈریئے نہیں، ہم انسان ہی ہیں، خونخوار دہندے نہیں ہیں یہ تو رسی ہماری تصویر غیروں کی نگاہ میں اور خود اپنوں کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ بھی رفتہ رفتہ اس پروپیگنڈا سے مرعوب ہو کر محسوس (اور بعض اوقات اس امر کا کھلے بندوں اقرار) کرنے لگ گئے کہ اسلام کا نظام واقعی چودہ سو سال پیشتر کے اکثر بدوؤں کو درست کرنے کے لئے موزوں تھا! آج کی مہذب دنیا میں اس سگ کا چلن ناممکن ہے! اس غلط پروپیگنڈے کا اثر خدا کر کے زائل ہونے لگا تھا کہ اب ہندوؤں کی طرف سے اس کی تجدید شروع ہو گئی ہے! اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہمارے اربابِ عمل و عقد جو پہلے ہی کچھ بین بین مسلک کے عادی ہیں ڈرنے

لگ جائیں گے کہ اگر ہم نے پاکستان کو اسلامی مملکت قرار دے دیا اور اس میں نظماً شریعت کو رائج کر دیا تو

(۱) دنیا ہمیں بھروسہ اور غیر مہذب سمجھنے لگ جائے گی۔

(۲) یہاں کی اقلیتیں بدک کہ بھاگنا شروع کر دیں گی اور

(۳) اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان کا ہندو انتقام پراتر آئے گا۔

ان کا یہ ڈر بجا ہوگا!

آپ حیران ہوں گے کہ ہم نے یہ کیا کہہ دیا کہ ان کا یہ ڈر بجا ہو گا یا نہ صرف ان کا یہ ڈر بلکہ ایک حد تک وہ پروگنڈا ابھی جو مسلمانوں کے نظام حکومت کے خلاف دنیا کرتی چلی آئی ہے اور آج بھی

ملا کی شریعت

کر رہی ہے جیسا کہ ہم بار بار باوضاحت بیان کر چکے ہیں مسلمانوں کا (اسلام) کا نہیں بلکہ مسلمانوں کا (نظام مملکت و آئین شریعت اپنے اکثر و بیشتر حصوں میں ایسا ہی رہا ہے جسے ہم دنیا کے سامنے کبھی فخر کے ساتھ پیش نہیں کر سکتے اس کی ایک مثال اسی پرچہ کے ”باب المراسلات“ میں ”لنڈمی اور غلاموں“ کے عنوان کے تحت دیکھئے لے سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نظام شریعت کے سب سے بڑے علمبردار سمجھے جاتے ہیں۔ ذرا سوچئے کہ جنگی قیدیوں کے بارے میں وہ جس قسم کا شرعی نظام رائج کرنا چاہتے ہیں، اسے دیکھ کر دنیا کی قومیں آپ کے متعلق کیا کہیں گی اور جو کچھ کہیں گی، اس میں

لے غلامی کے متعلق مودودی صاحب کی شریعت کے لئے دیکھئے ”قل مرتد غلام اور

لنڈیاں اور یتیم پوسٹے کی وراثت“ شائع کردہ طلوع اسلام ٹرسٹ۔

حق بجانب ہوں گی یا نہیں؟ یہ نمونہ ہے اُس نظام شریعت کا جو مسلمانوں کے دیر ملکیت میں ایجاد ہوا لیکن جسے شومئی قسمت سے مسلمان ”اسلامی نظام“ سمجھ رہا ہے۔

تو پھر کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اعلان کر دیں کہ پاکستان اسلامی اسٹیٹ نہیں ہوگی بلکہ لادینی اسٹیٹ ہوگی۔ یہ نہیں۔ اگر ایسا ہی کرنا ہوتا تو ہندوستان کی تقسیم کی ضرورت ہی نہ تھی کہ نئے کام دہی ہے جس کی طرف ہم گزشتہ اشاعت کے لمحات میں اشارہ کر چکے ہیں یعنی یہ کہ:-

(۱) پورے حتم و یقین اور وثوق و اعتماد سے اعلان کر دیا جائے کہ پاکستان اسلامی اسٹیٹ ہوگی۔

(۲) اس اسٹیٹ کا نظام قرآن پر مبنی ہوگا۔

اداس کے بعد حکومت ہند سے یہ کہا جائے کہ پاکستان **قرآن کا امین** کے اسلامی اسٹیٹ بننے سے آپ کو غیر مسلموں کے بارے میں جو خدشات و خطرات نظر آ رہے ہیں ان کی ایک تفصیلی فہرست مرتب کر کے بھیج دیجئے اور اس کے بعد دیکھ لیجئے کہ جو قانون ہم بناتے ہیں اس فہرست میں سے کسی ایک خطرہ یا خدشہ کا اندیشہ بھی باقی رہتا ہے ان سے کہہ دیجئے کہ ہم اپنا قانون اُس وقت رائج کریں گے جب آپ خود دیکھ لیں گے کہ آپ کے تمام خطرات و خدشات وہی ہیں ان میں سے ایک بھی بنی برحقیت نہیں اتنا ہی نہیں اس سے ایک قدم آگے بڑھیے اور ان سے کہیے کہ اس کے بعد ہمارے قانون کا اپنے قانون سے موازنہ کیجئے اور دیکھئے کہ غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق و مفاو کا جس طرح

قانونی تحفظ ہم کرتے ہیں اور جو جماعات انہیں ہم دیتے ہیں کیا آپ کا قانون اس کی نظیر پیش کر سکتا ہے۔

اور آگے بڑھیے اور ساری دنیا کو کہہ دیجئے کہ **فَاَتَاوْا بِسُوْدَةٍ مِّنْ قَبْلِکُمْ** اس قانون کی کسی ایک شق کی نظیر اپنے ضوابط و قوانین سے پیش کر کے بتاؤ جسے ہم پیش کرتے ہیں وہ خدا کا قانون ہے مذاق نہیں ہے اگر وہ انسانوں میں عدل و مساوات قائم نہ رکھ سکے تو اسے خدائی قانون کہلانے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ خدا کا قانون نہ ہوا مٹو کا شستر یا ایسٹانٹک چارٹر ہوا۔

کھیل بچوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا

محترم خواجہ ناظم الدین صاحب نے اپنے محولہ صدر بیان میں فرمایا ہے :-

جو لوگ (ORTHODOX) نظام شریعت کی فوری

(IMMEDIATE) تردید کا مطالبہ کرتے ہیں یا انہوں

نے اپنی مساعی کو ملتوی کر دیا ہے۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ محترم خواجہ صاحب پاکستان میں قانون اسلامی کی تنفیذ کے خلاف نہیں ہیں (جیسا کہ ہندوستان ٹائمز نے اس سے نتیجہ نکالا ہے) بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ :-

(i) اسلامی قانون ہمارے حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہو نا

چاہئے اور

(ii) اسے بشریکِ رائج کرنا چاہئے۔

ہم شریعت سے یہی کہتے چلے آ رہے ہیں کہ وہ نظامِ اسلامی جو عصرِ حاضر کے تقاضوں

کو پورا کر سکتا ہے، اُسی صورت میں مرتب ہو سکتا ہے کہ قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی جزئیات اپنے حالات کے مطابق متعین کی جائیں۔ یہ صلاحیت صرف قرآن میں ہے کہ وہ تمام نوع انسانی کی قیامت تک کی ضروریات کا ساتھ دے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جو نظام بھی ہے انسانوں کا خود ساختہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ انسانوں نے جو نظام کسی ایک زمانہ کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیا ہو (خواہ وہ جزئیات قرآنی اصولوں کی روشنی میں کیوں نہ متعین کی گئی ہوں) وہ ابداً آباد تک غیر متبدل نہیں ہو سکتا جیسا کہ ہم نے گزشتہ ماہ لکھا تھا، ارباب حکومت کو اس باب میں اغلباً یہ اندیشہ ہے کہ قدامت پسند حضرات اس کی مخالفت کریں گے اور عوام کے جذبات کو مشتعل کر دیں گے لیکن اس اندیشہ کا علاج تاخیر نہیں ہے اس سے حالات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں اگر آپ اس سے متفق ہیں کہ قرآنی اصولوں کی روشنی میں ہمیں اپنے حالات کے مطابق خود اپنی جزئیات متعین کرنی ہیں تو عزم راسخ سے اس کا اعلان کیجئے کہ ہمارے آئین کی بنیاد قرآن پر ہوگی۔ اور پھر پوچھئے مسلمانان پاکستان سے کہ کسی کو اس پر کوئی اعتراض ہے آپ دیکھیں گے کہ اس

تاخیر نہ کیجئے

کے خلاف ایک آواز بھی بلند نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ کون بد بخت ہے جو یہ کہے گا کہ ہمارے آئین کی بنیاد قرآن پر نہیں ہونی چاہیے اور اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ پاکستان کے مسلمانوں کو اس نظام کے ساتھ کس درجہ دالہانہ عمید پیدا ہو جاتی ہے یہ خدشات و خطرات سب اس لئے ہیں کہ آپ حقائق کا سامنا کرنے سے ہچکچاتے ہیں حقائق کو بے نقاب سامنے رکھیے یہ تمام خدشات

کا فور ہو جائیں گے۔ اِنَّ النَّبَاَ طَلَّ كَاَنَّ زَهْوَقًا۔^{۱۶}
 باقی رہا اس کا تدریجی نفاذ تو یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ایک نظام کی
 جگہ دوسرا نظام تدریجی طور پر ہی رائج ہو سکتا ہے لیکن جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے
 ہیں، تدریجی مراحل تو کسی نقطہ آغاز سے شروع ہوں گے۔ اگر آپ کسی پروگرام
 کی ابتدا ہی نہ کریں گے تو وہ اپنے تدریجی منازل طے کس طرح سے کرے گا۔
 برس دن سے یہ قوم سنتی چلی آرہی ہے کہ پاکستان اسلامی اسٹیٹ ہے اس کا
 آئین اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگا۔ لیکن آج تک اس باب میں ایک عملی قدم
 بھی تو نہیں اٹھایا گیا۔ ہم جانتے ہیں کہ ہماری حکومت کے سامنے بڑے بڑے
 اہم مسائل ہیں ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ بیرونی خطرات ان کی تمام توجہات کو اپنی
 طرف مرکوز اور تمام قوتوں کو اپنے اندر جذب کئے ہوئے ہیں لیکن اگر بیرونی
 خطرات کا تدارک اور حفاظتی تدابیر استحکام پاکستان کے لئے ضروری ہیں تو اندرون
 ملک میں آئینی نظام کی ترتیب و تنفیذ بھی استحکام پاکستان کے لئے کچھ کم ضروری
 نہیں اس سے نہ صرف یہ کہ ہمارے معاملات منشاۓ خداوندی کے مطابق
 طے پائیں گے بلکہ قوم اُس ذہنی خلفشار سے نجات حاصل کر کے جس میں وہ
 آج کل مبتلا ہے کامل جمعیتِ خاطر سے استحکام پاکستان کے لئے تیار ہو
 جائے گی اور اُن تخریبی عناصر کو بھی ذہر افشانی کا موقع نہیں ملے گا جو اس باب میں
 تاخیر یا عدم فیصلہ کی آڑ لیکر قوم میں تشتت و انتشار اور بددلی اور بدگمانی پیدا کر رہے ہیں۔
 سرگرم عمل ہیں۔

جماعت اسلامی | محترم خواجہ ناظم الدین نے اپنے بیان میں فرمایا ہے کہ

جو لوگ پہلے قدیم شرعی نظام کی تنفیذ کا مطالبہ کرتے تھے انہوں نے بھی اب اپنی جدوجہد کو ملتوی کر دیا ہے اور حکومت کی تائید اور امداد کا وعدہ کر لیا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس سے خواجہ صاحب کا اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے۔ لیکن اگر ان کے پیش نظر وہ گمراہ ہے جو اپنے آپ کو اسلامی جماعت سے تعبیر کرتا ہے اور اُنکے اتوائے مساعی سے مقصود ہیں وہ اعلانات جو اس جماعت کی طرف سے ان کے امیر اور متمدن کی گرفتاری کے بعد صادر ہوئے ہیں تو ہم گزارش کریں گے کہ ان کی اتنی سی بات سے مطمئن ہو جانا اور سمجھ لینا کہ اب قوم کو ان کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا اپنے آپ کو دھوکا میں رکھنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس پر ابھی تک غور نہیں کیا کہ یہ تحریک جو بظاہر اسلامی جماعت کے مقدس اور معصوم نقاب میں سامنے آئی ہے اور جس کا مقصود اور مطالبہ مسلمانوں کو نیکے معنوں میں مسلمان بنانا بتایا جاتا ہے، مگر محرمات پر مبنی کمن خواہل پر مشتمل ہے اور مستقبل میں کتنے بڑے فتنے کا موجب بن سکتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ مدت ہائے دواز کے ذہنی جمود اور فکری خمود کی وجہ سے مسلمانوں میں بڑی ”سطح پسندی“ آگئی ہے وہ کسی معاملہ مسئلہ یا تحریک کا وقت نظر سے مطالعہ نہیں کرتے کہ ایسے مطالعہ کے لئے مغور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس کی سطح پر نگاہ ڈالتے ہیں اور اُسی سے اس کے اصل کے متعلق ایک رائے قائم کر لیتے ہیں اور پھر اس رائے پر اس شدت اور تعصب سے جم جاتے ہیں گویا وہ گہرے مغور و فکر اور کامل بصیرت و فراست کے بعد قائم کی گئی تھی ذرا سوچیے،

آج سے قریب پچاس برس پہلے ہرزہ میں پنجاب سے ایک

میرزا غلام احمد | تحریک اٹھی۔ باقی تحریک نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے مصلح،

مشفق اور طبیبِ درد مند اور اسلام کے بہت بڑے پی خواہ کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ اپنی تعارفی تصنیف ہدایہ میں احمدیہ کے متعلق بتایا کہ وہ ایک سپر ہوگی اُن تمام افراتفا کے لئے جو معاندین اسلام کی طرف سے اسلام پر وارد کئے جاتے ہیں؛ اُس ناد میں آریہ پڑت اور عیسائی مشنری مسلمانوں کے خلاف یہاں مناظرہ گرم رکھا کرتے تھے۔ اس لئے اسلام کی محافظت کے سلسلہ میں انہی گروہوں کو پیش پیش رکھا گیا۔ سادہ لوح مسلمانوں نے اس تھو پر بے تابانہ لبیک کہا اور اس کے داعی کی ہر ممکن مدد اور تائید کے لئے چاروں طرف سے آدازیں بلند ہو گئیں۔ ان مقدس دعاؤں کے ساتھ اس تحریک کی ابتدا ہوئی اور کسی نے اتنا سمجھنے کی کوشش نہ کی کہ اس سے مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اگر یہ کہ مسلمان کے جذبہ جہاد سے خوف لاحق ہو رہا تھا تو کسی طرح اس سے مامون ہو جاتے اس خطرہ کو وہ ہندوستان میں حضرت سیتا محمد بریلوی کی تحریک جہاد کی صورت میں اپنے سلسلے دیکھ چکا تھا اور جتنا تھا کہ اگر یہ تحریک دوبارہ اٹھ کھڑی ہوئی تو اس کے لئے ہندوستان تو ایک طرف مشرقِ بحر میں اپنے قدم جانے ناممکن ہو جاتیں گے۔ وہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کے دلوں سے اس جذبہ کو نکال دیا جائے۔ امدان کی توجہات اس طرح کسی دوسری طرف منتقل کر دی جاتیں کہ انہیں ان کی طرف دیکھنے کی فرصت ہی نہ ملے یہ تحریک بڑی کامیاب رہی اس نے ایک طرف جہاد کو حلام قرار دیا اور دوسری طرف پچاس برس تک مسلمانوں کو ان سمجھوں میں الجھائے رکھا کہ

ابن مریم مرگیا یا زندہ جاوید ہے ؟

یا "خاتم النبیین" میں خاتم کیت کسور ہے یا مفتوح اور انگریز ہندوؤں کو ساتھ ملا کر نہایت اطمینان اور فراغت سے مسلمانوں کی ہلاکت اور بربادی کے سامان فراہم کہ تار بار پھر تک اس تحریک کے

پاس کوئی ایسا **POSITIVE** چیز پیش کرنے کو تھی نہیں اس لئے اس نے اپنی بنیاد منافرت کے سلبی (**NEGATIVE**) اسلوب پر رکھی آپ دیکھیں گے کہ جو یہی کوئی شخص میرزاویت کی بعیت کرتا ہے مسلمانوں کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگ جاتا ہے وہ انہیں مسلمان ہی نہیں سمجھتا وہ ان سب کو جہنم کا ایندھن قرار دیتا ہے اور صرف اپنی جماعت کو نجات یافتہ سمجھتا ہے۔ اگر اس نے آج صبح بعیت کی تو اس کے کل (دیروز) اور آج میں عملی طور پر کچھ فرق نہیں ہوتا۔ لیکن بایں ہمہ وہ تمام مسلمانوں کو ذلت کی نگاہ سے دیکھنے لگ جاتا ہے اور پھر یہ جذبہ بعد و منافرت اس طرح ترقی کرتا چلا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کا بدترین دشمن ہو جاتا ہے اور

مسلمانوں سے نفرت | اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے **إِنْ تَمْسُكْهُ** **حَسَنًا تَنْصُرْهُ وَإِنْ تَصْبِكْهُ سَيَلُذْ بِغُرْحَوَابِهَا** (مسلمانوں کی خوشحالی سے وہ مل اٹھتے ہیں اور ان کے مصائب سے خوش ہوتے ہیں) ان کی جماعت بندی کا سینٹری جذبہ منافرت ہے اسی سے ان کی جداگازہ جماعت کا وجود قائم ہے ان میں ان جذبات نفرت کو شدید سے شدید تر کیا جاتا ہے تاکہ اس سے ان کی جماعت مستحکم رہے۔ وہ سارے مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں لیکن اس کے باوجود حالت یہ ہے کہ جو مراعات مسلمانوں کے لئے مخصوص ہوتی ہیں ان میں مسلمان بن کر برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ برابر کے ہی نہیں بلکہ اب تو شریک غالب کی حیثیت سے۔

یہ تحریک بڑش گورنمنٹ کے بل بولتے پر قائم تھی۔ جب انگریزوں نے ہندوستان سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیا تو یہ تحریک بھی مرجھانے لگ گئی اب انگریزوں کے چلے جانے کے بعد بات کی پچ یا "پیری مریدی" کے مصالح ہیں جو اس کے مٹنے

والے آثار کو قائم رکھ رہے ہیں۔ اس سے زیادہ بحیثیت ایک تحریک کے اس کی کوئی اصل باقی نہیں کچھ عرصے کے بعد اس کے یہ نقوش و شواہد بھی ختم ہو جائیں گے اور پھر آنے والے مؤرخ کے پاس سوائے اس نقصانِ عظیم کے جو مسلمانانِ ہند کو اس سے پہنچا اس کا کوئی نشانِ راہ باقی نہیں رہے گا۔

جدید مزائیت | لیکن اسے ہماری شوٹی قسمت کیسے یا خطہ پنجاب کی زرخیزی کا کرشمہ کہ عین اُس زمانہ میں جب اس پرانی تحریک میں پت جھڑ شروع ہوتی تھیں سے ایک نئی تحریک نے اپنی پہلی کونسل نکال کر اپنی نفسیاتی کیفیت اور تکنیک کے اس اعتبار سے اس پرانی تحریک کی برز ہے۔ یہ تحریک جماعت اسلامی کے نام سے مشہور ہے جس کے تذکرہ سے اس قصبہ کی ابتداء ہوتی ہے۔ مسلمانانِ ہند کی تحریک آزادی کی ابتداء میں بنیادی مابہ التنازع مسئلہ یہ تھا کہ مسلمان ایک جداگانہ قوم ہیں یا ہندوستان کی دیگر غیر مسلم اقوام کے ساتھ مل کر ایک متحدہ قومیت کا جزو بنتے ہیں جمہور مسلمان اپنی جداگانہ قومیت کے حق میں تھے اور اسی پر ان کے سیاسی و عادی کی بنیاد تھی۔ رسالہ ترجمان القرآن کے ایڈیٹر سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اُس زمانہ میں متحدہ قومیت کے نظریہ کی مخالفت کی اور اس طرح جمہور مسلمانوں میں خاصی مقبولیت حاصل کر لی۔ اس کے بعد انہوں نے ۱۹۴۱ء میں اپنی جداگانہ جماعت کی تحریک چلائی جس کی اساس اس معصوم اور مقدس آواز پر تھی کہ مسلمان جب تک سچے معنوں میں مسلمان نہیں بن جاتا جب تک وہ خدا کے رُکھ میں نہیں رنگا جاتا اُس وقت تک اسے

فوز و فلاح نصیب نہیں ہو سکتی کیونکہ مسلمان ہے جسے اس دعوت سے اختلاف ہو سکتا تھا اس لئے اس کو ادا نہیں ایسی دلکشی اور اس دعوت میں ایسی جاذبیت تھی کہ لوگوں نے اس پر اس طرح لبیک کہا جس طرح براہین احمدیہ کی اشاعت پر بلکاس سے بھی زیادہ کہ یہ نئی تحریک MODERN طریق پر پیش کی گئی تھی یہیں اس وقت ان تحریکات سے بحث نہیں جو اس تحریک کی تخلیق کا باعث ہوئے۔ لیکن اس جماعت نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے آپ کو اسلامی جماعت کہہ کہ باقی مسلمانوں کے غیر اسلامی ہونے کا اعلان کر دیا اور اس طرح بعد و منافرت کا وہی بیج جس پر تحریک قادیانیت کی اساس تھی از سر نو بویا گیا اس کے بعد امیر جماعت (یعنی خود مودودی صاحب) نے جماعت کے اراکین کی تجدید ایمان کی اور اس طرح اپنے دست حق پرست پر گویا انہیں نئے سرے سے مسلمان کیا (ملاحظہ ہو جماعت اسلامی کے پہلے اجتماع کی روداد) مسلمان اُس زمانہ میں ہندو اور انگریز کے بیچہ محاذ کے خلاف اس سیاسی کشمکش میں مبتلا تھے کہ ہندوستان میں ہندو اکثریت کی حکومت قائم ہو جائے یا مسلمانوں کو اپنی جداگانہ مملکت قائم کرنے کا موقع مل جائے مسلمانان ہند کے لئے یہ دور بڑا نازک تھا اور غیر مسلم عناصر یورپی کوشش کر رہے تھے کہ مسلمانوں کی جداگانہ حکومت کے نظریہ کی حامل جماعت کی قوتوں میں کسی نہ کسی طرح ضعف و انتشار پیدا کر دیا جائے کہ اس میں ہندو کی فتح کا راز مضمر تھا۔ عین اس کشمکش کے زمانہ میں اسلامی جماعت نے مسلمانوں کے خلاف ایسا زہر اگانا شروع کیا جس سے ان کی اجتماعی کوششوں میں انتشار پیدا ہو جانا لازمی تھا۔ آپ اس جماعت کے آرگن مرقان القرآن اور دیگر

جرائد و رسائل کے فائل اٹھا کر پڑھیے اور دیکھئے کہ کس منظم طریق پر مسلمانوں کی اس سیاسی جدوجہد کی مخالفت کی جاتی تھی جس سے ان کی ملی زندگی اور موت کا سوال وابستہ تھا۔ قادیانی تحریک نے مسلمانوں کو کافر بنایا تھا، مودودی صاحب نے انہیں من حیث القوم منافق قرار دیا، کافر اور منافق میں جو فرق ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ چنانچہ ترجمان القرآن میں ”حقیقتِ نفاق“ کے عنوان سے ایک سلسلہ مضامین شائع ہوا جس میں لکھا تھا کہ ۱۔

مسلمانوں سے نفرت منافقین کی مذکورہ بالا اقسام تو وہ ہیں جن کا کہ

قرآن میں آیا ہے ان کے علاوہ ایک اقسام

جی اس زمانہ میں پائی جاتی ہے جس کا وجود عہدِ نزولِ قرآن میں نہیں تھا اور نہ قدرتا ہونا چاہیے تھا۔ یہ قسم ان نسل اور خاندانی مسلمانوں پر مشتمل ہے جن کے داغ تو غیر اسلامی نظریات اور اصولوں پر پوری طرح ایمان لائے ہوئے ہیں اور اسلامی اصول اور قرآنی تصورات سے یکسر نفرت کر چکے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے اور مسلمان کہلاتے جانے پر مصر ہیں اور ان کا یہ امر کسی غرض یا ذاتی مصلحت پر مبنی نہیں ہے جیسا کہ دوسرے منافقوں کا خاقہ ہے بلکہ انہیں لفظاً سلام اور مسلمان کے ساتھ ایک گہرا پیدائشی تعلق ہے اور اس تعلق کے قیام و بقا میں وہ سخت متعصب واقع ہوئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح دنیا میں بے شمار قومیں ہیں اسی طرح انہوں نے مسلمانوں کے لفظ کو بھی ایک قوم کے نام کی حیثیت دے رکھی ہے اور جس طرح ہر انسان کو اپنی قوم

سے ایک خصوصی لگاؤ ہوتا ہے، خواہ اُس میں اور اُس کے دوسرے ہم قوم افراد میں کتنا ہی زبردست اختلاف فکر و نظر موجود ہو مگر نفسیاتی اعتبار سے اس لگاؤ میں اتنی مضبوطی ہوتی ہے کہ بسا اوقات انسان کسی قیمت پر اس لگاؤ کو قربان نہیں کر سکتا۔ بالکل اسی طرح یہ مسلمان زادہ بھی اپنی قومیت کے نشان یعنی لفظ مسلمان کو اپنے سے جدا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور جب کوئی موقع قومی حمایت کا آتا ہے تو دوسرے منافقین کی روش کے برعکس یہ مسلم قوم کی حمایت میں سینہ سپر ہو جاتا ہے اور اس جاں فرشی کے مظاہرہ میں نہ تو اس کی کسی بدنتی کا دخل ہوتا ہے نہ خود غرضی یا جاہ طلبی کا بلکہ یہ اثر ہوتا ہے محض اُس تعصب کا جو اُسے اپنی قومیت کے ساتھ ہے۔ اس سے ذرا آگے چل کر تحریر ہے :-

لیکن جیسا کہ کہیں اوپر بیان کیا جا چکا ہے اس وقت ایک تیسرا طبقہ بھی پیدا ہو گیا ہے جس کا نام ہم نے غیر شعوری منافق رکھا ہے۔ یہ طبقہ اپنے خیالات مقاصد زندگی اور طرز عمل کے اعتبار سے تو اسلام سے بالکل منحرف ہے مگر اپنے آپ کو مسلمان کہنے پر نہ صرف مصر ہے بلکہ اسلام کے نام پر جان دینے تک کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور بس مسلمانوں کو سر بلند دیکھنے کیلئے مراجاتا ہے۔ اس کے اندر اسلام اور مسلمانوں کے لئے ویسی ہی عظمت اور جاہلی حقیقت ہے جیسی ایک پیدائشی ہندو میں ہندومت اور ہندوؤں کے لئے اور ایک پیدائشی سکھ میں سکھمت اور سکھوں کے لئے ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی قیادت کی خلاف

جمہور مسلمانوں کے علاوہ ان کے
نادک استہزاء و تخریب کا سب سے

بڑا ہدف مسلمانوں کی قیادت تھی۔ چنانچہ اس قیادت کے خلاف انہوں نے مسلسل
جہاد جاری رکھا اور اس کی تذلیل و تحقیر میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ انہوں نے اپنی
جماعت کو تاکید کر دی کہ مسلمانوں کی اس اجتماعی تحریک میں کوئی حصہ نہ لیا جائے۔
اس طرح رفتہ رفتہ یہ جماعت ایک مستقل فرقہ بن گئی جس کی اب کیفیت یہ ہے
کہ مرزائی حضرات کی طرح جو نہی کوئی شخص اس جماعت میں داخل ہوتا ہے وہ اپنے
آپ کو مسلمانوں سے الگ ہندیں۔ طائفے کا فرد سمجھنے لگ جاتا ہے اور
باقی مسلمانوں کو جہنم کا ایندھن سمجھ کر انہیں نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر
دیتا ہے۔

اس جماعت نے اس تمام دوران میں پاکستان کی مخالفت میں بھی کوئی کسر
نہیں اٹھا رکھی تھی۔ یہ کھلے بندوں اسے ”زہر ملا حلہ“ کہا کرتے تھے۔ نتیجہ اس کا یہ
ہوا کہ ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی پیدا ہو گئی جو اگرچہ اسلامی جماعت میں شامل
نہیں تھے لیکن ان کے نگاہ فریب دلائل سے متاثر ہو کر تحریک پاکستان سے دل
برداشتہ ہو گئے۔ اور بہت سے ایسے تھے جن کے دلوں کا یقین ریب و تشکیک
سے بدل گیا۔ غرضیکہ بہ ہئیت مجبوری مسلمانوں کی اس اجتماعی تحریک کو جس قدر نقصان
اس جماعت نے پہنچایا ہے، کھلے دشمن اتنا نہیں پہنچا سکے۔ اس کی وجہ خود اسی جماعت
کی زبان سے سن لیجئے حقیقت نفاق کے مضمون، میں جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے،
ارشاد ہے کہ:-

منافقین

اسلام کے مقابلہ میں دو طاقتیں ہمیشہ سے نمودار چلی آرہی ہیں؛ ایک کفر و دوسری نفاق۔ تاریخ اسلامی کے ابتدائی صفحات ہمیں بتاتے ہیں کہ اسلام کی راہ میں جتنی مشکلات کھانسنے پڑیں وہ ان موانع کی نسبت کہیں کم اور بے ضرر تھیں جو منافقین کی بدولت پیش آئیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کفار کی بھی اکثر معاذانہ کارروائیاں انہیں منافقین کی خفیہ ریشہ دوانیوں کی رہیں منت ہو کر ملتی تھیں۔ انہوں نے مشرکین کو لڑائی پر ابھارا، غزوات میں مسلمانوں کو اپنی فریب کاریوں سے نقصان پہنچایا، رسول اللہ اور صحابہ کرام کی توہین و تذلیل کی، عولن اور حسب نسب کے جھگڑے برپا کر کے مسلمانوں کی جمعیت پر لگندہ کرنے کے لئے کوشش کیں، تقسیم غنائم کے موقع پر کمزور ایمان رکھنے والے کو رسول اللہ سے بدظن کیا۔ اسلامی نظام کے تندرست پیکر میں طرح طرح کے وبائی جراثیم داخل کرنے کی سعی کی، غرض ہر رسائی کے جتنے طریقے ممکن ہو سکتے تھے ان میں کسی کو بھی فتنہ و شیطنت کے ان علمبرداروں نے باقی نہ اٹھا رکھا۔ کفر تو اسلام کے مقابلہ میں بے نقاب آتا ہے۔ ٹنکے کی چوٹ پر اپنی عداوت کا اعلان کر کے کھلے میدان میں دعوت پیکار دیتا ہے۔ لیکن نفاق پیشانی پر دوستی اور رفاقت کا لیبل لگا کر اسلام کے گھر میں بیٹھ کر صد ہا طریقوں سے اس کی یخ کنی کرتا ہے اور اس انداز میں کہ نگاہ ظاہر میں کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا پھر غور فرمائیے کہ کفر کے مقابلہ میں نفاق کی خطرناکیاں کتنی زیادہ ہوتی ہیں۔ پناہ اور کسی کارگر ہوں گی۔ دن کی روشنی میں زمین پر پڑے ہوئے بڑے بڑے پتھر اڑھتے کو مار ڈالنا کچھ مشکل نہیں ہوتا، لیکن جو ناگن آستین میں چھپی بیٹھی ہواس

کے نہر سے بچنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے۔

غرضیکہ یہ تھا اس جماعت کا موقف تقسیم ہند سے پیشتر ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مرزا کی حضرات کی کیفیت یہ ہے کہ مسلمانوں کو کافر بھی کہتے ہیں اور مسلمانوں کی مراعات میں برابر کے شریک بھی ہو جاتے ہیں یہی حالت اسلامی جماعت کی ہے۔ وہ عمر بھر مسلمانوں کو منافق قرار دیتے تحریک پاکستان کی مخالفت کرتے اور ان کی قیادت میں کیڑے ڈالتے رہے۔ لیکن تشکیل پاکستان کے بعد پاکستان کے سب سے بڑے حمایتی

تشکیل پاکستان کے بعد

بن بیٹھے۔ لیکن یہ حمایت بھی دراصل اسی تخریب کے لئے ہے جس کی تبلیغ وہ استے عرصے سے کرتے چلے آتے ہیں۔ انہوں نے اب صرف پلنٹر ابد للہ ہے۔ اب وہ نہایت غم خواہانہ انداز میں ٹھنڈی آہیں بھر بھر کر کہتے ہیں کہ اگر مسلمان ہماری مان لیتے تو مصیبتوں کے پہاڑ ان پر کیوں ٹوٹتے؟ اور اس کا قطع کا بند ادھی ہو جس قیادت! مرزائی حضرات کی کیفیت یہ ہے کہ جب کبھی مسلمانوں پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ جھٹ مرزا صاحب کی کتابوں کے اوراق الٹنے شروع کر دیتے ہیں اور کوئی نہ کوئی پیش گوئی نکال کر خوش ہو جاتے ہیں کہ اس سے مرزا صاحب کی صداقت کی ایک اور دلیل مل گئی۔ یعنی انہیں مسلمانوں کی اس مصیبت سے دکھ نہیں پہنچتا، اس چیز سے خوشی ہوتی ہے کہ وہ مصیبت مرزا صاحب کی صداقت کی دلیل بن گئی۔ گزشتہ سال اور اس کے بعد مسلمانان پاکستان پر جو قیامتیں ٹوٹیں ان میں اسلامی جماعت کے ارکین کی بھی یہی کیفیت تھی۔ وہ ہر نئی مصیبت پر مسلمانوں کو طعنے دیتے تھے کہ اور اتباع کہ دینی قیادت کی۔ دیکھا امیر جماعت اسلامی نے کتنا عرصہ پیشتر کہہ دیا تھا کہ

اس غلط قیادت کے نتائج بہت مہلک ہونگے۔ یعنی جب مسلمانوں کے گھروں میں صہب ماتم بھی ہوتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں کہ ان کے اسیر کی سیاسی بصیرت کی فادہ ل گئی۔

یہ ہے مختصر سا خاکہ اس جماعت کا جو اپنی ٹیل جماعت (مرزائیوں) کی جگہ لے رہی ہے۔ سادہ لوح مسلمان پھر ایک بلور فریب کھارہا ہے کہ یہ جماعت نہایت مقدس عظام کی حامل ہے۔ اس کی مخالفت خدا اور رسول کے پیغام کی مخالفت ہے۔ اس کا قانون شریعت کا مطالبہ کس قدر صحیح اسلامی روح کا آئینہ دار ہے جتنا نیچہ وہی مسلمان جو ہر "تیز رو" کے ساتھ تھوڑی دُور چلنے کا عادی ہو چکا ہے اس گروہ کے ساتھ بھی چل رہا ہے اور دل میں سمجھ رہا ہے کہ یہ راہ ٹھیک کعبے کی طرف لے جائے گی۔ لیکن نہیں سمجھتا کہ جس تحریک کی بنیاد مسلمانوں کے خلاف جذبہ منافرت پھیلانے پر قائم کی گئی ہو، جو نظریہ پاکستان کی اس درجہ مخالف رہی ہو، جو ان کی قیادت کے خلاف ایسا کھلا کھلا زہر اگل چکی ہو، اُن کے دل میں مسلمانوں کی یہی خواہی کا درد کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ ان کے نزدیک موجودہ مسلمانوں کا عدم وجود برابر ہے اس لئے مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ احتمالاً امریہ تحریک اُس تحریک سے بھی کہیں زیادہ نقصان رساں اور خطرناک ثابت ہوگی جس کی یہ نفل و برد ز اور (MODERN FORM) ہے اس سے بھی زیادہ مہلک اس لئے کہ اُس تحریک کا مقصد مسلمانوں میں محض تششت و انتشار پیدا کرنا اور انہیں جذبہ جہاد سے بیگانہ بنادینا تھا۔ اُن کی سیاسی قیادت حاصل کرنا نہیں تھا۔ اس کے برعکس، اِس تحریک کا سب سے پہلا مقصد سیاسی قیادت کا حصول ہے اور اس کے لئے ان کا صغریٰ و کبریٰ بالکل واضح ہے۔

ہوسِ قیادت

۱۔ مسلمانوں کی موجودہ قیادت انہیں جہتیم کی طرف لے گئی اور لے جا رہی ہے۔

۲۔ قیادت کے اہل عاملین شریعت ہیں اور

۳۔ ان میں سب سے بلند مقام جماعت اسلامی کو حاصل ہے۔

۴۔ نتیجہ واضح ہے۔

ان حقائق کو سامنے رکھیے اور سوچئے کہ اس جماعت کے مقاصد کیا ہیں۔ یاد رکھئے اگر اس جماعت کو تقویت حاصل رہی تو یہ نہ مملکت پاکستان کو مستحکم کرنے دے گی نہ یہاں کسی حکومت کے پاؤں جمنے دے گی نہ کوئی نظام چلنے دے گی، لہذا یہ کہ زمام حکومت خود ان کے ہاتھ میں رہے اور جس نظام کو یہ شرعی نظام قرار دیں وہ نظام ان کے ہاتھوں سے نفاذ پذیر ہو جب تک یہاں کوئی نظام جدید مانج نہیں ہوتا، یہ شرعی نظام کا مطالبہ کرتے رہیں گے اور اگر مسلمانوں نے کوئی اسلامی نظام وضع کر لیا تو ان کی طرف سے یہ اعتراض شروع ہو جائے گا کہ اس نظام کو چلانے والوں کی سیرت اسلامی نہیں لہذا ان کا نافذ کردہ نظام بھی صحیح اسلامی نظام نہیں قرار پاسکتا۔ ان تصریحات کی روشنی میں آپ سوچئے کہ اس چیز سے مطمئن ہو جائے کہ چونکہ ان لوگوں نے (غالباً) مودودی صاحب کی گرفتاری کے لئے، اپنے مطالبہ اور اس کے حصول کی جدوجہد کو معرض التواء میں ڈال دینے کا وعدہ کر لیا ہے، اس لئے اب خطرہ کہ کوئی بات نہیں، اپنے آپ کو کس قدر غلط فہمی میں مبتلا رکھنا ہے۔ ان کا یہ پروگرام محض ہنگامی نہیں بلکہ اس پر تو ان کی جماعت کے وجود کا قیام ہے۔ باقی رہی ان کی یہ رجعت تو یہ بھی اُس تحریک کی تقلید میں ہے جس کی یہ مثال ہے۔ جب مرزا صاحب پر

مقدمہ چلا گیا تو انہوں نے عدالت میں معافی مانگ لی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ میں آئندہ اپنی پیش گوئیوں کی اشاعت نہیں کروں گا۔

اسی طرح امیر جماعت اسلامی نے جب دیکھا کہ جنگ کشمیر کے معاملہ میں ان کے فتویٰ سے معاملہ نزاکت اختیار کر گیا ہے تو انہوں نے بھی جھٹ اس سے رجعت فرمائی اور اس تبدیلی فتویٰ کے لئے اس قسم کے لاطائل دلائل اور رکیک تاویلات کے

کام لیا جن پر عقل روئے اور بصیرت ماتم کرے۔ پھر اسی پانگٹا نہیں کیا گیا۔ وہ اپنے معافی نامہ میں اس سے بھی آگے بڑھ گئے۔ مسلمانوں

کی قیادت عظمیٰ کے متعلق انہوں نے رسول جو زہر افشانی کی ہے وہ ہر اُس شخص کے سامنے ہے جو ان کی تحریروں کا مطالعہ کرتا رہا ہے۔ دور کیوں جاسیئے تر جان القرآن کے دور جدید (اشاعت لاہور) میں انہوں نے پہلے پرچہ سے اُن تباہیوں اور بڑیوں کو گناہاں شریعہ کر دیا جو ان کے نزدیک مسلمانوں کی غلط قیادت کا نتیجہ ہیں۔ اس کے بعد جولائی ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں تحریر فرمایا کہ:-

مسلمانوں نے اپنی ساری قومی طاقت اپنے تمام ذرائع اور اپنے مجملہ معاملات اُس قیادت کے حوالے کر دیئے ہیں جو ان کے مسئلہ کو اس طرح حل کرنا چاہتی تھی دس برس کے بعد آج اس کا پورا کا زامہ ہمارے سامنے ہے اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس نے کس طرح کس صورت میں ہمارے مسئلہ کو حل کیا جو کچھ ہو چکا ہے وہ ٹرانسٹ ہے اب اسے بدلا نہیں جاسکتا۔ اس پر اس حیثیت سے تو بحث بے کا ہے کہ یہ نہ کیا جاتا تو کیا ہوتا۔ البتہ اس حیثیت سے اس پر بحث کرنا ضروری ہے کہ جو مسائل ہمیں اب درپیش ہیں کیا ان کے

حل کئے بھی وہی قیادت موزوں ہے جو اس سے پہلے ہمارے قومی مسئلہ کو اس طرح حل کر چکی ہے؟ کیا اس کا اب تک کارنامہ سہی سفارش کرتا ہے کہ اب جو بڑے بڑے اور نازک مسائل ہمارے سر پر آن پڑے ہیں جن کا بیشتر حصہ خود اس قیادت کی کار فرمائیوں کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے انہیں حل کرنے کے لئے ہم اس پر اعتماد کریں۔

منافقت | سن لیا آپ نے کہ مسلمانوں کی قیادت کے متعلق کس رائے کا اظہار کیا جا رہا ہے لیکن اس کے تھوڑے عرصے بعد جب مسئلہ کشمیر کے سلسلہ میں قانونی گرفت کا تصور آیا تو قائد اعظم کی وفات پر اسی قیادت کے متعلق ارشاد ہوا کہ ۱۔

ان کی شخصیت پچھلے دس بارہ سال سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا مرکز و محور بنی ہوئی تھی۔ ساری قوم ان پر مجتمع تھی۔ ان کی راہ نمائی پر سب کو بھروسہ تھا۔ ان ہی کے ذاتی اثر و رسوخ نے تمام مختلف عناصر کو جوڑ کر مسلمانوں کو ایک متحدہ قوم بنایا تھا۔ ان ہی کے اعتماد پر قوم نے اپنی پوری طاقت اس جدوجہد میں لگا دی تھی جس کے نتیجے میں آخر کار پاکستان قائم ہوا اور قیام پاکستان کے بعد اس نئی مملکت کی عمارت جس مضبوط ستون کے سہارے تعمیر ہو رہی تھی، وہ بھی ان ہی کی جامع اور معتمد علیہ شخصیت تھی۔ مرنے تک کے اندر ہی نہیں بلکہ ملک کے باہر بھی پاکستان کی جو ساکھ اور دھاک تھی وہ زیادہ تر اسی آزمودہ کار کی بدولت تھی۔ کوئی دوسری شخصیت ہمارے ہاں ایسی نہیں کہ اس کے وقار اور تدبیر کو بین الاقوامی بلادی میں اس درجہ بھروسہ اور اعتبار

کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو۔ دُنیا کے لئے تو مرحوم کی وفات محض ایک بڑے اور مشہور راہ نما کی رحلت ہے مگر ہمارے لئے یہ ایک بہت بڑی قومی مصیبت ہے کیونکہ اس سے ہماری نوخیز مملکت کی طاقت اور ہماری قومی زندگی کو ایسا صدمہ پہنچا ہے جس کی تدانی مشکل نظر آتی ہے اَللّٰہُ کہ اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے اور ہماری مدد کرے۔ (ترجمان القرآن، مابیت ستمبر ۱۹۴۸ء)

پہلے اُن خیالات کو دیکھیے جن میں اسی قائدِ ادراس کے رفقاء کے کار کو منافقین کے گروہ میں شامل کیا گیا ہے اس کے ساتھ ہی اُن خیالات کو جن میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ یہ تمام تباہیاں اور بربادیاں اسی قائد کی غلط قیادت کا نتیجہ ہے اور پھر مسلمانوں سے پوچھا گیا کہ کہو! ایسے قائد کی قیادت بھروسہ اور اعتماد کے قابل ہے۔ اور پھر اُسی قائد کے متعلق اُن خیالات کو دیکھیے جن کا اظہار معاملہ کی قانونی نزاکت کے احساس کے بعد مندرجہ بالا الفاظ میں کیا گیا ہے۔ ان سب کا موازنہ کیجئے اور پھر اندازہ لگائیے اس شخص کی سیرت کا جو پیغمبرانہ انداز میں منافقین (مسلمانوں) کو از سر نو مسلمان بنانے کا مدعی ہے۔

نازک جذبات | ہم یہ لکھ رہے ہیں اور ان جذبات کو اچھی طرح محسوس کر رہے ہیں جو اس کے پڑھنے والے اُن نوجوانوں کے

دلوں میں موجزن ہو گئے جو اس تحریک کو اپنے خلوص اور دیانت کی بنا پر فی الواقع رُوحِ اسلامی کا پیکر سمجھے ہوئے ہیں اُن کا غم و غصہ اپنی جگہ سب سے اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ان کے خلوص اور قوتِ فیصلہ پر حرف آتا ہے اور ان کی

عقیدت کو ٹھیس لگتی ہے لیکن یہ غم و غصہ ویسا ہی ہے جیسا اُن لوگوں کے دلوں میں ہے جو نہایت خلوص اور نیک نیتی سے تحریکِ مرزائیت کو سچا سمجھ کر اس میں داخل ہو چکے ہوں اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب کوئی اس تحریک کو بے نقاب کر کے اُنکے سامنے پیش کرے۔ یہ انسانی جذبات کا تقاضا ہے لیکن اسے اچھی طرح سے سمجھ لیجئے کہ کوئی تحریک، نظریہ، عقیدہ یا اصول محض اس لئے مبنی بر صداقت نہیں ہو سکتا کہ اس کے اختیار کرنے والوں نے اسے نہایت خلوص اور دیانت سے اختیار کیا ہے۔ اس طرح تو دنیا میں کوئی تحریک، کوئی نظریہ، کوئی عقیدہ اور کوئی اصول بھی غلط اور باطل قرار نہیں دیا جاسکے گا جو کچھ ہم نے کھلے کوشش کیجئے کہ آپ اسے ٹھنڈے دل سے پڑھ سکیں اس کے بعد سوچئے کہ کون سی راہ درست ہے۔ اگر اس کے بعد بھی آپ کی دہی رائے ہو جو اس سے پہلے تھی تو بڑے شوق سے اپنی رائے پر قائم رہیئے۔

فَمَنْ أَلْبَسَ فَلْيَنْفِسْهُ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَا نَا عَلَيَّكُمْ بِحَفِظٍ ۝۶

ہم سب ایک جیسے ہیں | یاد رکھیے ہم سب مسلمان اجتماعی طور پر ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ سب ایک

ہی ماحول کے پروردہ اور ایک جیسی ملی مجبوریوں میں مانوڑ۔ ہم میں سے کسی کی بھی یہ پوزیشن نہیں جو دوسروں سے کہے کہ میں مسلمان ہوں اور تم منافق ہو۔ یہ حق صرف رسول کو پہنچتا ہے جو اپنے ماحول سے متاثر نہیں ہوتا اور اس لئے درحقیقت اُن میں سے نہیں ہوتا جن میں وہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا اس مقام کا مدعی ہے تو وہ (خواہ مرزا صاحب کی طرح) زبان سے اس کا اعلان کر دے یا رمودودی صاحب کی طرح، لفظاً اس کا دعوے نہ کرے لیکن عملاً اپنے آپ کو اس مقام

پر سمجھے تو یہ پیغمبرِ انہِ شان کا اذعاب ہے۔ ہمارا صحیح مقام یہ ہے کہ ہم سمجھیں کہ ہم سب مسلمان ایک ہی مصیبت میں گرفتار ہیں اور ایک ہی ماحول کے مقتید ہیں۔ آؤ ہم سب مل جل کر کوشش کریں کہ اس غلط ماحول کو بدل کر اس کی جگہ صحیح اسلامی فضا پیدا کریں۔ اس باب میں ہم میں سے جو لوگ صاحبِ فکر و نظر ہوں گے اُن کا کام اس شتم کی توجہ نہ سوچنا ہوگا جو ہمیں اس تبدیلی احوال پر قادر کر دیں۔ یہی ان کا طرہ امتیاز ہوگا۔ یہ ہے صحیح راہِ عمل، نہ یہ کہ اپنے متبعین کو ”اسلامی جماعت“ کے افراد اور باقی مسلمانوں کو جہنم کا ایندھن تصور کر لیں اور ان سب کو ذلت کی نگاہ سے دیکھیں۔ یہ نفس کا دھوکا ہے۔ یہ مذہب اور حق پرستی کی آڑ میں الجھ فریبی ہے۔ یہ وہ مسلک ہے جس کے متعلق خود ترجمان القرآن نے لکھا تھا:-

منافقین کا ایک طبقہ وہ تھا جو مسلمانوں کی جماعت میں محض تفریق اور فتنہ و فساد برپا کرنے کی خاطر اسلام کا لیبل لگاتے رہتا تھا۔ لیکن جو جماعتی زندگی کے لئے تفرقہ عموماً مُفَرِّقِ رساں ہوتا ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ جو تفرقہ مذہب اور حق پرستی کی آڑ میں نمودار ہوتا ہے وہ ایسا زہرِ ملامل ہے جس کا کوئی تریاق نہیں۔

یہ تو غنیمت سمجھئے کہ ہندوستان میں اس جماعت کو کوئی طاقت حاصل نہیں ہوئی اور جمہورِ مسلمان اس کے پیچھے نہیں چلے ورنہ سوچئے کہ اگر اُس وقت مسلمان پاکستان کی مخالفت میں ان کے ہم ذہب ہو جاتے تو اس کا نتیجہ پوری کی پوری قوم کی ہلاکت کے سوا اور کیا ہوتا۔ ان کی تعلیم یہ تھی کہ اس وقت جو کچھ **غنیمت ہے کہ** ہندو اور انگریز کرتا ہے کرنے دو تم بے فکر ہو کر اپنے

اخلاق سنوارنے میں لگے رہو۔ جب تم اس طرح اصلاح یافتہ ہو جاؤ گے تو دنیا کی سلطنتیں تمہارے قدموں میں آجائیں گی۔ اگر مسلمان ان کی مان لیتا اور بساطِ سیاست کو ہندو اور انگریز کے سپرد کر دیتا یا نیشنلسٹ قسم کے مسلمانوں کے حوالہ کر دیتا تو اُس وقت پورے کے پورے دس کروڑ مسلمانوں کی وہی حالت ہوتی جو ہندوستان میں باقی رہ جانے والوں کی ہو رہی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس لئے کہ پاکستان کی تشکیل کے بعد ہم پھر بھی اس قابل ہیں کہ اپنی آواز دنیا تک پہنچا سکیں اور اس دلدان میں اپنی دفاعی قوتوں کو مضبوط کیے مستقبل میں اپنی حفاظت کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کی حفاظت کا سامان بھی مہیا کر سکیں۔ لیکن اگر اس اسلامی جماعت کے مواعظِ حسنہ کے تصدیق ہم مقدمہ پاکستان سے خود ہی دست بردار ہو جاتے تو آج ہندو سیاست کا کابو اس طرح ہمارا گلا دبا ہے ہوتا کہ ہماری آواز تک نہ نکل سکتی۔ آپ دیکھتے ہیں کہ حیدرآباد کے مسلمانوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ حالانکہ وہاں حکومت اُن کی اپنی تھی بہم بھی غیر تقسیم شدہ ہندوستان میں تقریباً اتنے ہی فیصدی ہوتے جتنے حیدرآباد کے مسلمان وہاں کے ہندوؤں کے مقابلہ میں تھے یہ تو محض اللہ کا احسان ہے کہ اس نے قائدِ اعظم (مرحوم) کی آواز میں ایسا اثر پیدا کر دیا کہ ان کے سامنے کسی دوسرے کا چراغ جلنے ہی نہیں پایا اور وہ اس طرح بساطِ سیاست پر اتنا بڑا مقدمہ جیت گئے ورنہ مسلمانوں کی ہلاکت اور بربادی کے لئے کچھ کم سامان بہم نہیں پہنچائے جا رہے تھے۔ مسلمانوں کے خمیر میں مذہب پرستی ہے اس لئے ہماری سیاسی جنگ و تاز میں قومیت پرست علما کا گروہ ایک فتنہ عظیم کا موجب تھا۔ ان کی زبانوں پر دن رات قال اللہ وقال الرسول تھا۔ یہ وہ قال ہے

جس پر مسلمان اپنا سب مال فدا کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اس فتنے سے مسلمان خدا خدا کہے بچا۔ اس لئے بھی کہ ہندو اور مسلمانوں کو ایک قوم سمجھنے کا جو تصور وہ پیش کرتے تھے وہ خود مسلمانوں کی فطرت کے خلاف تھا۔ اس لئے مسلمان کے اس غیر شعوری جذبہ کے مقابلہ میں ان کا قال اللہ اور قال الرسول بھی ناکام رہا۔ لیکن مودودی صاحب پاکستان کی مخالفت میں اس کمزور پہلو کی مدافعت کا سامان بہم پہنچا کر باہر آئے تھے۔ انہوں نے متحدہ قومیت کی پہلے ہی مخالفت کرنی شروع کر دی تھی۔ (حالانکہ اس سے پہلے یہ جمعیت العلماء کے اخبار الجمعیت کے حلقہ وارت میں تھے اس لئے جو اعتراضات نیشنلسٹ علماء پر وارد ہوتے تھے وہ ان کی زد سے باہر پہنچ چکے تھے لہذا جس انداز سے انہوں نے مسلمانوں کو اپنی طرف بلانا شروع کیا وہ نیشنلسٹ علماء کے طریق و اسلوب سے زیادہ جاذب و معصوم اور نگاہ فریب تھا۔ اور بہت کم لوگ تھے جو یہ جھانپ سکتے کہ اس دعوت سے مقصود بھی مسلمانوں کو مقدمہ پاکستان سے الگ رکھنے کی کوشش ہے جمعیت العلماء کے افراد چونکہ کھلے بندوں نیشنلسٹ بن کر سامنے آئے تھے اس لئے تشکیل پاکستان کے بدنام مسلمانوں میں گھل مل جانا مشکل تھا۔ لیکن اسلامی جماعت کے افراد (مرزائی حضرات کی طرح) یکسر پاکستان بن گئے۔ اس سے کہے انکار ہے کہ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں ہم سے غلطیاں بھی ہوئیں۔ ہماری قیادت سے بعض معاملات میں سہو بھی ہوا اور طلوع اسلام نے بار بار وان چیزوں کو واضح کیا ہے) اس لئے کہ یہ قیادت انسانوں ہی پر مشتمل تھی۔ اس لئے ان سے غلطیوں کا امکان تھا۔ پھر اس میں بھی کلام نہیں کہ ہماری اخلاقی حالت بہت پست ہے ہم میں بڑی کمزوریاں ہیں۔ ایسی کمزوریاں کہ مسلمان تو ایک

طرف عام سطح کے انسانوں میں بھی نہیں ہونی چاہئیں۔ لیکن یاد رکھیے ان کے متعلق کسی ایسے شخص یا جماعت کا بتایا ہوا علاج کبھی صحیح علاج یہ سب درست

نہیں ہو سکتا جو تشکیل پاکستان سے پہلے پاکستان کے خلاف تھا۔ اس کے دل میں پاکستان کا درد نہیں ہو سکتا۔ وہ پاکستان کو اپنی سابقہ روش کی تکذیب کا موجب سمجھتا ہے۔

پاکستان کا مستقبل بڑا درخشندہ ہے بشرطیکہ یہ ان ”ناصحین مشفق“ کی کرم فرمائوں سے محفوظ رہا جو شروع سے اس تحریک کے درپے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ مسلمان بے پناہ مصائب کی دہ سے پریشان دماغ ہو رہے ہیں اس لئے بعض اوقات بدظنی اور قنوطیت کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں لیکن ناامیدی کی کوئی وجہ نہیں۔

دل سحر مثل شفق باید زدن دست در فرا کی حق باید زدن !
جان ز اُمید است چوں چو دریاں ترک اُمید است مرگ جاوہاں

اسی میں کامیابی کا راز ہے۔ واللہ المستعان علیہ قُلت والیہ انیب۔

۱۔ اس کی توجہ کو اسی صورت میں محکم اور قابل اعتماد سمجھا جاسکتا ہے جب وہ ایک عرصے کے مسلسل عمل سے اس حقیقت کو ثابت کر دے کہ وہ فی الواقع دل سے تائب ہو چکا ہے اور اپنی سابقہ روش پر نادم اور متأسف ہے۔

صحیح اور غلط قیادت

(دسمبر ۱۹۴۹ء)

طلوعِ اسلام اور جماعتِ اسلامی | اسلامی جماعت کے مؤقف،
مسک اور منہاج کے متعلق

طلوعِ اسلام میں اس سے قبل اکثر مرتبہ لکھا جا چکا ہے اس لئے قارئینِ طلوعِ اسلام، اس باب میں ہمارے نقطہ نگاہ سے بھی واقف ہو گئے ہیں لیکن ان تمام تصریحات کے باوجود یہ سوال اکثر دہرایا جاتا ہے کہ جب طلوعِ اسلام بھی اسلامی نظام کا داخلی اور مُبلّغ ہے اس کی شروع سے یہی پکار چلی آتی ہے کہ ہر وہ نظام معاشرت و حکومت جو غیر قرآنی خطوط پر تشکیل ہے طاعونی نظام ہے اور اس بنا پر وہ مسلمانوں کی موجودہ قیادت پر کبھی مطمئن نہیں ہوتا اور ان کے ہر مذموم فیصلہ پر کڑی سے کڑی تنقید کرتا ہے اور یہی کچھ اسلامی جماعت کا مسلک و عمل ہے تو پھر طلوعِ اسلام اسلامی جماعت کا ہم مسلک ہم نوا کیوں نہیں بنا۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اس سوال کا جواب اس سے پیشتر کئی مرتبہ دیا جا چکا ہے لیکن چونکہ اس سوال کو بار بار ہمارے سامنے لایا جاتا ہے اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موضوع پر ایک مرتبہ پھر مختصر انداز سے گفتگو کی جائے۔

طلوعِ اسلام کی اسلامی نظام کی طرف دعوت کسی تشریح و تبصرہ کی محتاج نہیں۔ اس کا وجود ہی اس مقصدِ عظیم کے لئے عمل میں آیا ہے۔ باقی رہی موجودہ قیادت پر اس

کی تنقید، سو اس کا اندازہ اس سے لگائے کہ چراغِ راہ کے زیرِ نظر قیادت نمبر میں خود طلوعِ اسلام کا ایک پورا مضمون بہ تبدیلی عنوان شامل ہے۔ لیکن اس کے باوجود طلوعِ اسلام کو جماعتِ اسلامی سے اختلاف ہے۔ یقیناً یہ امر موجب حیرت و استعجاب ہے اور اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ اس وجہ اختلاف کو ایک بار بھر واضح کر دیا جائے۔

ہمارے نزدیک مسلمانوں کی قوم یکسر جذباتی قوم بن چکی ہے۔ اسی کو ہم دوسرے الفاظ میں شاعروں کی قوم کہا کرتے ہیں۔ یہ پوری کی پوری قوم شاعروں کی قوم ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں شاعری کرتی ہے۔ شاعری سے مراد یہ نہیں کہ یہ شعر کہتی ہے اور نظمیں لکھتی ہے بلکہ یہ کہ زندگی کے مخصوص حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی بجائے یہ قوم جذبات کی دنیا میں مست ہے۔ اس میں ہنجیرہ فکر اور متین تدبیر کی صلاحیت نہیں رہی اس کا دماغ مجلہٴ محیات کا "انسان نمبر بن چکا ہے۔ انہیں اس سے غرض نہیں کہ واقعات کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے زندگی کے تقاضے کیا کہہ رہے ہیں۔ دنیا کی قومیں کہاں سے کہاں پہنچ رہی ہیں ماں میں ہمارا مقام کیا ہے اور ہم اس مقام پر کیوں ہیں! انہیں ان سوالات سے کچھ غرض نہیں۔ انہیں زندگی کے ان تقاضوں اور وقت کے ان مطالبوں سے کچھ واسطہ نہیں۔ یہ حالت ہمیشہ اُس قوم کی ہوتی ہے جن میں قوتِ عمل مفقود ہو چکی ہو جن کے قوائے عملیہ مفلوج و مشلول ہوں۔ زندگی

غلط مذہب کی افیون

کے ٹھوس حقائقِ عمل کے مقتضی ہوتے ہیں۔ عمل سے عاری قومیں اپنے آپ کو جذبات کی افیون سے فریب دے لیتی ہیں۔ اس افیون فریب میں مذہب کا غلط تصور و جزوِ اعظم کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۔ یہ مضمون جماعتِ اسلامی کے رسالہ "چراغِ راہ" کی قیادت نمبر تیس کے سلسلے میں لکھا گیا تھا۔

جذبات کی افیون خورہ قوم کو اپنے پیچھے لگا لینا بڑا آسان ہوتا ہے۔ حقائق کی دسیا میں رہنے والی قوم ہر پکارنے والے کی پکار کو تائبیج سے پرکھتی ہے۔ وہ صرف اُسی کی سنتی ہے جس کی آواز کوئی ٹھوس نتیجہ سامنے لے آئے۔ وہ اسی کے پیچھے چلتی ہے جو اُن کی مشکلات کا عملی حل ان کے سامنے رکھ دے۔ اس کے برعکس، جذبات زدہ قوم کو اپنے پیچھے لگا لینے کے لئے چند دلولہ انگیز نعروں، چند حسین ترکیبوں، چند نگاہ فریب نظریوں اور چند خوش آئندہ وعدوں کے سوا کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چونکہ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اس فریب خورانی میں مذہب کے غلط تصور کو سب سے بڑا دخل ہوتا ہے۔ اس لئے ان خوش آئند نظریوں اور نگاہ فریب وعدوں کو اگر مذہب کے رنگ میں رنگ دیا جائے تو اس طلسم ہوش رُبا کی کامیابی میں کوئی شبہ ہی نہیں رہتا۔ یہی وہ آسان راستے ہیں جن سے ہر رہزن سُبک

جذبات پرستی

پا آتا ہے اور ان کی متاع دین و دانش کو نہایت اطمینان سے لوٹ کر لے جاتا ہے اور انہیں خبر بھی نہیں ہونے پاتی کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے نہیں! اتنا ہی نہیں کہ انہیں خبر بھی نہیں ہونے پاتی بلکہ یہ افیون ان کے نگاہ کے زادیوں کو اس طرح بدل دیتی ہے کہ رہزن کو مشفق اور فراق کو سب سے زیادہ ہمدرد سمجھتی ہے۔ ان رہزنوں کے علاوہ جو دیدہ و دانستہ ان کے متاعِ ملی کو غصب کرتے ہیں، ایک طبقہ نادان دوستوں کا بھی ہوتا ہے جو ان کی جذباتی افیون کو تیز سے تیز کرتا رہتا ہے اور انہیں کبھی ہوش میں نہیں آنے دیتا۔

یوں تو ساری دُنیا کے مسلمانوں کے ساتھ یہی کچھ ہوتا چلا آرہا ہے لیکن سرِ سرِ ہمارے پیشِ نظر صرف ہندوستان اور اب پاکستان کے مسلمان ہیں۔ ان کی گزشتہ

ایک سوسال کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے اور سوچئے کہ ان دانا دشمنوں اور نادان دوستوں نے جن کی طرف اُپر اشارہ کیا جا چکا ہے کس بُری طرح ان کے جذبات کو لوٹا اور کھسکا ہے۔ سوچئے اور بارِ دگر سوچئے کہ ان کے سہجیات میں کتنے ایسے مقام آتے ہیں جہاں چند نعروں سے مدہوش کدے پوری کی پوری قوم کو تباہ کر دیا گیا۔ سوچئے کہ ان کی سوسال کی مختلف تحریکوں کا حاصل کیا ہے؟ یہ سیلابِ پاؤں چند گرم گرم نعروں کی حرارت سے کس طرح بگولے کی طرح اٹھتی رہی ہے اور اس کے بعد کس بُری طرح آنسوؤں کی طرح بیٹھ جاتی رہی ہے۔ غور کیجئے کہ اس کے اس قسم کے جوش و خروش کا ردِ عمل کیا ہوتا رہا ہے؟ ان ہنگامہ خیزلوں اور خوغا آرائیوں کو بھی چھوڑیے اور اسے دیکھئے کہ مذہب کے غلط تصور نے ان کی زندگی کے تمام حرکات و سکنات کو کس درجہ بے نتیجہ بنا رکھا ہے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ خود ہی سوچئے کہ مذہب کے غلط تصور کے جس فریب میں قوم کو مبتلا رکھا جا رہا ہے؟ ان کی تباہی اور بربادی میں کتنا بڑا دخل ہے۔

یہ ہے مسلمانوں کی وہ جذبات زدہ قوم، جسے ہر وہ شخص جو چند فقرے لکھنا یا چند الفاظ بولنا جانتا ہو نہایت آسانی سے اپنے پیچھے لگا لیتا ہے۔ انہیں بلکہ اکثر اوقات ان تبوعین کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ وہ لکھنا اور بولنا بھی جانتے ہوں۔ اس بھولے شکار کے لئے تو تراش و تراش کے مخصوص انداز اور وضع قطع کے خاص اسلوب کا جال اور دانہ ہی کافی ہے۔ یاد رکھیے اس قوم کا سچا ہی خواہ ہو سکتا ہے جو اسے جذبات کی دنیا سے نکال کر مرد اور مرد چار کہنا اور سمجھنا سکھائے اور الفاظ کا مفہوم نتائج سے پرکھنا بتائے۔ ہمیں اس کا خوب احساس ہے کہ جذبات کے بعد یہ دنیا مشین رہ جاتی ہے اور عمل، جذبات صحیح ہی سے پیدا ہوتا ہے لیکن جذبات کی جس افراط میں ہماری قوم مبتلا ہے،

اس کا علاج یہی ہے کہ ان سے یہ افیون کسی طرح سے چھڑا دی جائے۔ سرسام کا علاج، سر پر برف رکھنا ہوتا ہے۔ جب درجہ حرارت اعتدال پر آجائے پھر آپ گرم اور سرد دونوں قسم کی فضاؤں میں رہ سکتے ہیں اس وقت قوم سرسام زدہ ہو رہی ہے۔ اسے جذبات سے الگ کر کے حقائق کا سامنا کرنے کا جو گر

حقائق کا سامنا

بنانا از بس ضروری ہے۔ اس سو سال کے عرصہ میں ایسے دیدہ ویدی گزے ہیں جنہوں نے قوم کے اس مرض کا صحیح اندازہ کیا اور انہیں حقائق سے دوچار ہونے کی دعوت دی۔ ہماری گردنِ تشکر ان کے اس احسان کے احساس سے خمیدہ ہے۔ ہمیں اس وقت ان تمام صاحبانِ فکر و عمل کا تذکرہ مختصراً نہیں، صرف اُن آخری چارہ گر کی طرف اشارہ منظور ہے جس کی نگہ دور میں اور حقائق پروردگی و جس سے ہم آج اس قابل ہیں کہ ایک خطہ زمین پر خدا کے احکام نافذ کر سکے گا اس کا نام ہاتھ میں بخور کیجئے کہ ۱۹۴۷ء سے آگے چل کر مسلمانوں کی سیاست کس طرح جذبات کی تلاطم انگیزیوں میں بہے چل جا رہی تھی اور ہندو ان کی اس مدہوشی سے کس طرح فائدہ اٹھا رہا تھا۔ یہ قوم کی خوش بختی تھی کہ عین اُس وقت فلکا اقبال کی شمع قائمِ اعظم (مرحوم و مغفور) جیسے نبرد آزما ہاتھوں میں آگئی۔ جذبات کی شرانگیزیوں ان کی فطرت کے خلاف تھیں وہ حقائق اقبال اور جناح کا سامنا جذبات سے یکسر الگ ہو کر کیا کرتے تھے۔ ان کی دوا

۱۹۴۷ء سے آگے چل کر مسلمانوں کی سیاست کس طرح جذبات کی تلاطم انگیزیوں میں بہے چل جا رہی تھی اور ہندو ان کی اس مدہوشی سے کس طرح فائدہ اٹھا رہا تھا۔ یہ قوم کی خوش بختی تھی کہ عین اُس وقت فلکا اقبال کی شمع قائمِ اعظم (مرحوم و مغفور) جیسے نبرد آزما ہاتھوں میں آگئی۔ جذبات کی شرانگیزیوں ان کی فطرت کے خلاف تھیں وہ حقائق اقبال اور جناح کا سامنا جذبات سے یکسر الگ ہو کر کیا کرتے تھے۔ ان کی دوا

۱۹۴۷ء سے آگے چل کر مسلمانوں کی سیاست کس طرح جذبات کی تلاطم انگیزیوں میں بہے چل جا رہی تھی اور ہندو ان کی اس مدہوشی سے کس طرح فائدہ اٹھا رہا تھا۔ یہ قوم کی خوش بختی تھی کہ عین اُس وقت فلکا اقبال کی شمع قائمِ اعظم (مرحوم و مغفور) جیسے نبرد آزما ہاتھوں میں آگئی۔ جذبات کی شرانگیزیوں ان کی فطرت کے خلاف تھیں وہ حقائق اقبال اور جناح کا سامنا جذبات سے یکسر الگ ہو کر کیا کرتے تھے۔ ان کی دوا

سے نکال کر حقائق کی دنیا میں لے آئے یہی اُن کا وہ کمال سیاست تھا جس کے سامنے ہند کو قدم قدم پر زک اٹھانی پڑی۔

لیکن عین اُس وقت جب وہ مردِ فزائنہ قوم کو اس طرح جذبات کی شر انگیزیوں سے نکال کر واقعات کی ٹھوس دنیا میں لارہا تھا، اسلامی جماعت وجود میں آئی اور اس نے مسلمانوں کے انہی جذبات سے پھر کھیلنا شروع کر دیا جن میں

جماعتِ اسلامی | وہ اتنے عرصہ سے اُلجھی چلی آرہی تھی۔ جناح کی قیادت

بے دینی قیادت ہے۔ یہ ساز نہیں پڑھتا، رونے نہیں رکھتا، ڈار بھی منڈاتا ہے، سوٹ پہنتا ہے۔ اسے مذہبی معلومات نہیں وغیرہ ذالک۔ یہ تھے وہ ”سلوگن“ جن سے مسلمانوں کے جذبات کو ہوا دی گئی۔

جناح کو کبھی مذہب پرستی کا دعویٰ نہیں تھا، اس کے حامیوں نے اسے کبھی مذہبی پیشوا نہیں مانا۔ سوال ایک سیدھا سا سامنے تھا۔ ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ ہورہا تھا۔ ہندو کا مطالبہ تھا کہ پورے ملک پر اس کی اکثریت کی حکومت رہے۔ اس حکومت کے تابع مسلمانوں کا جو حشر ہو سکتا تھا اس کی زندہ شہادت ہندوستان کے موجود مسلمانوں کی حالت ہے۔ جناح کا مطالبہ تھا کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، کم از کم اُن علاقوں میں تو ان کی اپنی حکومت قائم ہو جائے۔ یہ تھی جناح کی ”قیادت“۔ ذرا سوچئے کہ اس مطالبہ میں جسے جناح نے پیش کیا تھا کوئی چیز ”غیر دینی“ بھی تھی؟ لیکن جناح یہ مطالبہ پیش کر رہا تھا اور عین اُس وقت جب ہندو کی یہ انتہائی خواہش تھی کہ جناح کے اس مطالبہ کے خلاف خود مسلمانوں کی طرف سے آوازیں اٹھیں، یہ اسلامی جماعت تھی کہ مسلمانوں کے جذبات کو یہ کہہ کر جناح کے خلاف اُبھار رہی

تھی کہ اس کی قیادت غیر دینی ہے اس لئے اس کا ساتھ نہ دو۔

اب آپ یہ سوچئے کہ اگر اُس وقت ان کی آواز پر مسلمان کان دھر دیتے اور ان کے کہنے میں اگر جناح کا ساتھ چھوڑ دیتے تو آج ان چھ سات کردہ مسلمانوں کا حشر کیا ہوتا جنہیں پاکستان میں سر چھپانے کو مجبور مل گئی ہے۔ اور مسلمانوں کو چھوڑ دیتے خود جماعت اسلامی سے پوچھئے کہ اگر (خدا نکر وہ) یہ کامیاب ہو جاتے تو وہ سر زمین کہاں ہوتی جس پر یہ اسلامی حکومت کے قیام کی دعوت دے رہے ہیں ایہ زمین جس پر آپ ”مسجد بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اُسی“ غیر صالح قیادت کی کوششوں کا نتیجہ ہے جسے ناکام کرنے کے لئے آپ اُس وقت مسلمانوں کو ابھار رہے تھے بطورِ اسلام اُس وقت پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ خدا کے لئے مسلمانوں کے جذبات کو ابھار کر انہیں غلط راہوں پر نہ لگاؤ۔ وقت بڑا نازک ہے اس وقت اگر

بے ڈاڑھی کی فکر

تم جناح کی ڈاڑھی کا سوال لے کر بیٹھ گئے تو چند ہی دنوں کے بعد پوری کی پوری قوم کی ڈاڑھی منڈ جلتے گی۔ خود جماعت اسلامی کے امیر اپنی امارت سے پہلے تمام عمر ڈاڑھی منڈاتے رہے ہیں۔ اگر ان کی اُس زنانہ کی پیش کردہ فکر ”بے دین“ فکر تھی تو جناح کی کوششوں کو ”بے دین“ قیادت کی کوشش کیوں کہتے ہو۔ خدا کے لئے حقائق کو سامنے رکھو۔ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ابھار کر ان کے مستقبل کو خطرہ میں مت ڈالو۔

یہی اُس وقت وجہ اختلاف اسلامی جماعت سے طلوع اسلام کی۔ آپ خود سوچئے کہ اس اختلاف میں طلوع اسلام کس حد تک حق بجانب تھا۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ اسلامی جماعت کی اُس وقت نیت کیا تھی بلکہ یہ ظاہر ہے کہ اگر ان کی نیت تخریب کی تھی تو یہ خدا پرست تھے۔ اور اگر نیت اصلاح کی تھی تو ان میں سیاست سمجھنے کی ذرا

بھی صلاحیت نہ تھی صورتِ حالات وہ تھی یا یہ، دونوں صورتوں میں نتیجہ قوم کے لئے ہلاکت تھا۔

اب تقسیم ہند کے بعد کے زمانہ کی طرف آئیے۔ جہاں اس بحث میں نہیں الجھنا چاہیے کہ تقسیم ہند کے ضمن میں کس سے کیا کیا غلطیاں ہوئیں۔ ہم ماننے لیتے ہیں کہ جزئیات کے تعین میں جناح سے بھی غلطیاں ہوئیں۔ جناح بالآخر انسان تھے ہم انہیں معصوم منظر نہیں مانتے۔ لیکن یہ کہنا کہ یہ غلطیاں یا ان کے حواقب اس لئے ظہور میں آئے کہ جناح کی قیادت غیر دینی تھی، پھر وہی جذبات انگیزی اور حقانیت سے چشم پوشی ہے۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تدریجاً صحیح نہیں تھا، اندازے غلط تھے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ جناح کے ڈاڑھی نہیں تھی اس لئے یہ غلطیاں ہوئیں۔ اگر قیادت ڈاڑھی والوں کے ہاتھ میں ہوتی تو یہ غلطیاں نہ ہوتیں۔ اس بحث کو بھی چھوڑ دیجئے کہ اگر قیادت جماعت اسلامی کے ہاتھ میں ہوتی تو یہ غلطیاں ہوئیں یا نہ ہوئیں یہ بحث بعد از وقت ہے۔ دیکھتے صرف یہ کہ جناح کی ”غیر دینی قیادت“ پاکستان کا مطالبہ کرتی تھی اور جماعت اسلامی کی ”دینی قیادت“ اس کی مخالفت کرتی تھی۔ یہ فرمائیے کہ اس اصولی بات میں وہ غیر دینی قیادت ”صحیح راستہ پر تھی یا آپ کی ”دینی قیادت“! جیسا کہ ہم نے پچھلے سال لکھا تھا، اگر جماعت اسلامی کی مخالفت مطالبہ پاکستان ان کی دیانت داری پر مبنی تھی تو ان کے لئے صحیح راہ عمل یہ تھی کہ وہ اس پاکستان میں قدم نہ رکھتی پاکستان کو وہ ”زہر ملا ہوا ضلوا“ کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ وہ اسے لا دینی قیادت کا ثمرہ قرار دیا کرتے تھے۔ ایک دینی جماعت کے لئے یہ کبھی جائز نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ

اس قسم کی سرزمین کی طرف رُخ بھی کرتی۔ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ وحدت ہندوستان میں ہندو اکثریت مسلمانوں پر حکومت کرے گی تو اس کے جواب میں وہ کہا کرتے تھے کہ اگر مسلمانوں کا کردار درست کر دیا جائے تو یہ اقلیت میں رہتے ہوئے بھی حکمران ہو سکتے ہیں۔ ہم نے سالی گزشتہ ہی کہا تھا کہ اگر اسلامی جماعت کا یہ دعویٰ اخلاص پر مبنی تھا تو انہیں چاہیے تھا کہ ہندوستان میں جا کر مسلمانوں کے کردار کی درستگی کی کوشش کریں تاکہ وہ اقلیت میں رہتے ہوئے حکمران بن جائیں لیکن ان مدعیان انقلابِ صالحہ میں سے کسی میں ہمت نہ ہوئی کہ ادھر کا رُخ بھی کرے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جو پاکستان "غیر دینی جگہ" پاکستان میں کیوں آئے؟

کا حاصل کردہ ہے جو پاکستان اُن کوششوں کا ثمر ہے جن میں تعاون آپ کے نزدیک تعاون علی الاثم والعدوان تھا، اُس پاکستان میں پناہ لینا کون سے دین اور تقویٰ کی رُد سے جانتا ہے؟ کیا مقصد کردہ زمین پر مسجد بنانا جائز ہو سکتا ہے؟ آپ نے مسلمانوں کے لئے جو راہ عمل تجویز کی تھی وہ اُس منزل کی طرف لے جاتی تھی جس میں آج ہندوستان کا مسلمان ہے۔ چونکہ وہ راہ آپ کے نزدیک حق و صواب کی راہ تھی اس لئے آپ کا مقام بھی وہی ہونا چاہیے نہ کہ چر۔ لیکن آپ صرف پاکستان میں پناہ ہی کے طالب نہیں، اس سرزمین کو اپنے اقتدار میں لینے کے بھی خواہاں ہیں۔ بالآخر کس خصوصیت کی بنا پر آپ کی سیاست دانی کا ثبوت تو پاکستان کی مخالفت سے ظاہر ہے اور آپ کی ملت کا ثبوت یہ کہ وہی پاکستان جسے آپ زہر ملا حلا کہا کرتے تھے وہ اب شیریں دار قرار دیا جا رہا ہے؟

ہم جانتے ہیں کہ اسلامی جماعت میں بہت سی ایسی سعید رُو ہیں بھی شامل ہیں

جو نہایت نیک نیتی سے مسلمانوں کے اصلاحِ حال کی فکر میں غلطیاں و پیچاں ہیں۔
نیک نیت | ان سعید رُوحوں کو ہماری یہ تنقید یقیناً ناگوار گزرے گی۔ لیکن
 مشکل یہ ہے کہ جب تک حقائق کو بکھرے نقابِ پیش نہ کیا جائے،

حقیقت سامنے نہیں آسکتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے جذباتِ صالحہ سے فائدہ
 اٹھایا جا رہا ہے ہم ان حضرات سے باادب گزارش کریں گے کہ وہ اپنی جذباتی عقیدہ
 مندی سے ذرا الگ ہو کر سوچیں کہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے، وہ طبعی علی الحقیقت ہمایا
 نہیں۔ ہمیں جماعتِ اسلامی کا فریقِ مقابل بننے سے کچھ حاصل نہیں۔ طلوعِ اسلام
 کی کوئی جماعت نہیں، نہ ہی یہ موجودہ اربابِ اقتدار کا دکیل ہے۔ ان کی مخالفت وجہیہ کہ
 پہلے لکھا جا چکا ہے، خود اس سے ظاہر ہے کہ چراغِ راہ کے قیادتِ نمبر میں طلوعِ اسلام
 میں شائع شدہ مضمون شامل ہے۔ لہذا آپ ذرا حقائق کو سامنے رکھ کر سوچتے کہ جو
 کچھ ہم کہہ رہے ہیں، وہ کس حد تک درست ہے۔

اب اس سے آگے بڑھ کر ایک اور اصول کی طرف آئیے۔ طلوعِ اسلام نے
 پچھلے سال لکھا تھا کہ جماعتِ اسلامی کی ٹیکنیک بھی وہی ہے جو مرزا غلام احمد صاحب نے

اختیار کی تھی۔ میرزا صاحب نے مسلمانوں کی معاشرتی خرابیوں کو
میرزا نیت | ایک ایک کر کے گنا یا اور بتایا کہ وہ اصل اسلام کے حامل نہیں رہے۔

بات ٹھیک تھی۔ مسلمان اُس کی آواز کی طرف لپکے۔ میرزا صاحب نے جب صالحیت
 کی ہر جگہ نفی کر دی تو اس کے بعد اس خلا کو پورا کرنے کے لئے اثبات میں اپنی ذات
 کو پیش کر دیا اور کہہ دیا کہ،

اؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پادے گا!

ہم نے کہا تھا کہ ایک رسول کا یہ مقام ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماحول سے یہ کہے کہ یہ سب تبکدہ ہے اور وہ خود مدعی توحید بنے۔ اس لئے کہ رسول اپنے ماحول کا پیدا کردہ نہیں ہوتا۔ لیکن کسی غیر رسول کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ یہ کہے کہ میرے ماحول کی قیادت غیر صالح ہے اور میری قیادت صالح ہے جماعت اسلامی کا یہی دعویٰ ہے وہ موجودہ قیادت کے نقائص کو بے نقاب کرنے کے بعد علی الاعلان دعویٰ کرتی ہے کہ

آج جس نئی قیادت کی ضرورت عوام پاکستان میں محسوس کی جا رہی ہے اس کے بیج مشیت ربانی نے بہت پہلے سے بور کھے تھے یہ بیج سنہ ۱۹۴۷ء میں پھوٹے اور جماعت اسلامی وجود میں آئی۔ (قیادت نمبر ص ۲)

غور فرمایا آپ نے! جس طرح میرزا صاحب کی قیادت مامور من اللہ تھی اُسی طرح جماعت اسلامی کی قیادت کے بیج بھی مشیت ربانی نے بہت پہلے سے بور کھے تھے۔

ہم سب ایک جیسے ہیں | طلوع اسلام یہ کہتا ہے کہ ہمارا پورے کا پورا معاشرہ خراب ہو چکا ہے اور جس قیادت کے ہاتھوں ہم اس

درجہ نالائ و گریاں ہیں وہ ہماری ہی آئینہ دار ہے جس قسم کا دودھ ہو گا اُسی قسم کی بالائی آئے گی۔ یہ بات نہیں کہ ہمارا معاشرہ صالحین پر مشتمل ہے۔ لیکن یہ سوچا کس مفسدین کہیں باہر سے آکر ہم پر مسلط ہو گئے ہیں۔ انہیں نکال دو معاشرہ صالح ہو جائے گا۔ یہ تصور ہی غلط ہے۔ ہمارے کہہ دہ سب خراب ہیں جس کے ہاتھ میں جس قدر قوت آتی ہے، اُسی قدر اُس کی خرابی اُبھر کر سامنے آجاتی ہے ہم سب کے خون میں فساد ہو چکا ہے۔ ہم میں سے جو شخص کوئی گرم چیز کھا لیتا ہے اُس

کافس خون پھوڑے بن کر جلد سے باہر نکل آتا ہے، باقیوں کا جلد کے اندر رہتا ہے۔
 لہذا یہ غلط ہے کہ ہم میں سے صرف ایک گروہ مفسدین کا ہے اور باقی سب صالحین
 ہیں آپ نے دیکھا ہوگا کہ جماعت اسلامی ہمیشہ اپنی ”صالح قیادت“ کا ذکر کرتی ہے۔
 قیادت ایک تجربہ دار اصطلاح (ABSTRACT TERM) ہے مگر یہ ظاہر ہے
 کہ قیادت بہر حال افراد ہی پر مشتمل ہوگی۔ لیکن جماعت اسلامی اُن صالحین کا نام نہیں
 لیتی جن پر یہ قیادت مشتمل ہوگی۔ ان سے کہتے کہ موجودہ غیر صالح قیادت (یعنی ان
 تمام اربابِ صل و عقد جن کے ہاتھ میں حکومت یا سیاست کی زمام ہے) کی جگہ اپنے
 میں سے جن افراد کو صالح نظامِ حکومت چلانے کا اہل سمجھتی ہے ان کی فہرست
 تو شائع کر دے۔ بات نکھر کر سامنے آجائے گی اس حقیقت کو سامنے رکھتے کہ ان
 افراد کے ذمہ حکومت کا نظم و نسق ہوگا مسجد کی صفیٰ لیٹنے کا کام نہیں ہوگا۔ (دیالگ
 بات ہے کہ ضرورت پڑ جائے تو انہیں مسجد کی صفیٰ لیٹنے سے بھی عار نہ ہو) اور
 حکومت کا نظام اس انداز سے چلانا ہوگا کہ وہ ساری دنیا کے لئے نمونہ بن جائے۔
 اس لئے کہ ہم ساری دنیا سے یہ کہتے چلے آ رہے ہیں کہ اگر کسی خطہ زمین پر خدائی
 حکومت کا قیام ہو گیا تو وہ خطہ زمین جنتِ ارضی بن جائے گا اور ساری دنیا دیکھ لے
 گی کہ قرآن کا مقصود و منتہی کیا ہے۔ یہ نتائج ہیں جو آپ کی حکومت کو پیدا کر کے
 دکھانے ہیں اور اُن قوتوں کی مخالفت کے باوجود پیدا کر کے دکھانے ہیں۔
 جن کے عزائم چاند اور مریخ تک پہنچنے کے ہیں۔ یہ باتیں محض جذبات ابھار
 دینے سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ ان کے لئے بڑی بڑی صلاحیتیں درکار
 ہیں اگر غیر صالح قیادت کا قائم کردہ نظام ناکام رہا تو یہ انسانوں کی ناکامی ہوگی۔

لیکن اگر ”صالح قیادت“ کا نظام ناکام رہ گیا تو یہ ”خدا“ کی ناکامی ہو گی یا اس لئے کہ ان کا دعویٰ تو خدائی نظام حکومت قائم کرنا کا ہے لہذا ہر شخص کو جو بعض جذبات کی رو میں بہہ جانے کے لئے تیار نہ ہو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ دیکھے کہ وہ کون سے افراد ہیں جو اس قسم کا نظام قائم کریں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی جماعت مسلمانوں کے انہی مذہب پرستانہ جذبات سے کھیل رہی ہے جن سے اس وقت تک مختلف پیرایوں میں کھیلا جاتا رہا ہے۔ اس وقت کرنے کا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کے دل و دماغ سے

مذہب کا وہ غلط تصور نکالا جائے جس نے انہیں اس طرح سے تباہ کر رکھا ہے اور اس کے بجائے دین کا صحیح تصور ان کے سامنے رکھا جائے لیکن یہ چیز اسلامی جماعت کے بس کی نہیں۔ اسلامی جماعت تو اُمّی مولویت کی ایک (MODERNIZED FORM) ہے جو علت العلل ہے اُن تمام فاسد جراثیم کی جو ساری دنیا کے مسلمانوں کے خون میں حلول کر چکے ہیں۔ اس لئے یہ دین کا صحیح تصور کس طرح پیش کر سکتے ہیں۔ ان کے نزدیک ”حکومت الہیہ“ کا تصور بھی ”پیشوائیت“ کے نظام (THEOCRATIC GOVERNMENT) سے زیادہ کچھ نہیں جس میں اقتدار حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں رہا کرتا تھا۔ اُس نظام میں دین تو ایک طرف دنیا بھی تباہ ہو جایا کرتی ہے۔ ان لوگوں نے جو کچھ اس وقت تک کیا ہے، اُس کا نتیجہ فقط اتنا ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں

”غیر صالح قیادت“ کے متعلق یہ تصور پیدا ہوا ہے کہ وہ ڈاڑھی

صالحین کی تعریف

منڈے مغرب زدہ لوگوں کا طبقہ ہے جو نماز نہیں پڑھتے

اور روزے نہیں رکھتے۔ شراب پیتے ہیں، قص و سرحد کی محفلیں منعقد کرتے ہیں اور صالح قیادت وہ ہے جس میں ڈاڑھی رکھی جاتی ہے، نمازیں پڑھی جاتی ہیں، شراب وغیرہ سے اجتناب کیا جاتا ہے لیکن انہیں اس کا علم نہیں کہ ابلیس کی نگاہیں کس قدر دور بین ہوتی ہیں اور اُس کے بہرِ واپ کیسے نگاہ فریب۔ وہ غیر صالح قیادت، جس کے خلاف آپ اس قدر جہاد کر رہے ہیں، ابھی اس کی ضرورت محسوس نہیں کر رہی لیکن جب اُس نے اس کی ضرورت سمجھی تو وہ بھی ڈاڑھیاں رکھ لیں گے، نمازیں پڑھنے لگ جائیں گے، شراب سے احتراز برتیں گے۔ اور پھر آپ اُن کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکیں گے۔ اس لئے کہ یہ آپ کے معیارِ قیادت پر پورے اثر آئیں گے۔ یہ محض ہمارا قیاس نہیں۔ خدا مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ پر غور کیجئے۔ کتنے دور ایسے گزرے ہیں جن میں قیادت ان تمام علامات کی حامل تھی جنہیں آپ شرطِ صالحیت قرار دے رہے ہیں لیکن آپ خود ہی کہتے کہ یادہ صالح قیادت تھی؟ اگر وہ صالح قیادت نہیں تھی تو جماعت اسلامی کے قادمِ مہتری کو پُر کر کے اُن علامات کے توسط سے قیادت کس طرح صالح بن جائے گی؟

یہ ممکن ہے ڈاڑھی کا بار بار تذکرہ آپ کو ناگوار سا گزر رہا ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک صالحیت کا معیار ڈاڑھی ہے۔ خود ابوالاعلیٰ صاحب مودودی تمام عمر ڈاڑھی منڈاتے رہے لیکن جب انہیں صالح قیادت کا خیال پیدا ہوا، تو انہوں نے ڈاڑھی رکھنا ضروری سمجھا۔ اس سے ان کی ذلت پر کسی قسم کی تنقید مقصود نہیں۔ بتانا صرف یہ ہے کہ ان کے نزدیک بھی صالح ہونے کے لئے ڈاڑھی بڑھانا ضروری ہوتا ہے۔ یہ ہے مذہب کا غلط تصور جس سے جذبات کو اپیل کیا جاتا ہے۔

ہم اسلامی جماعت کے اُن افراد سے جن کے قالب میں سعید رو ہیں، مخلصانہ گزارش کریں گے کہ وہ ان تلخ حقیقتوں کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ کریں اور پھر سوچیں کہ کیا اسلامی جماعت صحیح مسلک پر جا رہی ہے۔ ہم اُن سے عرض کریں گے کہ اگر آپ فی الواقع چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں صالح قیادت پیدا ہو تو اس کا طریق یہ ہے کہ اُن کے دلوں سے مذہب کا غلط تصور نکال کر دین کا صحیح تصور اُن کے سامنے رکھیں۔ یہ کام بڑا صبر آزما اور وقت طلب ہے۔ اس لئے کہ اس میں جذبات کی ہنگامہ آرائیاں نہیں، بلکہ صبر و استقلال کی عزم پیمائیاں ہیں۔ یہ کیلے کا پیر نہیں کہ آج لگایا اور چھ ماہ بعد پھل لانا شروع کر دیا۔ یہ کھجور کا شجر محکم ہے جسے دادا لگائے اور پوتا کھائے۔

دین کی راہ | لیکن کیلے میں پھل صرف ایک مرتبہ آتا ہے دوسرے پھل کے لئے اسے کاٹ دینا پڑتا ہے اور کھجور کا یہ عالم ہے کہ محمد بن قاسم کے ہاتھوں کی لگائی ہوئی کھجوریں آج تک سندھ کے صحراؤں میں ثمر بار ہیں اب آپ کے سامنے ہے کہ دونوں راہوں میں سے جو نسی راہ چاہیں اختیار کریں وہ جذبات پرستی کی سہل داوی ہے، یہ دین کی کٹھن گھاٹی۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا۔ ۶۶

جنگ کشمیر کے متعلق

(مودودی صاحب کا فتویٰ)

(اکتوبر ۱۹۴۸ء)

پچھلے دنوں مودودی صاحب نے جو فتویٰ صادر فرمایا کہ کشمیر کی لڑائی جنگ ہے، جہاد نہیں ہے اور مسلمانانِ پاکستان کو اس میں شرکت نہیں کرنی چاہیے تو اس کے متعلق ہمیں بھی بہت سے استفسارات موصول ہوئے لیکن مودودی صاحب کا فتویٰ کچھ ایسا طفلانہ سا تھا کہ علم اور حقیقت کے اعتبار سے اس پر گفتگو ہی لا حاصل تھیں۔ البتہ بعض حضرات نے ہم سے پوچھا ہے کہ بالآخر مودودی صاحب کا اس سے مقصد کیا تھا! اس باب میں ہم اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ جہاد کے خلاف اس قسم کے فتوے کوئی نئی چیز نہیں جب اور جہاں مسلمانوں کے اندر کسی حرکت کے آثار پیدا ہوئے اور ان سے دشمنانِ اسلام کو خطرات لاحق ہوئے۔

جہاد کخلاف فتوے

تو لوگوں کے دلوں میں دوسرا انگیزی کے لئے اس قسم کے فتوے منصفہ شہود پر آگئے، حضرت سید محمد شہید بریلویؒ کی تحریک جہاد کسی تعارف کی محتاج نہیں اس کے متعلق بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ

ترکش مارا خدنگب آخیں!

جب وہ تحریک ترقیوں کے زینے چڑھتی جا رہی تھی اور کیفیت یہ تھی کہ سرحد سے سکھوں کی حکومت ختم ہو چکی تھی اور اُس کی جگہ مسلمانوں کا پرچم فضائی پہنائیوں میں لہرا رہا تھا اور انگریز اور سکھ دونوں اس کی اس رفتار سے بدحواس ہو رہے تھے تو اُس وقت یہی تیر تھا جس نے مجاہدین کے سینوں کو دوسا دس انگریزی سے چھلنی کر دیا۔ اس کیفیت کو مصنف "سیرت سید احمد شہید" کی زبان سے سینے آپ لکھتے ہیں۔

دہلی کے ایک مشہور عالم نے جن کے مزاج میں تیزی تھی اور میلن جنگ کی سختیوں کے

حضرت سید احمد کے خلاف فتویٰ

عادی دتھے راستہ میں درانیوں سے جو ستر راہ تھے تنگ اگر سید صاحب کو خط لکھنے شروع کئے کہ پہلے ان کلمہ گو کافروں سے جہاد کرو۔ میدان جنگ میں پہنچ کر بھی ان کی برا فروختی دگئی۔ اپنا خیمہ مجاہدین سے الگ ڈالا اور سید صاحب پر اوجھے اعتراضات شروع کئے مثلاً آپ کا بادرچی خانہ کیوں الگ ہے ہم سید صاحب نے فرمایا یہ ہمانوں کے واسطے ہے جو بدنامہ کرتے جاتے رہتے ہیں اور اس میں صرف دہی چیزیں بچی ہیں جو مخصوص ہدیہ اور ذاتی ملکیت ہوتی ہیں۔ بیت المال سے اس میں کچھ صرف نہیں ہوتا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ وہ سب تحائف بھی مجاہدین پر برابر سے تقسیم ہونے چاہئیں۔ سید صاحب نے کہا بہتر ہے یہ کام میں آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ آپ یہ خدمت اپنے ذمہ لیجئے۔ اس پر وہ لاجواب ہو گئے۔ انہوں نے آپ کی امامت میں قدح کرنا شروع کیا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ آپ کے نزدیک میں اس کے لائق نہیں ہوں۔ تو خدا کے فضل سے آپ سید بھی ہیں، عالم،

ہاجر اور جامع صفات ہیں اس بار گراں کو آپ قبول کریں میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ آج سے آپ امام اور میں آپ کا نائب ہوں مقصود کام کرنا ہے سرداری نہیں۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ مگر انہوں نے اہل لشکر سے کہنا شروع کیا کہ تمہارے اوپر یوی بچوں اور والدین کے حقوق ہیں تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ لوگوں نے کہا جہاد کے واسطے؟ مولوی صاحب نے فرمایا جہاد کیا ہے۔ اور کون سے کفار سے مقابلہ ہے۔ کس میں تمہارا عمل دخل ہوا۔ صبح سے شام تک تم لوگ کھانے پکانے کی فکر میں رہتے ہو۔ جہاد کا محض بہانہ ہے۔ تمہاری دنیا و آخرت دونوں خراب ہیں لوگوں کو ایک معتبر عالم کی زبان سے یہ سن کر خواہ غواہ انتشار ہوا اور لشکر میں اس کا عام چرچا اور قفسے کا اندیشہ ہوا جس سے کام کو نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا اتفاق سے مولانا اسماعیل صاحب شہید اُس وقت موجود تھے اور سمیڑ میں گئے ہوئے تھے، ورنہ اس کا بہت جلد فیصلہ ہو جاتا۔ آخر محمد حسن صاحب راہپوری نے سید صاحب سے کچھ کہنے کی اجازت چاہی اور نماز کے بعد جب سب لوگ موجود تھے، مولوی صاحب سے کہا کہ آپ یہاں کے لوگوں کو کس طرح خارج از جہاد سمجھتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تم کس سے جہاد کر رہے ہو اور کون سا جہاد ہو رہا ہے۔ محمد حسن صاحب نے کہا کہ جنگ کا نام ہی جہاد نہیں۔ جنگ کو قتال کہتے ہیں اور وہ کبھی کبھی پیش آتا ہے۔ جہاد کے معنی ہیں اعلاء کلمۃ اللہ میں کوشش کرنا۔ یہ مدت دراز تک باقی رہتا ہے اور اُس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ قتال کا نام جہاد رکھا ہے اور اُن کوششوں کو جو اعلاء کلمۃ اللہ

کے واسطے لوگ کمر بستہ ہیں، بحث قرار دیتے ہیں، آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس وقت جہاد کا انکار کس کے آپ وطن دہلی تشریف لے جائیں اور کسی دن کفار سے مقابلہ اور قتال جس کو آپ جہاد کہتے ہیں، پیش آجائے تو کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر آپ کو اس کی اطلاع دی جائے گی اور آپ اپنی کون سی کرامت سے اڑ کر داخل جہاد ہوں گے۔

دوسرا فتویٰ | اسی فتنہ پر اکتفا نہیں ہوا۔ بلکہ سرحد کے بعض علماء بھی میدان میں آئے اور انہوں نے طرح طرح کے الزامات اس تحریک اور ہائی تحریک کے خلاف تراشنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ مصنف موصوف کے الفاظ میں:-

سرحد کے علماء نے مشہور کیا کہ یہ ہندوستانی علماء اور ان کا امیر لامذہب لوگ ہیں، خواہش نفسانی کے پیرو اور آزاد خیال ہیں..... مجاہدین کے ساتھ جنگ کرنے میں جو بعض سردار اور باغی قتل ہوئے تھے، اُن کا قتل اور اُن کے علاقوں پر قبضہ بھی مجاہدین کے خلاف سخت الزام تھا۔ علماء کہتے تھے کہ یہ لڑک مسلمان کے جان و مال کو کوئی چیز نہیں سمجھتے اور بلاوجہ شرعی مسلمانوں کی جان و مال پر دست درازی کرتے ہیں بعض لوگ اس سے آگے بڑھ کر مجاہدین کو باغی اور باغی مقتولین کو شہید کہتے تھے۔

چنانچہ حضرات علماء کرام کی اس مجاہدانہ تگ و تاز کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں اسی طرح بددلی پھیل گئی (جس طرح مودودی صاحب کے فتویٰ سے مجاہدین کشمیر سے بعض سادہ لوح لوگ متاثر ہو گئے) اور اس طرح وہ تحریک جو ہندوستان میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی ضامن بننے والی تھی، ان ”مقدسین“ کے فتادہ کی نذر ہو کر رہ گئی۔

اس تحریک کے بقیۃ السیف مجاہدین کے سینوں میں ایمان کی جو حرارتیں موجود تھیں، وہ انگریزی حکومت کے لئے بڑی خطرناک سمجھی جاتی تھیں۔ ان چنگاریوں کو دبانے کے لئے پھر مذہب ہی کو لگے بڑھایا گیا اور قادیان کے ”باب نبوت“ سے یہ فتویٰ صادر ہو گیا کہ اسے دوستو جہاد کا اب چھوڑ دو خیال

کشمیر کا مسئلہ | کشمیر کا مسئلہ پاکستان کے لئے موت اور حیات کا مسئلہ ہے۔ چونکہ مودودی صاحب شروع سے پاکستان کے خلاف چلے آ رہے ہیں اس لئے وہ کس طرح برداشت کر سکتے تھے کہ کشمیر پاکستانی مسلمانوں کے لئے وجہ تقویت بن جائے۔ اس لئے اُن کے فتویٰ کا مفہوم ظاہر ہے۔ غیر مسلم عناصر پاکستان کی تحریک میں ایک متحدہ محاذ بناتے جا رہے ہیں اور مقتدین کا یہ طائفہ پاکستان کے اندر بیٹھا اس قسم کے فتنے پھیلا رہا ہے۔

دین کا فر فکر و تدبیر جہاد دین ملائی سبیل اللہ فساد
شبیم مادر نگاہ مایم است اذ نگاہ اُدیم ما شبیم است
بے نصیب از حکمت دین نبی آسمانش تیرہ از بے کو کبی
از شکر فیہ جائے آں قرآن فروش دیدہ ام روح الامیں را در فروش

ہوئی فتویٰ بازی کی تو ان کی یہ کیفیت ہے لیکن کیر بکیر کا یہ عالم کہ اس فتویٰ کے خلاف ذرا سی تحریک ہوئی اور یہ لگے بغلیں بھانکے کہیں اس فتویٰ کی تاویلیں ہو رہی ہیں کہیں تو جہاد بیان کی جا رہی ہیں پھر اس سے رجعت اختیار کر لی جاتی ہے اور پاکستان کے فلائی بن کر خود اس ”جہاد“ میں شرکت کے ارادے ظاہر کئے جاتے ہیں۔
در کفر ہم نچستہ نہ ای — ز نادر را سوا مکن

اور پھر اپنی علمی بصیرت پر اعتماد کی یہ کیفیت کہ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کو لکھتے ہیں کہ اگرچہ میں آپ کے دلائل سے مطمئن نہیں ہوا، لیکن اگر آپ یہ لکھ دیں کہ آپ اپنی کامل بصیرت کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کشمیر کی جنگ جہاد ہے تو میں اپنے خیالات سے رجوع کر لوں گا لیکن جب علامہ صاحب لکھ دیتے ہیں کہ میں اپنی کامل بصیرت کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں تو پھر مودودی صاحب غور کر جاتے ہیں اور کوئی جواب ہی نہیں دیتے۔

یہ ہے اس شخص کی حالت جس کا قادیانی نبوت کی تقلید میں دعویٰ یہ ہے کہ

آؤ لوگو کہ میں نور خدا پاؤں گے!

اور جس کے حواریوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ شخص چالیس کروڑ مسلمانوں میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے، حیرت ہے کہ پنجاب کی مردین اس قسم کے لوگوں کو کس قدر اس آتی ہے۔ ادا بھی تو ابتدا ہے۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا!

نہ جس زمانہ میں سید محمد شاہ صاحب مدیر پیغام حق، مودودی صاحب کی رفاقت میں کام کیا کرتے تھے تو انہوں نے اپنے رسالہ میں ایسا کچھ لکھا تھا۔ معلوم نہیں سید صاحب کا اب مودودی صاحب کے متعلق کیا خیال ہے؟

ہندوستان جائیے

(دسمبر ۱۹۴۷ء)

ہندوستان کی تحریک آزادی میں ہندوؤں کا دعویٰ یہ تھا کہ اس ملک میں بسنے والے تمام لوگ بلا تخصیص مذہب و ملت ایک قوم کے افراد ہیں۔ اس لئے یہاں ایک ”قومی حکومت“ قائم کرنی چاہیے جو جمہوریت کے اصولوں پر کار فرما ہو بعض مسلمان بھی ایسے تھے جو اسے نظریہ ”متحدہ قومیت“ میں ہندوؤں کے ہم نوا تھے انہیں نیشنلسٹ مسلمان کہا جاتا تھا۔

ہندوستان میں تین نظریے | دوسری جماعت مسلم لیگ کی تھی جس کا ادعا یہ تھا کہ مسلمانوں کے نزدیک قومیت کا مادہ اتحاد وطن نہیں

بلکہ مذہب ہے۔ تمام مسلمان بحیثیت مسلمان ایک جداگانہ قوم کے افراد ہیں اس لئے وہ کسی دوسرے مذہب کے پیروں کے ساتھ مل کر متحدہ قوم نہیں بن سکتے۔ ہندوستان میں نظام جمہوریت کے معنی یہ ہوں گے کہ یہاں اکثریت کی حکومت ہو اور اکثریت چونکہ ہندوؤں کی ہے اس لئے آزادی ہند سے مفہوم ہوگا ہندوؤں کی حکومت اور مسلمانوں کی محکومیت۔ ان کے نزدیک اس گتھی کا عملی حل یہ تھا کہ ہندوستان کے

اُن علاقوں کو جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے الگ کر کے مسلمانوں کی جداگانہ مملکت قائم کی جائے یہ تقسیم ہند کا نظریہ تھا جس کی مخالفت ہندو اور اُن کے ہم نوا مسلم نیشنلسٹ حضرات کرتے تھے۔

دورانِ تحریک میں ایک تیسری آواز اٹھی جس نے یہ کہا کہ بیشک مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل کر ایک متحدہ قوم نہیں بن سکتے، لیکن ہندوستان کے مسلمان محض پیدائشی مسلمان ہیں جن کا مسلمان ہونا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ انہیں پہلے سچے معنوں میں مسلمان ہونا چاہیئے، اس کے بعد آزادی کے طالب پیدائشی مسلمان انگریز یا ہندو کے غلام رہیں۔ تو کیا اور اپنی الگ حکومت قائم کر لیں تو کیا اُن کی آزادی صحیح معنوں میں آزادی اُسی صورت میں کہلا سکتی ہے جب یہ اپنے اندر اسلامی صفات پیدا کریں۔ اس نظریہ کے مدعیان نے اپنے آپ کو اسلامی جماعت کے نام سے متعارف کرایا۔ طلوع اسلام اس حد تک اسلامی جماعت کے ساتھ ہم نوا تھا کہ مسلمان صرف اُسی صورت میں آزاد کہلا سکتا ہے جب یہ اپنی مملکت میں خدا کا قانون رائج کرے۔ لیکن اس کا مسلک یہ تھا کہ خدا کے قانون کو رائج کرنے کے لئے کسی خطہ زمین کی ضرورت ہے۔ جب تک ہم ہندوستان میں کسی خطہ زمین کے مالک نہیں بن جاتے، اُس وقت تک حکومتِ خداوندی کے قیام کا امکان نہیں، لہذا مسلم لیگ کی تحریک تقسیم ہندوستان

نے سطوحِ پیش نظر میں اس جماعت کے اس مسلک سے بحث کی جائے گی جو اس نے تحریکِ آزادی کے ضمن میں اختیار کیا تھا۔ ان کے دینی موقف کے متعلق ہم عند الضرورت پھر کبھی گزارش کریں گے۔
تہ طلوع اسلام اسلامی جماعت کے وجود میں آنے سے بہت پہلے اس مسلک کی اشاعت کی رہا تھا۔

کو کامیاب بنانے کیلئے ہمیں پوری پوری کوشش کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس کی کامیابی سے ہمیں وہ امکانی قدرت حاصل ہو جائے گی جس سے اس زمین پر آسمان کی بادشاہت کا تخت ابدال ہجھ سکے۔ اگر ہم نے اس وقت تغافل برتا تو انگریز پورا ہندوستان ہندو کے پروردگار دیگا جس سے ہمیں یہ امکانی قدرت حاصل نہ ہو سکے گی۔ ہمیں مسلم لیگ کی اس سیاسی تحریک کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو قرآن کے قریب لانے کی کوشش بھی جاری رکھنی چاہیے۔

لیکن اسلامی جماعت کے نزدیک یہ مسلک قابل قبول
جماعت اسلامی کا مسلک | نہ تھا۔ وہ پیدائشی مسلمانوں کے قومی اور اجتماعی

مطالبات سے ہم آہنگی اور تعاون کو اس طرح تعاون علی الاضداد و العداوان دگناہ اور سرکشی کے معاملات میں تعاون سمجھتی تھی جس طرح مرزائی حضرات مسلمانوں سے روابط قائم کرنے میں کفر و فسق محسوس کرتے تھے چنانچہ اس جماعت نے اپنے آپ کو مسلمانوں کی اس تحریک سے عملاً الگ رکھا اور دوسروں کو اس سے الگ رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ ان کا یہ طرز عمل مسلمانوں کی اس اجتماعی تحریک کیلئے نیشنلسٹ مسلمانوں سے بھی کہیں زیادہ ضرر رساں تھا اس لئے کہ نیشنلسٹ مسلمانوں کے نظریہ متحدہ قومیت کا بودا بن عوام کو بآسانی نظر آجاتا تھا۔ لیکن ان کا یہ انداز گفتگو کہ جب تک مسلمان اپنے آپ کو سچے معنوں میں مسلمان نہیں بنالیتا، جب تک یہ اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں نہیں رنگ لیتا، اُس وقت تک انہیں کوئی فوز و فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کے قومی لیڈروں کو دیکھو ان میں کوئی اسلامی خصوصیت نظر نہیں آئے گی۔ ان کا فکر مغربی شکالوں میں ڈھلا ہوا، ان کا عمل کفار اور مشرکین سے

ملتا ہوا۔ کون سچا مسلمان ہے جو ان کی قیادت میں چلنا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھے گا؟ اگر مسلمان اپنے اندر قوتِ ایمانی پیدا کر لے تو دنیا کی کوئی قوت اسے عکوم نہیں بنا سکے گی۔ لہٰذا ان ہنگامی تحریکوں کو چھوڑو اور مسلمان بننے کی کوشش کرو، عوام پر اپنا اثر کرجاتا تھا اور وہ بھول جاتے تھے کہ اس دلیل اور اُس نتیجے میں جس تک یہ جماعت ہمیں پہنچاتی ہے، کوئی ربط نہیں۔

بہر حال وہ دور ختم ہوا اور نیشنلسٹ مسلمانوں کے نظریہ متحدہ قومیت اور اسلامی جماعت کے مسلکِ اعتزال کے باوجود مسلمانوں کو ایک خطہ زمین مل گیا جس میں انہیں اپنے اندازِ فکر کے مطابق حکومت قائم کرنے کے امکانات حاصل ہو گئے، تقسیم ہند سے پہلے اسلامی جماعت کا مرکز اُس علاقہ (پٹھانکوٹ) میں تھا جو تقسیم کی رُو سے ہندوستان میں چلا گیا۔ لیکن دیکھنے والوں کی حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ ان حضرات کو بھی وہاں کہیں پناہ نہ مل سکی اور انہیں اپنی حفاظت کے لئے اُسی سرزمین کی طرف بھاگنا پڑا جس کے حصول کی جدوجہد سے تعاون و اشتراکِ عمل کو یہ اتنا بڑا گناہ قرار دیا کرتے تھے۔ ہم خیال کرتے تھے کہ خیراب تو یہ لوگ اس حقیقت کا اعتراف کریں گے کہ تقسیم ہند کی تحریک ایسی ”شیرِ ملعونہ“ نہ تھی جیسی یہ لوگوں کو بتایا کرتے تھے اور جس سے احتراز و اجتناب عین خدمتِ اسلامی قرار دیا کرتے تھے لیکن افسوس ہے کہ اس اعتراف کی انہیں اب بھی توفیق نصیب نہیں ہوئی، انہیں اس حقیقت کا اقرار تو مجبوراً کرنا پڑ رہا ہے کہ :-

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے تک اس ملک کے رہنے والے خود مختار

نہ تھے لیکن ۱۵ اگست کے بعد ہمارے ملک کی صورتِ حال بالکل بدل

گئی ہے اب اس ملک کے لوگ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرنے میں پوری طرح
مختار ہیں۔
(رسالہ ترجمان القرآن بابت جولائی ۱۹۶۸ء صفحہ ۲۵)

بلکہ اس سے بھی واضح تر الفاظ میں :

ہم اس عظیم ہند میں پچھلے دس سال سے اس بات پر لڑتے رہے ہیں کہ
ہم اپنی ایک مستقل تہذیب، الگ نظریہ زندگی اور مخصوص آئین حیات رکھتے ہیں۔
ہمارے لئے مسلم و غیر مسلم کی ایک ایسی متحدہ قومیت ناقابل قبول ہے
جس کا نظام زندگی لامحالہ ہمارے آئین حیات سے مختلف ہوگا ہمیں ایک
الگ خطہ زمین درکار ہے جس میں ہم اپنے آئین پر زندگی کا نظام بنا اور
چلا سکیں ایک طویل اور انتھک کشمکش کے بعد بالآخر اب ہمیں وہ خطہ زمین
مل گیا ہے جس کا ہم مطالبہ کر رہے تھے۔ (ایضاً صفحہ ۱۶۸)

لیکن اس کے باوجود ان کی زبان سے آج تک (اس اتنی بڑی تبدیلی پر) نہ خدا کی بارگاہ
میں اظہار تشکر و امتنان کے لئے ایک جملہ نکل سکا ہے اور نہ مسلمانوں کی اس جدوجہد
کی تعریف میں ایک لفظ۔ ان کی پیشانیاں ابھی تک مسلمانوں کے خلاف اظہار نفرت میں
شکں آلود اور ان کی نگاہیں غضب آگیز ہیں۔

لے اس ٹکڑے میں ہم اور ہمیں، کے الفاظ قابل غور ہیں۔ ہم لڑ رہے تھے، ہمیں ایک الگ
خطہ زمین درکار تھا، ایک طویل اور انتھک کشمکش کے بعد بالآخر اب ہمیں وہ خطہ زمین مل
گیا ہے جس کا ہم مطالبہ کر رہے تھے یہی اُن کی طرف سے کہا جا رہا ہے جو اس مطالبہ کو لغو
اس جدوجہد کو مذموم اور اس کے ماحصل کو شجرۃ الزقوم قرار دیا کرتے تھے۔

تقسیم ہند کے وقت ہمارے اکابرین سے تدبیر اور سیاست کی بعض غلطیاں ہو گئیں جن کے نتائج بڑے ضرر رساں ثابت ہوئے۔ طلوع اسلام اپنی پہلی اشاعت (کمپچی) سے اس وقت تک اُن غلطیوں کو بار بار گنا رہا ہے اور ذمہ دار ارکان اقتدار کو مسلسل متنبہ کر رہا ہے کہ ان کا پھر اعادہ نہ ہونا چاہیے۔ نیشنلسٹ مسلمان ان نتائج و واقعات کو تقسیم ہند اور ہدالگانہ قومیت کے نظریوں کا نتیجہ قرار دے کر انہیں اپنے مسلک کی حقانیت کے جواز میں بطور دلیل پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ اگر میدان جنگ میں حربی تدبیر کی کسی غلطی سے فوج کو نقصان اٹھانا پڑے تو یہ اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ جس مقصد کیلئے وہ فوج میدان جنگ میں آئی تھی، وہ مقصد باطل تھا۔

لیکن نیشنلسٹ مسلمانوں سے کہیں زیادہ حیرت انگیز مسلک ”اسلامی جماعت“ کا ہے۔ یہ اُس جدوجہد کے ماحصل کو ایک بہت بڑی تبدیلی بھی قرار دے رہے ہیں، لیکن سالِ گزشتہ کے نقصانات کو اس مسلک کے بطلان کے لئے بطور دلیل بھی پیش کر رہے ہیں جس کا نتیجہ اتنی بڑی تبدیلی ہے اور جس سے ہمیں حکومتِ خداوندی کے قیام کی امکانی قدرت حاصل ہو گئی ہے۔ آپ جون اور جولائی ۱۹۴۸ء کا ترجمان القرآن دیکھئے (کہ اس کے اُس وقت تک یہی دو نمبر شائع ہوئے ہیں)۔ اس تحریک کے خلاف پورا زہر اگلا ہوا دکھائی دے گا۔

اور آگے بڑھیئے۔ طلوع اسلام کی اولین اشاعت سے لیکر آج تک کسی پرچے کو دیکھئے اس میں قرآنی نظامِ حکومت کے قیام کا مطالبہ نہایت شتمند سے کیا جا رہا ہے۔ یہ کسی پراحسان نہیں۔ طلوع اسلام نے پہلے دن سے یہی مسلک

اختیار کیا کیونکہ یہ اس مسلک کو قرآن کی روشنی میں مسلکِ حق پرستی سمجھا تھا، اس نے اگر مسلم لیگ کی تحریکِ تقسیمِ ہند کی تائید و اعانت کی تھی تو بھی اس مقصد کے پیش نظر لیکن اس کے ساتھ ساتھ طلوعِ اسلام نے اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا کہ ان مطالبات میں کوئی حرکت ایسی نہ ہونے پائے جس سے استحکامِ پاکستان میں کسی قسم کی کمزوری واقع ہو جائے۔ اگر یہ زمین ہی نہ رہی تو قرآنی حکومت قائم کہاں ہوگی لیکن اس کے برعکس یہی مطالبہٴ اسلامی جماعت کی طرف سے پیش ہو رہا ہے لیکن خالص جماعت سازی اور گمراہی بندی کے انداز سے جس سے مسلمانوں میں تششت و انتشار پیدا ہوا اور یہ اس طرح باہمی جھگڑوں میں الجھیں کہ ان کی ساری قوتیں تخریب میں ضائع ہو جائیں۔

اگر ”اسلامی جماعت“ اپنے مسلک کی حقانیت پر یقین رکھتی ہے، تو ہمارے نزدیک ان کے لئے مستقبل کا لائحہ عمل بالکل واضح ہے۔ ان کا ارشاد ہے:۔

دس سال پہلے مسلمانوں کے سامنے یہ سوال آیا تھا کہ وہ ہندو امپیریلزم کے تسلط سے اپنے آپ کو کیسے بچائیں۔ اس سوال کا ایک حل یہ پیش کیا گیا تھا کہ اسلام کے اصولوں اور اسلامی سیرت کی طاقت سے اس خطرے کا مقابلہ کیا جائے مگر اس حل نے مسلمانوں کو اپیل نہ کیا اور وہ اسے آزمائش پر آمادہ نہ ہوئے اب یہ بحث بیکار ہے کہ اسے آزمایا جاتا تو کیا ہوتا۔ دوسرا حل جو پیش کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ قومیت کی بنیاد پر سیاسی جنگ لڑی جائے۔ اس حل کو مسلمان نے قبول کیا اور اپنی ساری قومی طاقت، اپنے تمام ذرائع اور اپنے جملہ معاملات اس قیادت کے حوالے کر دیئے جو ان کے قومی مسئلہ

کو اس طرح حل کرنا چاہتی تھی۔ دس برس کے بعد اس کا پورا کارنامہ ہمارے سامنے ہے اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس نے کس طرح، کس صورت میں، ہمارے مسئلہ کو حل کیا۔ جو کچھ ہو چکا ہے وہ اُمٹ ہے اسے اب بدلائیں جاسکتا اس پر اس حیثیت سے تو بحث بیکار ہے کہ یہ نہ کیا جاتا تو کیا ہوتا اب اس حیثیت سے اس پر بحث کرنا ضروری ہے کہ جو مسائل اب ہیں درپیش ہیں، کیا ان کے حل کے لئے بھی وہی قیادت موزوں ہے جو ہمارے قومی مسئلہ کو اس طرح حل کر چکی ہے؟ کیا اس کا اب تک کا کارنامہ یہی سفارش کرتا ہے کہ اب جو بڑے بڑے اور نازک مسائل ہمارے سر پر آ پڑے ہیں جن کا بیشتر حصہ خود اسی قیادت کی کار فرمائیوں کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے انہیں حل کرنے کے لئے ہم اس پر اعتماد کریں؟

(ترجمان القرآن بابت جولائی ۱۹۴۸ء صفحہ ۱۳۸)

یعنی ایک مسلک وہ تھا جو آزمایا جا چکا ہے اور جس کے تباہ کن نتائج آج قوم کے سامنے ہیں دوسرا مسلک وہ تھا جسے انہوں نے پیش کیا اور قوم نے اسے اختیار نہ کیا ان کا دعویٰ ہے کہ اسے اختیار

ہندوستان جلیے

کر لیا جاتا تو مسلمان بغیر نقصان کے ہندو امپیرلزم کے خطرے سے بچ جاتا۔ بہت اچھا۔ پاکستان کے مسلمانوں نے آپ کی دُستی اور اس کا خیانا بھگت رہے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کو ہندوؤں کی امپیرلزم سے بچانے کا سوال تو اب بھی ہمارے سامنے ہے۔ وہ پانچ کروڑ مسلمان جنہوں نے انتہائی بے کسی کے عالم میں ایک مفتوح اور شکست خوردہ قوم کی حیثیت سے اپنے آپ کو اچانک اُن ہندوؤں اور سکھوں کے جُنگل میں

پایا جن کے ساتھ وہ چند روز پہلے دُوبدو لڑ رہے تھے (ترجمان القرآن ص ۱۳۵) اب ہندو امپریزم کے تسلط میں بُری طرح جکڑے ہوئے ہیں اگر آپ کے پاس کوئی ایسا پروگرام ہے جس سے وہ اس امپریزم کے جھنکے سے چھوٹ سکتے ہیں بسم اللہ کیجئے۔ جانیئے اور ہندوستان کو اس مسلک کی تجربہ گاہ بنائیے جسے پاکستان کے مسلمانوں نے ٹھکرا دیا۔ ہندوستان کے مظلوم و مقہور مسلمانوں کی بھی آپ پر ویسی ہی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جیسی پاکستان کے مسلمانوں کی بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ۔ آپ کا تجربہ کامیاب ہوگا تو وہاں کے مسلمان اپنی مصیبتوں سے نجات پائیں گے اور پاکستان کے مسلمان آپ کے مسلک کی حقانیت کے خود بخود قائل ہو جائیں گے اور اس قیادت کو آپ کے قریب میں ڈال دیں گے جس کی کار فرمایوں کے نتائج وہ اس بُری طرح سے بھگت رہے ہیں۔ شرعی نظام حکومت کا مطالبہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ اگر اسلامی جماعت یہاں نہ رہی تو اس کا پیش کرنے والا بھی کوئی نہ رہے گا پاکستان کے مسلمانوں کی اکثریت یہی چاہتی ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ یہ آئینی تبدیلی عملاً کس طرح سے ہو لوگ اس کے لئے بھی سوچ رہے ہیں اور کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیں گے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمانوں کی مصیبتوں کا حل (سردست) اُن کے پاس نہیں اور جو حل یہ سوچیں گے وہ (بزم آپ کے) پھر غلط ہو گا اس لئے اسلامی جماعت کے جذبہ اسلام کا اولین تعاضا یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اس مصیبتِ عظمیٰ سے بچائیں۔ یہ آپ کا اُن پر بھی احسان ہو گا اور پاکستان کے مسلمانوں پر بھی اور وہاں ابھی تک کوئی ایسی قیادت بھی مسلط نہیں ہوئی جسے توڑنا مشکل ہو یہ کام پاکستان میں رہ کر نہیں ہو سکتا۔ ایک تو بُعدِ مسافت کی وجہ سے تبلیغی مشکلات دوسرے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس سے ہندوستان اور پاکستان کی مملکتوں

میں خواہ مخواہ قصاص پیدا ہو جائے۔ اسلامی جماعت کا مرکز ہندوستان ہی میں ہونا چاہیئے اور وہی خطہ اس کی سرگرمیوں کی جولاں گاہ۔ پاکستان کے مسلمانوں کو سرپرست ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ آپ بنے خود ہی تو فرمایا۔ ہے کہ جو مسلک آپ نے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا تھا۔

یہ وہی بات تھی جو نبیؐ میں قریش کے لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ میں دیکھ کر آیا ہوں کہ اگر تم اسے لے لو تو عرب و عجم سب تمہارے زیرِ نگیں ہو جائیں گے لیکن مسلمانوں نے اس مشورہ میں وہی خطرہ محسوس کیا جو قریش نے محسوس کیا تھا کہ اِنْ نَّبْتَغِ الْهَدْيَ مَعَكُمْ نَتَخَطَّفَ مِنْ اَرْضِنَا ^{۲۶} یعنی اگر ہم اس راہِ عمل کو اختیار کر لیں تو اس سرزمین میں ہمارا کوئی ٹھکانہ نہ رہے گا۔

(ترجمان القرآن جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۳۸)

آپ بھی پاکستان کے قریش سے ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف ہجرت فرما جائیئے اور وہاں اپنے تجربہ کو کامیاب بنا کر پھر پاکستان کی طرف مراجعت فرما کر اسے فتح کر لیجئے۔ اس طرح یہاں بھی آپ کا پیش کردہ مسلک رائج ہو جائے گا اس دوران میں اگر یہاں نظامِ شریعت رائج نہ بھی ہوا تو بھی یہ مملکت (جماعت اسلامی کے ارکان کے الفاظ میں) ایسی تورہ جائے گی جیسی افغانستان اور ایران کے مسلمانوں کی حکومتیں ہیں لیکن اگر آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں کی خبر نہ لی تو نہ معلوم ان پکاروں کا کیا حشر ہو؟

باب دُوم

آهینی دکتیر شپ

آہنی ڈکٹریٹ شپ کے عزائم ۱

”مزاج شناس رسول“ کا مفہوم

(دسمبر ۱۹۵۰ء)

کہتے ہیں کہ جس بھیڑیے کے منہ کو انسان کا خون لگ جائے پھر اسے کسی اور جانور کے خون میں لذت ہی نہیں ملتی بھیڑیوں کے متعلق تو معلوم نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب انسان کے منہ کو انسان کا خون لگ جائے تو وہ چھڑائے نہیں چھوٹتا۔ آپ غور کیجئے تو انسان کی ساری تاریخ اسی خون کی لذت کی داستان نظر آئے گی۔ بالادست انسانوں نے ہمیشہ کمزور انسانوں کا خون چوسا اور ایسا انتظام رکھا کہ یہ انسان اُن کے پنجہ فوادی کی گرفت سے نکلنے نہ پائیں۔ تاریخ شاید یہ کہہ فوادی پنجہ انسان کے دونوں ہاتھوں میں ہے ہیں۔ ایک ہاتھ میں ملکیت (مال کا نامعادل یعنی VESTED INTERESTS) کا پنجہ اور دوسرے ہاتھ میں مذہبی پیشوائیت (PRIESTHOOD) کا پنجہ۔

جس طرح شکار کی گرفت کیلئے انسان کے دونوں ہاتھ
ملکیت اور پیشوائیت اکٹھے ہو جاتے ہیں، اسی طرح عوام کو اپنی گرفت میں رکھنے

کے لئے ملکیت اور پیشوائیت کے یہ فولادی پنچے بھی ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہتے ہیں۔ معاون و مددگار ہی نہیں بلکہ — اس دو قوت حافظ یکدیگر اندر ملکیت مذہبی پیشوائیت کی محافظ رہی ہے اور مذہبی پیشوائیت ملکیت کی رکھشا (حفاظت) میں سپر بنی رہی ہے۔ آج بھی آپ دیکھئے دنیا میں جہاں جہاں ملکیت ہے مذہبی پیشوائیت اس کے ساتھ ہے اور جہاں سے ملکیت اٹھ گئی ہے وہاں مذہبی پیشوائیت کا اقتدار بھی ختم ہو گیا ہے۔

مظلوم انسانوں کو ملکیت اور مذہبی پیشوائیت کے پنچا استبداد سے چھڑانے کے لئے دنیا میں بہت سے تجربے ہوئے۔ ان میں آخری تجربہ آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر سرزمین عرب میں ہوا۔ یہ تجربہ بڑا کامیاب رہا۔ نوع انسانی کے اس عظیم القدر معلم محسن نے تیس سال کی شبانہ روز محنت سے تاریخ میں ایک عجیب العقول انقلاب پیدا کر دیا اور اس کے بعد ساری دنیا کو علی الاعلان کہہ دیا کہ دیکھ لو۔

کس دریں جا سائل و محروم نیست عبد و مولا، حاکم و محکوم نیست

(VESTED) اس انقلاب نے ہر قسم کے مالکانہ مفاد (INTERESTS) اور مذہبی پیشوائیت (PRIESTHOOD) کا خاتمہ کر دیا جس سے انسانیت کو آزادی کی فصلائے بسیط

میں اذن بال کشائی مل گیا۔ اس معلم و محسن انسانیت نے اس تجربہ کو کسی راز میں نہ لکھا بلکہ ہر ایک سے کہہ دیا کہ اس تجربے کے تمام اصول اس کتاب میں محفوظ ہیں جو میں تمہارے حوالے کئے جا رہا ہوں ان اصولوں پر کار بند ہو گے تو ان کی رو سے پیدا شدہ انقلاب آگے بڑھتا چلا جائے گا۔

لیکن کچھ عرصہ بعد بغداد پر ستانہ ذہنیتیں پھر سے اپنی کین لگا ہوں سے نکلیں اور انہوں نے اپنے گم گشتہ اقتدار کی بازیابی کے لئے کوششیں شروع کر دیں جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے ملوکیت کے قیام کیلئے مذہبی پیشوائیت کی تائید و اعانت ناگزیر ہے لیکن مذہبی پیشوائیت کی راہ میں وہ کتاب جس میں اس انقلابی تجربہ کے اصول منضبط تھے، سنگ گراں بن کر حائل ہو رہی تھی لہذا ان دونوں قوتوں کی پہلی کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس کتاب کو راستے سے ہٹانا چاہیے انہوں نے اس کے لئے کیا کچھ کیا؟

یہ داستان بڑی طویل ہے لیکن آخر الامر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے اور اس کتاب انقلاب کی عملی حیثیت یکسر ختم ہو گئی اس کے بعد انہوں نے ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کے استحکام کیلئے سندیں وضع کرنی شروع کیں۔ چنانچہ ایک طرف اعلان کر دیا کہ السلطان ظل اللہ علی الارض (بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے) اور دوسری طرف اس قسم کے اعلانات کہ علماء امتی کا ذبیحہ بنی اسرائیل (میری امت کے علمائے اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں) اور ملوکیت اور پیشوائیت کی ان سنت کو منسوب کر دیا اُس انقلاب آفرین محکم و محسن انسانیت کی طرف جس نے ملوکیت اور پیشوائیت کا خاتمہ کر دیا تھا چنانچہ اس کے بعد مظلوم انسانیت پھر سے جسمانی اور ذہنی استبداد کے ان فولادی پنجوں کی گرفت میں آگئی اور ان کے قسطن قاہرہ منہ جی بھر کر ان کا خون پیا۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ آپ دیکھئے۔ آج دنیا

لے ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ مسلمانوں کی تاریخ پر عمومی تبصرہ ہے مستثنیات اس میں داخل نہیں کیونکہ تاریخ عمومی سے مرتب ہوتی ہے مستثنیات سے نہیں۔

میں مسلمانوں کے ممالک میں بادشاہتیں قائم ہیں اور ان بادشاہتوں کی تائید ملکی زبان سے ہوتی ہے وہ خطبوں میں خدا اور رسول کے ساتھ ان بادشاہوں کا نام پکارتا ہے اور ان کے پنجہ استبداد کے استحکام و تقویت کے لئے دعائیں مانگتا ہے وہ زمینداروں اور جاگیرداروں کے جواز کے فتوے دیتا ہے اور ہر قسم کی مفاد پرستانہ ذہنیت کی تائید کرتا ہے اسلام کے دور انقلاب میں امیر اس صاحب امر (صاحب اختیار) کو کہتے ہیں جو خدا کے قانون کے زور پر مفاد پرستی کے بت کو توڑ دے لیکن اب امیر اسے کہتے ہیں جو دولت مند ہو۔ مذہبی پیشوائیت بادشاہ سے نیچے اتر کر انہی امراء کے سائے تلے پردر ش پاتی ہے اور ان کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔ آج مسلمانوں کے قریب قریب تمام ملکوں میں یہی حالت ہے۔

تحریک آزادی | ہندوستان میں مسلمانوں کی بادشاہت ختم ہو چکی تھی اور اس کی جگہ انگریز کی حکومت قائم تھی۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے وہاں آزادی کی تحریک شروع ہوئی۔ ہندو چاہتا تھا کہ حکومت کو انگریزوں سے چھین کر اپنے ہاتھ میں لے لے اور اس طرح وہاں کے مسلمانوں پر حکمران بن کر بیٹھ جائے۔ اللہ کے ایک بندے نے اپنی قرآنی بصیرت سے اس صورتِ حالات کو بھانپ لیا اور مسلمانوں کو اپنی جداگانہ مملکت قائم کرنے کا تصور دیا۔ ایک دوسرا مرد اٹھا اور اس نے اس تصور کو حقیقت بنانے کے لئے جدوجہد شروع کر دی۔ مولوی ذہنیت نے ان حالات کا جائزہ لیا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچی کہ اس کے اقتدار کا امکان اسی شکل میں ہو سکتا ہے کہ

لے ہم ذہنیت کا ذکر کر رہے ہیں افراد کا نہیں بعض مولوی صاحبان نے پاکستان کے نظریہ کی تائید بھی کی تھی۔

(۱) یا تو مسلمان کی حکومت اس انداز کی قائم ہو جس میں قانون کے اختیارات اس کے ہاتھ میں ہوں (اس کا نام اس نے قانون شریعت کا نفاذ رکھ چھوڑا تھا کیونکہ شریعت کا حامل وہ اپنے آپ کو سمجھتا تھا اور یہی اس نے سب کو بتا رکھا تھا۔)

(۲) اور اگر اس قسم کی حکومت قائم نہ ہو تو پھر اس کے اقتدار کی دوسری صورت یہ تھی کہ ہندوؤں کی لادینی اسٹیٹ ہو جس میں مسلمانوں کے پرسنل لاء کا تحفظ ہو جائے یہ ظاہر ہے کہ اس پرسنل لاء (شریعت) کی نگرانی مولوی صاحبان کے ہی سپرد کی جاسکتی تھی۔

مولویانہ ذہنیت نے دیکھا کہ اول الذکر صورت کا امکان بعید ہے کیونکہ تحریک پاکستان کی باگ ڈور جن ہاتھوں میں تھی اُن سے اسے یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ قانونی اختیارات مولوی صاحبان کے ہاتھوں میں دیدیں گے۔ بالفاظ دیگر مولوی کو مسٹر جناح سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کی مملکت کو مولویت کی مفاد پرستانہ ذہنیت کے سپرد کر دیں گے، اس لئے کہ مسٹر جناح کی نگاہ تاریخ پر تھی اور تاریخ بتا رہی تھی کہ یہ ذہنیت کن کن تباہ کاریوں کا موجب بنتی رہی ہے۔ لہذا مولوی نے اپنا مفاد دوسری شکل میں دیکھا اور تحریک پاکستان کی مخالفت شروع کر دی یہ تھا قومیت پرست علماء کا مسلک مولوی کا ایک اور گروہ تھا جو اس طبقہ سے زیادہ ہوشیار تھا اس نے سوچا کہ انداز یہ رکھنا چاہیے کہ اگر پاکستان کی تحریک کامیاب نہ ہو تو مشترکہ ہندوستان میں ان کا گروہ مذہب کا نمائندہ سمجھا جائے۔ اور اگر پاکستان قائم ہو جائے تو وہاں قانون شریعت کے نفاذ کی تحریک سے اپنا اقتدار قائم کر لیا جائے۔ اس مقصد کیلئے اس گروہ نے ایک طرف قومیت پرست علماء کی مخالفت شروع کر دی (تا کہ پاکستان بن جانے کی صورت میں ان کا شمار قومیت پرستوں میں نہ کیا جائے) اور دوسری طرف پاکستان کی بھی مخالفت شروع کر دی (تا کہ پاکستان نہ بنے

کی صورت میں انہیں مامیانِ پاکستان نہ قرار دیا جائے، اور اس کے ساتھ قانونِ شریعت کی بیکار شروع کر دی (تاکہ پاکستان بنے تو اور نہ بنے تو ان کے وقار و اسلامی جماعت | اقتدار کی صورت بہر حال نکل آئے) شریعت سے ان کا مقصود تھا

وہ قانون جسے لوگ مرتب کریں اور مرتب کرنے کے بعد اس کی (INTERPRETATION) بھی انہی سے پوچھی جائے کہ اسے یعنی قانون کے اجارہ داریہ یوں اور حکومت ان کے فیصلوں کو نافذ کرنے کی مشینری ہو۔ یہ گروہ اسلامی جماعت کے نام سے متعارف ہوا۔ پاکستان بن گیا۔ قومیت پرست علماء ہندوستان میں رہ گئے اور اسلامی جماعت کے مولوی صاحبان پاکستان آ گئے اور یہاں شریعت کے نفاذ کا مطالبہ پیش کر دیا۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ شریعت وہ ہے جسے یہ شریعت کہیں۔ ان کی یہ شریعت وہی ہے جو ہمارے دورِ ملوکیت میں پیدا ہوئی اور جس کی خصوصیت کبریٰ مالکاء مفار (VESTED INTERESTS) کی موافقت اور حفاظت ہے۔ پاکستان میں باوشاہت کے قیام کی تو صورت نہیں اس لئے یہاں مالکاء مفاد کی صورت زمینداری، جاگیرداری، سرمایہ داری ہے۔ ان لوگوں کی کوشش یہ ہے کہ ان مفادات کے تحفظ اور ان کی تائید سے پیشوائیت کے اقتدار کا استحکام ہو جائے، یعنی استبداد کے وہی فولادی پنجے جنہیں قرآن کے انقلاب آفرین نظام نے توڑا تھا انہیں پھر سے مسلط کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سامنے جب قرآن کا نام لیا جائے تو ان کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے اس لئے کہ قرآن پیشوائیت اور مفاد پرستانہ ذہنیت دونوں کا دشمن ہے۔ عہدِ رسالت میں کبھی کسی نے مولوی کا نام ہی نہیں سنا تھا۔ آپ نے کہیں یہ نہ پڑھا ہو گا کہ کسی نے حضرت مولانا قرآن سے چڑھ

ابو بکر صدیق یا مولانا عمر فاروق کہا ہو۔ وہ دور اس چیز سے آشنا ہی نہ تھا یہ سب ددِ ملوکیت کی پیدا شدہ چیزیں ہیں اسی لئے یہ لوگ اُسی اسلام کو رائج کرنا چاہتے ہیں جو ددِ ملوکیت کی پیداوار ہے لیکن اس کی نسبت کر دی جاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ نبی اکرمؐ نے قرآن ہی کی اتباع فرمائی۔ اسی کے ذریعہ وہ انقلاب پیدا کیا جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ آپؐ نے قرآن ہی سے اسلامی مملکت کا نظام و آئین مرتب فرمایا اس لئے قرآن سے آئین مرتب کرنا عین سنتِ رسول اللہ کے مطابق ہے لیکن اس میں پیشوائیت کو نہ اپنے اقتدار کے جواز کی سند ملتی ہے نہ اس مالکانہ مفاد کے تحفظ کی گنجائش جن کی یہ تائید کرنا چاہتے ہیں اس لئے یہ حضرات کہتے ہیں کہ سنتِ رسول اللہ نام ہے اُن روایات کا جن میں ان سب باتوں کی گنجائش نکل آتی ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ ہے جس سے انہیں بھی انکار نہیں کہ رسول اللہؐ نے روایات کا کوئی مجموعہ اُمت کو نہیں دیا۔ حضورؐ نے خود بھی قرآن پر عمل کیا اور اُمت کو بھی اُسی پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ روایات کے مجموعے تیسری صدی میں مرتب ہوئے جو مسلمانوں کی ملوکیت کا دور ہے اور ان مجموعوں میں وہ تمام روایات درج ہو گئیں جن سے ملوکیت اور پیشوائیت کو تقویت ملتی ہے اور جو اس مقصد کے لئے وضع کی گئی تھیں۔ اب یہ لوگ ان روایات کو سنتِ رسول اللہ کا مقدس نام دیکھان کے ذریعے اپنے اقتدار کا تسلط چاہتے ہیں۔

علاوہ ازیں ایک بات اور بھی ہے۔ قرآن کا اپنے متعلق دعوئے

روایات

ہے کہ اس میں کہیں تضاد نہیں۔ اس کی تعلیم کھلی کھلی واضح اور غیر

مہم ہے ادا خلاف کا اس میں کوئی دخل نہیں اس کے برعکس روایات لاکھوں کی تعداد میں ہیں اور جس قسم کا حکم آپؐ چاہیں ان سے نکل سکتا ہے جو روایات آپؐ کے مطلب

کی ہوں، انہیں صحیح کہہ دیجئے جو اس کے خلاف ہوں، انہیں ضعیف قرار دے دیجئے۔ کہنے کو تو صحیح اور ضعیف کے کئی معیار مقرر ہیں، لیکن عملاً اس کا فیصلہ پیشوائیت کی اپنی مرضی پر موقوف ہوتا ہے چنانچہ ان معیاروں پر بحث کرنے کے بعد، جو احادیث کے پرکھنے کیلئے مقرر کئے گئے ہیں، سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی ارشاد فرماتے ہیں: ۱۔

محدثین کی خدمات مسلم یہ بھی مسلم کہ نقدِ حدیث کیلئے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے، وہ صدیاً قول کے اخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کارآمد ہے۔ کلام اس میں نہیں بلکہ صرف اس امر میں ہے کہ کلیۃً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے۔ وہ بہر حال، تھے تو انسان ہی۔ انسانی علم کیلئے جو حدیں فطرۃ اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں، ان سے آگے تو وہ نہیں جاسکتے تھے۔ انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے، اس سے تو ان کے کام محفوظ نہیں تھے۔ پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جس کو وہ صحیح قرار دیتے ہیں، وہ حقیقت میں بھی صحیح ہے۔ صحت کا کامل یقین تو خود ان کو بھی نہ تھا، وہ بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہتے تھے کہ اس حدیث کی صحت کا ظن غالب ہے۔ مزید برآں یہ ظن غالب جس بنا پر ان کو محال ہوتا تھا، وہ بلحاظ روایت تھا نہ کہ بلحاظ روایت۔ ان کا نقطہ نظر زیادہ تر اخباری ہوتا تھا۔ فقہ اُن کا اصل موضوع تھا۔ پس اُن کے کمال کا جائز اعتراف کہتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ احادیث کے متعلق جو کچھ تحقیقات بھی انہوں نے کی ہے، اس میں دو طرح کی کمزوریاں موجود ہیں، ایک بلحاظ اسناد، دوسرے بلحاظ تفقہ (تفہیمات ج ۱ ص ۱۹-۳۱۸)

یہاں تک آپ دیکھیں گے کہ روایات کے متعلق یہ وہی نظریہ ہے جسے طلوع اسلام

بیش کرتا چلا آ رہا ہے لیکن اس کے بعد دیکھنے کیا ہوتا ہے۔ طلوع اسلام یہ کہتا ہے کہ جب احادیث کی حالت یہ ہے تو دین کے متعلق یقینی تعلیم کا سرچشمہ قرآن کریم ہی رہ جاتا ہے کیونکہ اس کی صحت میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ یعنی طلوع اسلام خدا کے قانون کی اتباع کی تلقین کرتا ہے اس کے برعکس مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ جب احادیث کی حالت یہ ہے کہ ان کے یہ کہنے کے ذرائع ناقص ہیں تو پھر رسول اللہ کا صحیح حکم معلوم کرنے کیلئے کیا کیا جاتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس باب

مزاج شناس

میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

- کثرت مطالعہ اور عمارت سے انسان میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسول اللہ کا مزاج شناس ہو جاتا ہے اور اسلام کی صحیح روح اُس کے دل و دماغ میں بس جاتی ہے۔ پھر وہ ایک حدیث کو دیکھ کر اول نظر میں سمجھ لیتا ہے کہ آیا رسول اللہ ایسا فرما سکتے تھے یا نہیں۔ (ایضاً ص ۳)
- غور کیجئے کہ مودودی صاحب آپ کو کس مقام پر لے جاتے ہیں ان کا ارشاد ہے کہ:-
- (۱) پاکستان میں قانون شریعت کا نفاذ ہونا چاہیے۔
 - (۲) قانون شریعت احادیث کی دُ سے مرتب ہوگا۔
 - (۳) احادیث کا ذخیرہ ضعیف اور قوی صحیح اور موضوع روایتوں پر مشتمل ہو۔
 - (۴) انہیں پرکھنے کا معیار یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ کا مزاج شناس ہو جائے، وہ جسے صحیح کہے وہ صحیح ہے، جسے غلط کہے وہ غلط ہے۔
 - (۵) اور یہ ظاہر ہے کہ اس وقت خود مودودی صاحب سے بڑھ کر رسول اللہ کا مزاج شناس اور کون ہو سکتا ہے؟

لہذا، (۶) قانون شریعت وہ ہوگا جسے مودودی صاحب قانون شریعت قرار دیں۔

یہ چیز محض قیاسی نہیں واقعات پر مبنی ہے۔ اگلے دنوں مودودی صاحب نے یہ بحث چھیڑی تھی کہ زمین پر انفرادی ملکیت جائز ہے اور ایک شخص اپنی زمین دوسروں کو بٹائی پر کاشت کے لئے دے سکتا ہے بعض حضرات نے ان کے اس مسلک کے خلاف کچھ احادیث پیش کیں جن میں مذکور تھا کہ رسول اللہ نے زمین کو بٹائی پر دینے سے منع فرمایا ہے احادیث پر کھنسنے کے اصولوں کے مطابق یہ روایات صحیح قرار پائی تھیں لیکن مودودی صاحب نے فرما دیا کہ نہیں حدیثیں وہی صحیح ہیں جو میرے مسلک کی تائید کرتی ہیں۔ یہ حدیثیں جو اس مسلک کے خلاف جاتی ہیں، اُن کے متعلق میری ممارست مجھے یہ بتاتی ہے کہ

دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ اور تھا اور وہ روایات میں بیان

کسی اور طرح ہو گیا۔ (ملکیت زمین)

اس ”دراصل“ کے ٹکڑے پر غور فرمائیے یعنی ان احادیث کے الفاظ تو ہمیشہ مودودی صاحب کے مسلک کے خلاف جاتے ہیں، لیکن ”دراصل“ ہوا یہ کہ رسول اللہ نے کچھ اور فرمایا تھا اور روایات میں کسی اور طرح بیان ہو گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ مودودی صاحب کے پاس وہ کون سا ذریعہ علم ہے جس کی بنا پر انہوں نے یہ معلوم کر لیا کہ ”دراصل“ رسول اللہ نے کچھ اور فرمایا تھا۔ اور روایات میں بیان کسی اور طرح ہو گیا یہ ذریعہ علم ہے رسول اللہ کی وہ مزاج شناسی جو کثرت مطالعہ اور ممارست سے مودودی صاحب کو حاصل ہو گئی ہے اور

اے آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ اب اس کا عدالت میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ ”مزاج شناس“

مودودی صاحب ہی ہیں۔

جس کے پیش نظر وہ تمام مستند محدثین کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ روایات کے بارے میں محدثین کا مستند ہونا یہ معنی کب رکھتا ہے کہ جن امور کا تعلق عقل، درایت اور فہم و استنباط سے ہے ان میں بھی وہ بالکلیہ معتمد سمجھے جائیں۔

(ترجمان القرآن جلد ۱۱ صفحہ ۳۹)

اس سے آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ مودودی صاحب کس طرح قانونِ شریعت کے متعلق خود آخری سند (FINAL AUTHORITY) کی حیثیت اختیار کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی یہ نہیں کہتے کہ شریعت کے معاملہ میں آخری سند خدا کی کتاب ہے۔ اس لئے کہ ایسا کہنے میں ان کی اپنی سیادت کا خاتمہ ہو جاتا ہے وہ اس کے برعکس کہتے یہ ہیں کہ

جس حکومت کے دستور میں رسول خدا کے حکم کو آخری فیصلہ کن سند نہ تسلیم کیا گیا ہو وہ ایک اسلامی حکومت نہیں ہے۔

(دستوری سفارشات پر تنقید ص ۱۳)

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے اس کی روشنی میں اس ٹکڑے کو پڑھیے بات بالکل صاف ہو جاتی ہے آخری حکم رسول اللہ کا ہے۔ رسول اللہ کا صحیح حکم وہ ہے جسے میں صحیح قرار دوں۔ لہذا آخری حکم میرا فیصلہ ہے۔ دیکھا آپ نے کہ پیشوائیت کی ہوس اقتدار کس مقدس اور معصوم رنگ میں آگے بڑھتی ہے۔ یہ عوام کی نگاہوں میں عاشقِ رسول اللہ قرار پاتے ہیں۔ سنت کے متبع، حضور کے فرامین کے دلدادہ، انہی کے مطابق آئینِ پاکستان مرتب کرنے کے داعی اس سے زیادہ ان کے پیش نظر اور کوئی غرض نہیں۔ لیکن ذرا گہرائی میں جلیئے تو خالص اپنی ڈکٹیٹر شپ قائم کرنے

کے عزائم بخود کیا آپ نے کہ کس بُری طرح سے حضورِ سرورِ کائنات کے نام کو (EXPLOIT) کیا جا رہا ہے اور کس معصومانہ انداز میں پیشوائیت کی حکومت (THEOCRACY) قائم کرنے کے منصوبے باندھے جا رہے ہیں۔ ہمارے بعض سطحِ بین احباب شکایت کیا کرتے ہیں کہ طلوعِ اسلام کو کیا ہو گیا کہ یہ اُس جماعت کی مخالفت کر رہا ہے جو شریعت کا قانون نافذ کرنا چاہتی ہے طلوعِ اسلام کو ہو یہ گیا ہے کہ یہ لوگ اپنی آمریت قائم کرنے کی فکریں ہیں اور اس کے لئے خدا اور اس کے مقدس رسول کو پیر بنا رہے ہیں۔ وہ

ڈکٹیٹر شپ تاریخ میں دیکھ چکے ہیں کہ پیشوائیت نے اس سے پہلے کون کون سے فتنے برپا کئے ہیں اور اس بھولی بھالی اُمت کو کس کس طرح فریب دیئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وہی پیشوائیت اب اس نادک ترین دور میں اُمت کو کتنا بڑا فریب دینے کے درپے ہے۔ ذرا سوچو کہ طلوعِ اسلام کو اس مخالفت سے لینا کیا ہے۔ طلوعِ اسلام کی ساری تاریخ آپ حضرات کے سامنے ہے کیا اس تمام زمانہ میں آپ کوئی ادنیٰ سی مثال بھی ایسی پیش کر سکتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ طلوعِ اسلام نے کوئی بات اپنے مفاد کے لئے پیش کی ہو۔ طلوعِ اسلام کی کوئی پارٹی نہیں۔ یہ کسی پارٹی کا آرگن نہیں، کسی گروہ کا طرفدار نہیں۔ اس نے الکشن نہیں لڑنے۔ اس نے ووٹ نہیں حاصل کرتے۔ پھر اسے کیا پڑی ہے کہ کسی جماعت کی مخالفت خواہ مخواہ کرے۔ اگر کوئی پارٹی الیکشن جیت کر سب کی سب نشستیں بھی حاصل کر لے تو طلوعِ اسلام کو کیا طلوعِ اسلام کے نزدیک موجودہ سب پارٹیاں برابر ہیں۔ اسے اس سے کیا لچسپی ہے کہ گاؤں آمد و رفت لیکن طلوعِ اسلام کی نگاہیں یہ دیکھ رہی ہیں کہ پیشوائیت کے عزائم قوم کو کس طرح تباہیوں کی طرف لئے جا رہے ہیں۔ اور چونکہ یہ سب کچھ مذہب کے مقدس نام پر ہو رہا ہے، اس لئے سادہ لوح قوم ان عزائم کو بے نقاب نہیں دیکھ رہی اور ان کے دھوکے میں آرہی

یہ طلوع اسلام اپنا فریضہ سمجھتا ہے کہ قوم کو اس حبیبِ خطرے سے آگاہ کر دے۔ قوم دوسری پارٹیوں سے فریب نہیں کھاتی۔ جب بھی کوئی لیڈر الگ پارٹی بناتا ہے تو ہر شخص سمجھ لیتا ہے کہ یہ اپنی وزارت قائم کرنے کی فکر میں ہے اور خود بھی اس اعتراف سے ہچکچاتا نہیں لیکن مولویوں کی اس پارٹی کے متعلق سادہ لوح مسلمان ابھی تک یہ سمجھے ہوئے ہے کہ ان کا مقصد وزارتیں اور ماترین نہیں۔ یہ تو حکومتِ الہیہ کے قیام کی کوشش کر رہے ہیں اس لئے ان کا ساتھ دینا خدا اور رسول کا ساتھ دینا ہے پیشوائیت (PRIESTHOOD) سنہمیشہ ہی کہا ہے۔

پیشوائیت آج بھی یہی کہہ رہی ہے۔ طلوع اسلام پیشوائیت کے چہرے سے نقاب اٹھا دینا چاہتا ہے اس کے بعد بھی قوم اگر ان کی اتباع میں بربادیوں کے جہنم کی طرف جانا چاہے تو اس کی مرضی۔ پیشوائیت طلوع اسلام کے کسی اعتراف کا جواب تو دے نہیں سکتی ہوام کے جذبات کو مشتعل کرنے کیلئے کہہ دیتی ہے کہ

شکست خوردہ

طلوع اسلام رسول اللہ کا منکر ہے! قائدہ کی بات ہے کہ ہر شکست خوردہ گالیوں پر اُترتا ہے۔ مولویت کی زبان میں یہ بھی گالی ہے۔ اگر اس سے ان کا فتنہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو وہ اور گالیاں دے لئے اور نہ کوئی ان سے پوچھے کہ جس طلوع اسلام کا ایمان یہ ہو کہ کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ رسالتِ محمدیہ پر ایمان نہ لائے اور کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا اگر وہ رسول خدا کے بعد کسی اور کو رسول تسلیم کرے۔ اسے رسول اللہ کا منکر کہنا بڑا جھوٹ ہے کہتے ہیں کہ طلوع اسلام سنتِ رسول اللہ کا منکر ہے۔ طلوع اسلام کا ایمان یہ ہے کہ رسول اللہ نے قرآن کی اتباع فرمائی لہذا قرآن کی اتباع ہی رسول اللہ کی سنت ہے۔ رسول اللہ نے امت کو قرآن دیا لہذا قرآن سے متمسک رہنا ہی رسول اللہ کے حکم کی تعمیل ہے۔ طلوع اسلام رسول اللہ کے لئے ہوئے دین کا منکر نہیں۔ وہ منکر ہے اُس مذہب کا جو ہمارے دینِ ملوکیت میں

تیار ہوا اور جو غلط روایات کے مقدس غلافوں میں لپیٹ کر منسوب کر دیا گیا جناب نبی اکرمؐ کی ذات گرامی کی طرف بطور اسلام اس مذہب کا منکر ہے اس لئے کہ اس مذہب کی رُو سے رسول اللہ کے دیئے ہوئے دین کی جبر کشتی سے پیشوائیت اسی مذہب کو سچا دین بتاتی ہے، اس لئے کہ اس مذہب میں ان کی اپنی سیادت و امامت کا راز مضمر ہے۔

ذرا سوچئے کہ آج ہم کس نازک دور میں پہنچ چکے ہیں۔

نازک دور

تیرہ سو سال کے بعد ہمیں پھر ایک خطہ زمین ایسا نصیب ہوا ہے جس پر ابھی کوئی نظام مسلط نہیں ہوا۔ پھر سوچئے! تیرہ سو سال کے بعد یہ پہلا موقع آیا ہے کہ مسلمانوں کے سامنے یہ سوال درپیش ہے کہ وہ اپنے لئے کس قسم کا نظام مرتب کرنا چاہتے ہیں! سوچئے کہ ہم تاریخ کے کس دور میں پہنچے ہیں ایک طرف وہ راستہ ہے جو ہمیں اس تجربہ کی طرف لے جاتا ہے جو محمد رسول اللہ کی وساطت سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے عمل میں آیا جس نے دنیا کے سامنے خدائی نظام کو مشکل کر کے دکھا دیا۔ دوسری طرف وہ راہ ہے جو ہمیں اُس نظام کی طرف لے جاتی ہے جو ہمارے دورِ مِلوکیت میں وضع کیا گیا۔ رجعت پسندانہ قوتیں (REACTIONARY FORCES) پھر سے اس نظام کو مسلط کرنے کی فکر میں ہیں جو ہمارے دورِ استبداد کی یادگار ہے اور جو آج بھی مسلمانوں کے دوسرے ممالک میں رائج ہے اگر یہ نظام رائج ہو گیا تو پاکستان بھی ویسا ہی ملک ہو جائے گا جیسے مسلمانوں کے دیگر ملک مثل افغانستان، عراق، ایران، عرب ہیں لیکن اگر یہاں قرآن کا نظام نافذ ہو گیا تو پاکستان نہ صرف خود ہی زندگی کی خوشگوازیوں سے بہرہ یاب ہو جائے گا بلکہ پوری دنیا کی امامت اس کے حصہ میں آجائے گی! آج دنیا اپنے ہر

نظام سے تنگ اگر نژدہ کر دیکھتی ہے کہ کوئی نظام ایسا بھی ہے جو انسانیت کو تباہی اور بربادی سے بچائے یوں صرف روٹی کے مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے۔ بایں ہمہ دنیا اٹھ اٹھ کر اُس کی طرف دیکھ رہی ہے اگر آج دنیا کو کوئی ایسا نظام دیدے جو انسان کی روٹی کا مسئلہ بھی حل کر دے اور اس کے ساتھ ہی اس کے شرفِ انسانیت کو بھی بالیدگی عطا کر دے تو ساری دنیا اُس کی طرف جھک پڑے گی۔ اس لئے کہ روس کے پاس شرفِ انسانیت کی نشو و ارتقا کا کوئی سامان نہیں۔

قرآنی نظام | وہ شرفِ انسانیت کے الفاظ تک سے نا آشنا ہے وہ انسان کو صرف حیوان کی سطح پر دیکھتا ہے۔ لیکن انسانی شکلات کا حل دنیا کی جمہوریوں کے

پاس بھی تو نہیں ہے وہ بھی تو انسان کو اس کی طبعی سطح (PHYSICAL STATUS) سے اُونچا نہیں لے جاتیں۔ اس لئے اگر پاکستان نے تازہ رخ کے اس نازک موڑ پر صحیح راہ کی طرف قدم اٹھایا تو یہ صرف ملتِ پاکستانیہ ہی کے لئے وجہ مشاواہی ہوگا، بلکہ یہ ساری انسانیت پر احسان ہو گیا اور رکھتے رکھتے اُٹھانے اپنے اس آخری ضابطہ کا وارث مسلمانوں کو بنایا تھا اُس نے انہیں امتِ

وسطی (INTERNATIONAL PARTY) قرار دیا تھا جس کا فریضہ یہ بتایا تھا کہ لَبَّكُؤْا شَہَدَہُ اَلْعَلٰی النَّاسِ تاکہ وہ تمام نوعِ انسانی کے اعمال پر نگاہ رکھے انہوں نے وارثِ کتاب ہونے کے باوجود اس فریضہ کی ادائیگی سے کوتاہی برتی اس لئے اس تیسرے

سال میں تمام نوعِ انسانی سے جس قدر جرائمِ انسانیت کے خلاف سرزد ہوئے ہیں ان سب کی ذمہ داری مسلمانوں کے سر پر عائد ہوتی ہے اگرچہ کھیار کی موجودگی میں چوری ہو جاتی ہے تو سب سے پہلے چوکیدار پکڑا جاتا ہے انہی جرائم کی سزا ہے جس میں یہ قوم اس وقت تک ماخوذ چلی آ رہی ہے جہاں اپنی حکومت نہیں وہاں غیروں کی غلامی اور جہاں اپنی حکومتیں ہیں وہاں ملوکیت اور پیشوائیت کا استبداد اس سے بڑھ کر اور سزا کیا ہو سکتی ہے۔ اب خدا خدا کر کے ایک موقع

سامنے آیا ہے کہ اگر یہ قوم چاہے تو اپنے جرائم کا کفارہ ادا کر کے خود بھی سر بندی و سرفرازی کی زندگی بسر کرے اور نوع انسانی کو بھی سلامتی کے راستہ کی طرف لے جائے۔ لیکن اگر اس نے ایسا نہ کیا تو مسلمانوں کے دوسرے ممالک کی طرح یہ بھی مغربی اقوام کے سیاسی مصالح کے جھم و کرم پر زندہ رہے گی۔ اس صورت میں یا تو کمیونزم کا لادینی فلسفہ اسے جھپٹ کر لے جائے گا اور یا یورپ کا دوسرا محاذ اسے اپنی کاجوٹیوں کا آلہ کار بنائے رکھے گا۔ پاکستان میں ملکیت اور پیشوائیت کے ازم نہ وسطی کے مستبد نظام کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔



آہنی ڈکٹیٹر شپ ۲

(اگست - ستمبر ۱۹۵۲ء)

یوں تو

تاریخِ اُمّ کا یہ پیام ازلی ہے صاحبِ نظراں! نشہِ موت ہے خطرناک! لیکن تاریخ ہی ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ جب زمامِ اختیار ان لوگوں کے ہاتھ میں آجائے جو خدا کے نام (مذہب) کو اپنی ہوسِ اقتدار کا آلہ کار بنائیں تو یہ ادوارِ تاریخِ انسانیت میں سب سے زیادہ وحشت انگیز اور انسانیت گُشت ہوتے ہیں۔ اس وقت ہر گمراہِ خون آشام، بے رحم معصوم کی کھال اور بھکرے سامنے آتا ہے اور براہِ بیسِ خدائی فوجدار ہونے کا مدعی ہوتا ہے جبر و قہرِ مانتیت کے اس اندازِ سیاست میں جیسے مذہبی پیشواؤں (PRIESTS) کا گروہ حکومتِ الہیہ (THEOCRACY) کے مقدس نام سے لوگوں پر مسلط کرتا ہے خدا کے نام پر ہر وہ ظلم و استبداد روا رکھا جاتا ہے جس سے خود ظلم شرمائے اور استبداد کی آنکھوں میں حیا آجائے۔ اہلِ پاکستان کی بدبختی سے آج ان فتوحاتِ چھیننے والے ہوس کاروں میں ایک گمراہ وہ ہے جو اپنے حصولِ مقصد کیلئے مذہب کو آلہ کار بنارہا ہے۔ یہی ہے وہ سب سے زیادہ خطرناک گمراہ جس کی طرف ادھر اشارہ کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کی داستان بڑی دلچسپ و اور معیارِ انسانیت کے مطابق بڑی افسوسناک

ہے۔ ملک کی دوسری پارٹیاں جو حصول اقتدار کے لئے باہم گروست و گریباں ہیں، ان کی پھر بھی یہ کیفیت ہے کہ وہ حصول پاکستان کی تحریک کے ہم نوا تھے اور اس مقصد کے لئے اس زمانہ میں جو کوششیں بھی ہو رہی تھیں، ان میں مسلم لیگ کا ساتھ دیتے تھے لیکن مذہب کے نام پر زہم اقتدار حاصل کرنے والے مقتدین کے اس طائفہ کا ماضی یہ ہے کہ تحریک پاکستان کے زمانہ میں یہ جماعت پاکستان کی بدترین دشمن تھی۔ اور چونکہ ان کا اُس وقت بھی یہ دعویٰ تھا جیسا کہ آج دعویٰ ہے، کہ کسی ملک سے ان کی موافقت یا مخالفت ذاتی رجحانات کی بناء پر نہیں بلکہ از روئے شریعت ہوتی ہے اس لئے یہ حضرات اُس وقت تحریک پاکستان کو شریعت کے خلاف قرار دیتے تھے اور مسلمانوں کو اس نہ پر ملے صلیب سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے لیکن پاکستان بن جانے کے بعد ان حضرات کی شریعت حق تھے یہ فتویٰ دیدیا کہ اس مملکت کی حکومت کی کرسیوں پر متمکن ہونے کی کوشش عین جہاد ہے۔ مومن کا مقام تو خیر بہت بلند ہے۔ آپ غور کیجئے کہ کیا دنیا میں کوئی انسان جس کے دل میں اصول پرستی کا خدا سا بھی خیال ہو اس قسم کی سنگ انسانیت ردش اختیار کر سکتا ہے ان سے توحسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، احمد سعید، حفظ الرحمن جیسے لوگ ہزار درجے اچھے ہیں کہ اگر پاکستان کی مخالفت کی تھی تو پھر پاکستان کی طرف رخ نہیں کیا، اس قسم کا مسلک صرف موقع پرستوں (OPPORTUNISTS) کا ہو سکتا ہے جسے قرآن کی اصطلاح میں منافقت کہا جاتا ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں ہزاروں دلاکھوں کی تعداد میں وہ مسلمان موجود ہیں جو تحریک پاکستان کے زمانہ میں نیشنلسٹ تھے۔ ان سے متعلق کیا کہا جائے گا! سوائے ان کے متعلق بھی یہی کہیں گے کہ کریکڑ کا تقاضا یہی تھا کہ یہ لوگ بھی ہندوستان ہی میں رہتے لیکن

اگر وہاں حالات ایسے پیدا ہو چکے تھے جن کی ٹوٹ سے وہاں سے جان بچا کر بھاگ آنا ضروری ہو گیا تھا تو یہ لوگ یہاں پاکستان کے شہریوں کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں اگر ان کا اب بھی یقین (CONCEPTION) وہی ہے جو تحریک پاکستان کے زمانہ میں تھا تو ان کی مثال پاکستان میں بسنے والی اقلیتوں کی سی ہوگی لیکن اگر اب ان کا وہ یقین بدل چکا ہے تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہایت دیانت داری سے اس امر کا اعلان کریں اس کے بعد ان کی مثال فتح مکہ کے بعد کے مسلمانوں کی سی ہو جائے گی۔

لیکن اسلامی جمہوریت کی پوزیشن مذکورہ صدر نشینوں سے مختلف ہے ان لوگوں کا محض اندرون سیاست ملکی یہ خیال تھا کہ مسلمانوں کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر متحدہ حکومت قائم کریں برعکس اس کے اسلامی جماعت کا دعویٰ یہ تھا کہ تحریک پاکستان اسلام کی ٹوٹ سے منافی اور شریعت کے خلاف ہے۔

حالات بدل چکے ہیں | کہا جاسکتا ہے کہ حالات کے بدل جانے سے شریعت کا فیصلہ بدل سکتا ہے لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ حالات میں وہ کون سی تبدیلی واقع ہوئی ہے جس کی بنا پر شریعت کا فیصلہ بدل گیا۔ پاکستان بننے کے بعد بھی یہاں وہی مسلمان بستے ہیں جو پاکستان کا مطالبہ کرتے تھے اور جنہیں یہ حضرات "پیدائشی مسلمان" کہہ کر اصل مسلمانوں کے حلقے سے خارج کر دیتے تھے، اور وہی حکومت ہے جس کے قیام کے لئے پاکستان کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ جب یہ دونوں صورتیں اپنی جگہ پر قائم ہیں تو پھر شریعت کا فیصلہ کس طرح بدل گیا۔

ان حضرات کی طرف سے کہا یہ جاتا ہے کہ مملکت پاکستان قرار داد پاکستان کے پاس کرنے سے "مسلمان ہو گئی ہے" اس لئے اس تبدیلی کی بنا پر شریعت کا فیصلہ بدل گیا ہے۔

قرار داد مقاصد میں صرف اس امر کا اعلان ہے کہ مسلمانانِ پاکستان اپنا آئین کتاب و سنت کے مطابق مرتب کریں گے۔ سوال یہ ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران میں مسلمانوں نے کب کہا تھا کہ اگر ہماری حکومت قائم ہو گئی تو اس کا آئین منو سمرتی کے مطابق بنایا جائے گا جو اس وقت پاکستان کی تائید کفر تھی اور اب وہ عین اسلام ہو گئی۔ تحریک پاکستان کی تو بنیاد ہی اس دعوے پر تھی کہ مسلمان اپنا جدا تمدن، جدا تہذیب، جدا معاشرت، جدا اقتصاد زندگی رکھتے ہیں اس لئے یہ اپنی جدا حکومت چاہتے ہیں جس میں اپنی زندگیوں کو اپنے مخصوص تصور کے مطابق ڈھال سکیں۔ اس حقیقت کو بار بار دہرایا جاتا تھا حتیٰ کہ جب نیشنلسٹ علماء یہ کہتے کہ متحدہ حکومت میں مسلمانوں کا پرسنل لاء (شخصی قانون) مذہب کے مطابق ہوگا، تو اس کے جواب میں کہا جاتا تھا کہ مسلمانوں کا مذہب پرسنل لاء تک ہی محدود نہیں اس کا دائرہ زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہے اس لئے انہیں مذہبی آزادی صرف اپنی حکومت میں حاصل ہو سکتی ہے۔ فرمایئے کہ ان اعلانات میں اور قرار داد مقاصد میں مفہوم کے اعتبار سے فرق کیا ہے، کہ اول الذکر کفر تھا اور ثانی الذکر عین اسلام بن گیا۔

اُس وقت اسلامی جماعت کا دعویٰ یہ تھا کہ اسلام کا مقصد پیدائشی مسلمانوں کو
تب اور اب | کو اصلی مسلمان بنانا ہے نہ کہ پیدائشی مسلمانوں کی حکومت قائم کرنا۔
 اس لئے ہم پیدائشی مسلمانوں کو اصلی مسلمانوں میں تبدیل کرنے کی فکر میں ہیں اور یہی اسلام کا مقصد ہے۔ ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ پیدائشی مسلمان اپنی حکومت قائم کرتے ہیں یا محکوم رہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان دونوں صورتوں میں کچھ بھی فرق نہیں حتیٰ کہ ہمارے نزدیک پیدائشی مسلمانوں کا مسلمان رہنا یا نہ رہنا بھی برابر ہے۔ آج وہی پیدائشی مسلمان ہیں اور وہی ان کی حکومت، لیکن آج ان علم بردارانِ شریعت حق کے نزدیک سب سے مقدم مسئلہ

اس حکومت کی گڑبڑوں پر متمکن ہونا ہے۔

اصل یہ ہے کہ جمہور کا حافظہ (PUBLIC MEMORY) اس قدر کمزور ہوتا ہے کہ انہیں یاد ہی نہیں رہتا کہ جو شخص ہم سے آج یہ کچھ کہہ رہا ہے وہ کل کیا کہہ رہا تھا۔ یہ حضرات عوام کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے ماضی اور حال میں اس قدر تضاد ہو اور جو آج کچھ کہتے ہوں اور کل کچھ مدہ کہیں چار آدمیوں کے سامنے کھڑے ہو سکنے کے بھی قابل ہیں؟

اب دیکھئے کہ ان لوگوں کی تکنیک کیا ہے؟ مسلمانوں کی کیفیت یہ ہے (اور یہ کیفیت ہر اُس قوم کی ہو جاتی ہے جس نے سوچنا چھوڑ دیا ہو) کہ ان کے ہاں کچھ الفاظ وراثتاً (نسلاً بعد نسل) چلے آتے ہیں جو ان کے نزدیک بالکل غیر شعوری طور پر بہت محبوب اور واجب الاحترام ہیں انہوں نے کبھی نہیں سوچا کہ ان الفاظ کا مفہوم کیا ہے اور ہم انہیں کیوں محبوب سمجھتے ہیں؟ خدا پرستی، نیک علی، ثواب، تقویٰ، ترکِ نفوس، روحانی ترقی وغیرہ اسی قسم کے الفاظ ہیں۔ انہی الفاظ میں شریعت بھی شامل ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ مسلمانوں کو یہ الفاظ غیر شعوری طور پر اچھے لگتے ہیں۔ اور جس گوشے سے ان الفاظ کی آواز کان میں پڑتی ہے کوہِ بلا ارادہ اس طرف کھینچے چلے جاتے ہیں۔ سوچنے والی قوموں کی یہی روش ہوتی ہے جس کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ وہ جن چیزوں کو دل کی گہرائیوں میں جگہ دینے ہوئے ہیں، وہ بجز اس نیست کہ اَسْمَاءُ نَمِیْتُوْنَهَا اَنْفُسًا وَاَبَادُکُمْ دَکْجَہِ الْفَاظِ ہیں جنہیں تمہارے آباد و اجداد نے اختیار کر رکھا ہے، مسلمانوں کی یہی نفسیاتی کیفیت ہے جس سے مفاد پرست گروہ ہمیشہ فائدہ اٹھاتے چلے آ رہے ہیں وہ ان الفاظ کو بطور سلوگن (SLOGAN) پیش دیتے ہیں اور اس کے بعد عوام بلا سوچے

سمجھے ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور اسے نہایت نیک نیتی سے ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔ مسلمانانِ ہندو پاکستان کی گزشتہ پچاس سالہ اجتماعی زندگی پر ترقی ہوئی نگاہ ڈالئے اور پھر دیکھئے کہ اس قسم کی نعرہ بازیوں نے انہیں کس طرح اپنے پیچھے لگا کر تباہ و برباد کیا۔ یہی کچھ ان کے ساتھ آج اسلامی جماعت کر رہی ہے۔ ان کا سلوگن یہ ہے کہ پاکستان کا آئین شریعت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ نعم حکومت خدا کے صالح بندوں کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے، عوام کو کچھ معلوم نہیں کہ شریعت کسے کہتے ہیں اور صالح بندوں سے مفہوم کیا ہے؟ یہ

سلوگن الفاظ انہیں غیر شعوری طور پر محبوب ہیں اس لئے وہ ان کی طرف بلا ارادہ کھینچے چلے آ رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک بات اور بھی ہے جس سے ان لوگوں نے فائدہ اٹھا لیا۔ موجودہ برسرِ اقتدار طبقہ بالعموم ان لوگوں پر مشتمل ہے جو ڈاڑھیاں منڈاتے، سر پر انگریزی بال رکھتے اور سوٹ پہنتے ہیں۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو کلبوں میں جلتے ہیں، شراب سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔ علاوہ بریں ان کی بیویاں بے پردہ پھرتی ہیں ان حضرات نے عوام کے سامنے ان لوگوں کی تصویر پیش کر کے کہنا شروع کر دیا کہ یہ ہیں وہ لوگ جو شریعتِ حقہ کی تضحیک کرنے ہیں ان کے برعکس ہمیں دیکھئے کہ ہماری ڈاڑھیاں بھی ہیں اور سر پر پٹے بھی۔ ہمارے پانچا سے ٹخنوں سے اونچے ہیں اور ہماری بیویاں پردہ بھی کرتی ہیں (اب کہو کہ خدا کے صالح بندے یہ لوگ ہیں یا ہم عوام کے لئے صالحیت اور غیر صالحیت کا یہ معیار کافی تھا اس لئے وہ ان کے پیچھے ہوئے۔

لے داخل رہے کہ خود امیر جماعت اسلامی (سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی) نے اس جماعت سازی کے وقت ڈاڑھی رکھی تھی اور سر کے بال بھی ٹخوں میں تبدیل کر لئے تھے۔ ورنہ اس سے پہلے وہ SHAVE کرتے تھے اور سر پر بال بھی انگریزی وضع کے تھے۔

عوام کو ساتھ رکھا جائے | اب ایک قدم اور آگے بڑھیے۔ مغربی جمہوریت کی تکنیک یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح عوام کی اکثریت کو اپنے ساتھ رکھا جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ عوام سے مبہم الفاظ میں باتیں کی جائیں، اس لئے کہ جب تک الفاظ میں ابہام رہے گا، انہیں مختلف معنی پہنائے جاسکیں گے اور اس طرح زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنے ساتھ رکھا جاسکے گا۔ اگر بات واضح اور متعین الفاظ میں کی جائے تو صرف وہی گروہ ساتھ رہ سکے گا جو اس متعین مسلک میں آپ کا ہم نوا ہوگا۔ اس تکنیک کے پیش نظر اسلامی جماعت نے اپنے مطالبہ کو ہمیشہ مبہم رکھا ہے اس کے الفاظ کا مفہیم متعین نہیں کیا۔ مطالبہ یہ ہے کہ پاکستان کا آئین شریعت کے مطابق ہونا چاہیے۔ انہوں نے (باوجود تقاضوں کے) آج تک یہ نہیں بتایا کہ شریعت سے ان کا مفہوم کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ خوب جانتے ہیں کہ شریعت کا کوئی سا مفہوم بھی متعین کیا جائے ان کے ساتھیوں کا ایک نہ ایک طبقہ ان کا ساتھ چھوڑ کر مخالفت شروع کر دے گا اس لئے ان کی مصلحت بینی کا تقاضا یہی ہے کہ اس لفظ کو غیر متعین رہنے دیا جائے تاکہ سادہ لوح مسلمانوں کی اکثریت کو اپنے ساتھ رکھا جائے۔

ماڈرن مقلد طبقہ | اکثریت کو اپنے ساتھ رکھنے کے لئے انہوں نے ایک اور تکنیک بھی اختیار کر رکھی ہے۔ ہمارے ہاں ایک طبقہ تو کچھ عوام کا ہے جو اندھی تقلید کے بہاؤ میں بہے چلا جاتا ہے ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اگرچہ تعلیم یافتہ کہلاتا ہے لیکن ابتدائی تعلیم و تربیت و ماحول کے اثرات اور اپنی فکری صلاحیتوں کے فقدان کے باعث مذہب کے معاملے میں بالکل عوام جیسا ہے یہ وہ طبقہ ہے جس کا ظاہر ماڈرن ہے لیکن باطن اس دقیانوسی ملائیت کا حامل۔ یہی وہ طبقہ تھا جو آج سے کچھ عرصہ پہلے

مزائیت کے دام ترور میں گرفتار ہوا کیونکہ انہوں نے بھی ان کے دونوں پہلوؤں کی تسکین کا سامان فراہم کیا تھا۔ اب وہی انداز اسلامی جماعت نے اختیار کر رکھا ہے یہ جماعت دقیانوسی ملائیت کا پیکر ہے لیکن انہوں نے اسلوب نگارش (FORM OF EXPRESSION) اور طریق استدلال ماڈرن رنگ کا اختیار کر رکھا ہے چونکہ یہ طریق پہلے مولویانہ طریق سے مختلف ہے اس لئے یہ لوگ دھنض اسلوب بیان اور طریق استدلال کے فرق کی بناء پر ایہ خیال (IMPRESSION) عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا پیش کردہ مذہب ملائیت سے مختلف ہے اس سے وہ تعلیم یافتہ طبقہ (یعنی سوٹ پہننے والا ملا) ان کا ہم نوا ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے ان کی ظاہر ماڈرن ازم بھی قائم رہ جاتی ہے اور قلبی ملائیت کی بھی تسکین ہو جاتی ہے اس جماعت کی خوش قسمتی سے بعض مولویوں کی طرف سے ان کی مخالفت بھی ہو گئی ہے۔ یہ لوگ اس سے بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں اور یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ دیکھ لو ہم ملا نہیں ہیں۔ یہ بھی بہت بڑا دھوکا ہے جو ان لوگوں کی طرف سے دیا جا رہا ہے آپ ان سے کہیے کہ یہ واضح الفاظ میں بتائیں کہ وہ کون کون سے امور ہیں جن میں یہ دیگر علماء سے اختلاف رکھتے ہیں بات صاف ہو جائے گی!

اب یہ دیکھئے کہ ان لوگوں نے اپنے قیام کے لئے سہارا کون سا کپڑا ہے اس دور میں قرآنی تعلیم کے بہت سے گوشے بڑی سرعت سے آشکارا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ملوکیت بڑی تیزی سے ختم ہو رہی ہے۔ پیشوائیت کا جنازہ نکل رہا ہے نسل پرستی کا تصور صوم

نہ مولویوں میں شروع سے باہر گنہ گشت چلی آرہی ہے مقلد اور غیر مقلد اور شافعی وغیرہ کی باہمی مخالفتیں کسی سے چھپی ہوئی نہیں۔ اس قسم کی کچھ اصطلاحی سی چیزیں ہیں مثلاً فقہ میں اجتہاد یا روایات پر کھنے کا معیار جسکی بند پر بعض ملامودودی صاحب کی مخالفت کرتے ہیں کیا اس قسم کی مخالفت سے ایک ملا ملا نہیں رہتا کیا مقلد مقلد سے کچھ اور ہو جاتا ہے۔

ہوتا جا رہا ہے جغرافیائی حدود کی جگہ عالمگیر انسانی برادری کا خیال اُنق سے ابھر رہا ہے اس کے ساتھ ہی سرمایہ داری کی لعنت بھی مٹتی چلی جا رہی ہے۔ زمینداری اور جاگیر داری سرمایہ داری کے قدیم ادارے ہیں انہیں بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے ان لوگوں کو اپنا مستقبل سخت خطرہ میں دکھائی دے رہا ہے اس لئے اگر انہیں کسی طرف سے تائید کی ذرا سی اُمید بھی نظر آئے تو یاس گوشے کی طرف لپک کر جاتے ہیں۔ اسلامی جماعت نے ان لوگوں کی اس کس مہم پر سی اور احتیاج تائید کی کیفیت کو بھانپا اور زمینداری

زمینداری کی تائید

کی تائید شروع کر دی چونکہ ہماری روایات کے مجموعے ہمارے دور ملکیت میں وضع ہوئے تھے اس لئے ان میں مفاد پرستی اور سرمایہ داری کی تائید میں بہت کچھ مل سکتا ہے چنانچہ انہی روایات کی بنا پر اس حمایت نے زمینداری کے مسئلہ (CASE) کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ اسلام میں زمین کی انفرادی ملکیت پر کوئی حد نہیں باغریٰ جاسکتی۔ اس لئے زمینداری عین شریعت کے مطابق ہے، اسی طرح سرمایہ داری بھی یہی ہے وہ ”ارضی“ سپہا جس پر یہ آسمانی“ تحریک قائم ہے۔

پروپیگنڈا اس جماعت کا خاص فن ہے۔ گزشتہ انتخابات میں ناکام رہنے کے بعد انہیں پھر پروپیگنڈا کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ان کے پاس کوئی پروگرام نہیں اپنی مفاد پرستی کے علاوہ کوئی نصب العین نہیں اس لئے پروپیگنڈا کے لئے نئے حربے کہاں سے آئیں چنانچہ انہوں نے پھر سے اسی پرانے سلوگن کو دہرانا شروع کر دیا ہے کہ پاکستان کا آئین شریعت کے مطابق ہونا چاہیے۔ اب پھر مسجد میں اس کے لئے جلسے منعقد کئے جا رہے ہیں

لے دیکھئے رسالہ ملکیت زمین، اذ ستید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی اسی قسم کی ”شریعت“ میرزا بشیر الدین احمد صاحب نے بھی اپنی کتاب میں پیش کی ہے۔

پھر وہی سلوگن

اور اس سلوگن پر مشتمل ریزولوشن پاس کر کے حکومت کے پاس بھیجے جا رہے ہیں اب ذرا اس مہم کی حقیقت پر غور کیجئے حکومت کی پاس کردہ قرارداد مقاصد میں یہ اصول موجود ہے کہ پاکستان کا آئین کتاب و سنت کے مطابق ہوگا۔ خود اسلامی جماعت کے نزدیک اس قرارداد کی اہمیت اس قدر تھی کہ انہوں نے کہا تھا کہ اس قرارداد کے منظور کرنے سے مملکت پاکستان مسلمان ہو گئی ہے یہ قرارداد ابھی تک اپنی اصل شکل میں موجود ہے نہ اس میں کوئی ترمیم و تسیخ ہوئی ہے نہ رد و بدل اس قرارداد کو بنیاد تسلیم کر کے حکومت تدوین آئین کے کام میں مصروف ہے ان حالات میں یہ ایجنٹیشن شروع کرنا کہ حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ پاکستان کا آئین شریعت کے مطابق ہونا چاہیے، بے معنی غوغا آرائی نہیں توادر کیا ہے؟ یہ مطالبہ تو پھر بھی قابل فہم ہو سکتا تھا کہ آئین سازی کا کام جلد ہی ختم کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس پروپگنڈے سے جماعت کا مقصود اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ لوگوں پر ظاہر کیا جائے کہ شریعت کے مطابق آئین سازی کا خیال صرف اسی جماعت کو ہے اس کے بعد اگر آئین ان کی مرضی کے مطابق بن جائے تو پھر ڈھنڈورا پیٹا جائے کہ یہ سب اسلامی جماعت کی کوششوں کا نتیجہ ہے جس طرح انہوں نے اس سے پیشتر ڈھنڈورا پیٹا تھا کہ قرارداد مقاصد انہی کی جدوجہد کا نتیجہ ہے ان کی نیت کا اس سے پتا چلتا ہے کہ انہوں نے اپنے آٹھ نکاتی اشتہارات میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ حکومت کی پاس کردہ قرارداد مقاصد میں یہ چیز موجود ہے کہ پاکستان کا آئین کتاب و سنت کے مطابق ہوگا۔

شرعی نظام

اب یہ دیکھئے کہ اس مطالبہ کی ترمیم ہے کیا؟ ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ (۱) شریعت صرف قرآن سے مرتب نہیں ہوتی، قرآن مجمل بھی ہے اور ہیکمل بھی۔ اس کے اجمال کی تفصیل اور اس کی ناطماہی کی تکمیل سنت سے ہوتی ہے۔

سنت سے مراد ہیں روایات کے مجموعے۔

(ب) روایات کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں غلط بھی ہیں اور صحیح بھی۔
(ج) غلط اور صحیح روایات پر کھنے کا معیار یہ ہے کہ جس روایت کے متعلق مزاج شناس رسول، یہ کہہ دے کہ وہ صحیح ہے اسے صحیح تسلیم کیا جائے جس کے متعلق وہ کہہ دے کہ غلط ہے اسے غلط مانا جائے۔

(د) جس مسئلہ کے متعلق کوئی روایت نہ مل سکے اس کے لئے بھی مزاج شناس رسول کہہ سکتا ہے کہ اگر اس وقت رسول اللہ موجود ہوتے تو وہ کیا فیصلہ دیتے؟

آپ نے غور فرمایا کہ ان عقائد کی رو سے شریعت سمٹ سکتا کہہاں
پہنچ جاتی ہے شریعت محصور ہو جاتی ہے۔ مزاج شناس رسول کے
فیصلوں میں اسے اپنے فیصلوں کی تائید میں نہ کسی سند کی ضرورت ہے نہ مشورے کی،
نہ دلیل کی حاجت ہے نہ شہادت کی۔ آخری فیصلہ ٹھہرتا ہے اس کی نگاہ پر کیونکہ اس کی
نگاہ میں وہ بصیرت ہوتی ہے جو یہ کہہ سکے کہ اس مقام پر رسول اللہ کا فیصلہ کیا ہو سکتا تھا؟
وہ اپنی رائے کو رسول اللہ کے حکم کی حیثیت سے پیش کرتا ہے اور اسی حیثیت سے اسے
منواتا ہے۔ جو اس سے اختلاف کرتا ہے وہ رسول اللہ کے حکم سے اختلاف کرتا ہے۔
اور چونکہ رسول اللہ کا حکم خدا کا حکم ہے اس لئے اس مزاج شناس رسول، کا حکم دراصل خدا
کا حکم قرار پاتا ہے، یہ ہیں وہ خدائی اختیارات جو یہ مزاج شناس رسول، اپنی ذات میں

نہ آپ نے غور فرمایا کہ یہ حضرت امادیش کی اطاعت پر تازہ ور کیوں دیتے ہیں؟ اس لئے کہ احادیث
کی اطاعت سے مقصود ہوتا ہے خود ان لوگوں کے فیصلوں کی اطاعت۔ اس طرح یہ لوگ رسول اللہ
کے نام کی سپر میں اپنی ہوس اقتدار کی تسکین چاہتے ہیں۔

حکایت قدس یار دلنواز کنم بایں بہانہ مگر غرور خدا ز کنم

سمیٹ لیتا ہے اور اس طرح خود خدا بن کر مخلوق خدا پر حکومت کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی ڈکٹیٹر شپ ہے جس کی مثال دنیا کے مستبد ترین آہنی ڈکٹیٹروں کے ہاں بھی نہیں ملے گی۔ یہ ہے ”وہ حکومت الہیہ“ (THEOCRACY) کی مطلق العنان آمریت جسے مقدسین کا یہ طائفہ اُمت پر مسلط کرنا چاہتا ہے۔ ان کے اس استبداد کی زد کہاں تک ہوگی اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ان لوگوں کی طرف سے ابھی سے یہ اعلانات شروع ہوئے ہیں کہ اسلام میں مُرتد کی سزا قتل ہے اور مُرتد سے مراد وہی شخص نہیں جو اسلام چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لے، بلکہ ”شریعت“ کی رو سے ہر وہ شخص مُرتد ہے جو اسلام کے مسلمہ عقائد سے اختلاف رکھے اور عقائد وہی مسلمہ ہو سکتے ہیں جن کی صحت کی تصدیق ان حضرات کی طرف سے ہو یا ان سے ذرا اختلاف ہو اور آپ مرتد قرار پائے اس کے بعد آپ کا انجام ظاہر ہے یعنی جن اختلافات کی بناء پر آج یہ حضرات (اختیارات نہ ہونے کی وجہ سے) صرف گالیوں تک اکتفا کرتے ہیں اختیارات حاصل ہونے کے بعد انہی اختلافات کی بناء پر ان کے مخالفین کو حوالہ دیا دین کیا جائے گا اور چونکہ یہ سب کچھ کیا جائے گا خدا کا نام بلند کرنے کے لئے اس لئے جو شخص ان کے استبداد کے خلاف لب کشائی کرے گا اس کا مقام بھی پھانسی کا تختہ ہو گا۔ آپ دنیا نے مذہب کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے اور یہ دیکھئے کہ جس زمانہ میں زمام اقتدار مذہبی ملاؤں کے ہاتھ میں آئی ہے، انسانیت پر کیا گزری ہے؟ خود مسلمانوں

لے اس کی تفصیل طلوع اسلام ٹرسٹ کی طرف سے شائع کردہ کتاب ”قتل مُرتد، غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت“ میں دیکھئے۔

کی تاریخ میں ایسے زمانے گزر چکے ہیں جب ہر شخص کو اپنی جیب میں صحت عقائد کا سرٹیفکیٹ رکھنا پڑتا تھا جس کے پاس ایسا سرٹیفکیٹ نہ ہوا سے ہر وقت اپنی جان کا خوف رہتا تھا۔ کیونکہ ارتداد کے جرم میں اس کا خون مباح ہوتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر خون ناحق نہ ہی پیشواؤں کے خود ساختہ خدا کے نام پر بہایا گیا ہے، شیطان کے حصے میں اس کا عشرِ عشر بھی نہیں آیا ہوگا۔ آج بھی جن اسلامی ممالک میں شریعت کا نفاذ ہے، وہاں دیکھئے کہ شخصی استبداد کی گرفت کس قدر آہنی ہے۔ دیاں ملوکیت اسی شریعت کے سانے میں پروان چڑھتی ہے اور ہر ظلم خدا کے نام پر روا رکھا ہے۔ اسی کی کوشش آج پاکستان میں ہو رہی ہے اس وقت یہ لوگ شریعت کے نام پر اپنی قوت مجتمع کر رہے ہیں اور سادہ لوح مسلمان کو کچھ معلوم نہیں کہ اس دام ہمزنگ زمین کے نیچے کیسا ہے؟ جب انہوں نے اس طرح قوت فراہم کر لی تو اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ یہاں جو آئین بھی مرتب ہوا اس کے متعلق یہ لوگ اعلان کر دیں گے کہ یہ شریعت کے مطابق نہیں، شریعت کے مطابق صرف وہ آئین ہو سکتا ہے جسے مزاج شناسِ رسول کی تصویب حاصل ہو اس طرح یہ کوشش کریں گے کہ ان کا مرتب کردہ آئین ملک میں نافذ ہو۔ آئین کسی جامد شے کا نام نہیں کہ ایک دفعہ مرتب ہو چکنے کے بعد قصہ ختم ہو۔

آئین چند بنیادی اصولوں پر مشتمل ہوتا ہے جن کی تعبیرات INTERPRETATIONS

اور جزئیات کی ترتیب کا کام متعلقاً جاری رہتا ہے ظاہر ہے کہ یہ کام انہی کے سپرد ہو سکے گا جو آئین کی تدوین کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ ہے وہ طریق کار جس سے یہ لوگ یہاں اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتے ہیں آپ خود سوچ لیجئے کہ اگر (خدا نکرہ) یہ لوگ اپنے عزائم میں کامیاب ہو گئے۔ تو پاکستان کا شرم کیا ہوگا؟ یہ دوسرا افغانستان بن جائیگا۔

یہ ہیں وہ وجوہات جن کی بنا پر طلوعِ اسلام ان حضرات کی مقدس نقابوں میں چھپی ہوئی
 اقتدار پرستیوں کی مخالفت کرتا ہے اور یہ ہے وہ مخالفت جس کی وجہ سے یہ لوگ
 طلوعِ اسلام کو منکرِ حدیث اور ایک جدید اسلام کا بانی اور نہ جانے کیا کیا قرار دے کر
 سترادار اور سن قرار دیتے ہیں۔ طلوعِ اسلام نہ مقام رسالت کا منکر ہے نہ مقامِ حدیث
 کا۔ یہ منکر ہے ان لوگوں کی دسیسہ کاریوں کا جو رسول اور حدیث کے نام پر اپنا اقتدار قائم
 کر کے پیشوائیت کا وہی استبداد پھر سے لانا چاہتے
 ہیں جسے ملنے کے لئے قرآن نازل ہوا تھا اور جس کے ذریعہ رسول اللہ نے دنیا
 کو انسانیت ساز اور زندگی بخش پیامِ عدل و ربوبیت دیا تھا۔ طلوعِ اسلام اُسی قرآنی اسلام
 کی تجدید کرنا چاہتا ہے۔



آہنی ڈکٹیٹر شپ ۳

(جنوری ۱۹۵۱ء)

تشکیل پاکستان کے بعد نیشنلسٹ علما کا وہ خطرہ تو دہریں رہ گیا، لیکن شونی قسمت سے اسلامی جماعت کا خطرہ اس کے پیچھے ہی رہا۔ اور حیرت بالائے حیرت یہ کہ یہاں پہنچ کر وہ آتش خاموش شعلہ چٹا کر بن کر بھڑک اٹھی۔ چونکہ جماعت اسلامی کا ہاتھ عوام کے جذبات کی دکھتی ہوئی رگ پر ہے، اس لئے اس مسئلہ پر ذرا تفصیل سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے، ہمارے تجزیہ کی دوسری حصہ سے یہ جماعت دو قسم کے عناصر پر مشتمل ہے ایک عنصر تو وہ ہے جو پہلے دن سے پاکستان کی تحریک کا دشمن ہے آپ ترجمان القرآن اور مودودی صاحب کی دیگر تصانیف کو اٹھا کر دیکھئے آپ دیکھیں گے کہ انہوں نے مسلم لیگ، قائد اعظم مرحوم اور تحریک پاکستان کے خلاف کس قدر زہر اگلا ہے اور ان کی یہ روش ایک یا دو دن نہیں رہی بلکہ تحریک پاکستان کی ابتداء سے لے کر تشکیل پاکستان تک یہ سلسلہ اور متواتر

پاکستان کی مخالفت

اپنی انہی مذموم کوششوں میں مصروف رہتے یہ چیز ان کے خلاف نہ کوئی بہتان ہے نہ الزام ان کی تحریروں میں موجود ہیں جس کا جی چاہے اٹھا کر دیکھ لے وہ لوگ بھی موجود ہیں

جو مغلوں میں ان کو گفتگو اور چھوٹے موٹے جلسوں میں ان کی تقریریں بھی سنا کرتے تھے وہ تمام اس پر شاہد ہیں کہ تحریک پاکستان کے متعلق ان کے خیالات کیا تھے اور اس کی مخالفت میں یہ اعلانیہ کہتے رہے کہ

مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لئے اس مسئلہ میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ہندوستان میں جہاں جہاں مسلمان کثیر التعداد ہیں، وہاں ان کی حکومت قائم ہو جائے۔

پھر یہ بھی کہ

مسلمان ہونے کی حیثیت سے میری نگاہ میں اس سوال کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ ہندوستان ایک ملک رہے یا دس ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے۔ وہ تحریک پاکستان کو ہمیشہ غیر اسلامی قرار دیتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ، یہ اسکیم دراصل اُن لوگوں کے دماغ کی پیداوار ہے جن کے ذہن کی ساری تربیت مغربی اثرات کے تحت ہوئی ہے اور جنہوں نے تمدن و سیاست کے متعلق تمام تصورات یورپ کی تاریخ اور علوم عمرانی سے سیکھے ہیں۔ اس تحریک کے قائد کے متعلق وہ اٹھتے بیٹھتے کہا کرتے تھے کہ وہ

اسلام کی الف بے تک سے ناواقف ہے لہٰذا
 یہ عنصر جو تقسیم ہند کے آخری لمحہ تک پاکستان کے خلاف
 پاکستان اگر | اس قسم کی نہر افشانیوں میں مصروف تھا، پاکستان بننے کے

لے ان اقتباسات کیلئے دیکھے ترجمان القرآن، دسمبر ۱۹۳۹ء، مئی، جون ۱۹۴۰ء، دسمبر ۱۹۴۰ء، جنوری ۱۹۴۱ء۔

بعد جھٹ سے یہاں اُدھکا اور اس کے بعد مطالبہ یہ شروع کر دیا کہ پاکستان کی حکومت ہمارے حوالے کر دو۔ ہمارا خیال ہے کہ تازہ نئے انسانی کردار کی ایسی مثال بھی بہت کم پیش کی ہوگی۔ ہمارے نزدیک نیشنلسٹ علماء ان لوگوں سے کہیں بہتر ثابت ہوئے کہ انہوں نے اگر پاکستان کی مخالفت کی تو اس کے بعد وہ آج تک اس کے مخالف چلے آ رہے ہیں لیکن انہیں دیکھنے کہ یہ پاکستان کی مخالفت میں اُن سے بھی پیش پیش تھے لیکن اب ان کا مطالبہ یہ ہے کہ پاکستانی حکومت کا حق بھی ان کا ہے۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ اگر ایک مٹھی بھر جماعت بھی صحیح معنوں میں مسلمان ہو جائے تو ہندوؤں کی مجال نہیں کہ اپنی حکومت قائم کر سکیں۔ ہندوستان میں اس وقت بھی تین چار کروڑ مسلمان موجود ہیں اور وہ ہندوؤں کے استبداد سے پس پسے ہوئے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو اپنے اصول کا ذرا سا بھی پاس ہوتا اور اپنے مقصد کو دیانت پر مبنی سمجھتے تو ان کیلئے کرنے کا کام یہ تھا کہ ہندوستان میں رہ کر وہاں کے تھوڑے سے مسلمانوں کو سچے معنوں میں مسلمان بنادیتے تاکہ وہاں ہندوؤں کی جگہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہو جاتی لیکن اب یہ تمام باتیں بھلائی جا چکی ہیں اور اپنی ساری توجہات پاکستان کی حکومت کی کرسیوں کی طرف مبذول کی جا رہی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اس چیز کو چھوڑو کہ انہوں نے اُس وقت کیا کہا اور کیا کیا اب ان کی یہ کوشش ہے کہ پاکستان کو تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعے سے اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کر دیا جائے یہ کوشش تو بڑی مستحسن ہے۔ اس کے خلاف تو کوئی اعتراض نہیں چاہیے۔ لیکن ذرا سنئے کہ اس باب میں بھی ان لوگوں کی کیا حیثیت ہے ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے ترجمان القرآن بابت اگست ۱۹۶۰ء میں لکھا تھا:

ناممکن ہے

بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غیر اسلامی طرز ہی کا سہی مسلمانوں کا قومی اسٹیٹ قائم تو ہو جائے پھر رفتہ رفتہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعہ سے اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے مگر میں نے تاریخ، سیاسیات اور اجتماعیات کا تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے۔ اس کی بنا پر میں اس کو ناممکن سمجھتا ہوں اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے تو میں اس کو ایک معجزہ سمجھوں گا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک پاکستان کا اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل ہو جانا ناممکن تھا۔ وہ اسی دلیل کی بنا پر لوگوں کو پاکستان کی تحریک سے برگشتہ کیا کرتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو چیز کل تک مودودی صاحب کے نزدیک ناممکن تھی اور ایسی ناممکن جیسا آج معجزہ کا وقوع ناممکن ہے تو آج وہی چیز اس قدر ممکن بلکہ سہل، الحصول کس طرح ہو گئی کہ مودودی صاحب اس تحریک کے پیش رو بن گئے ہیں۔ ہمیں مودودی صاحب پر افسوس نہیں کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے اور اب کیا کہہ رہے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے اس قوم پر جس کی سمجھ میں اس قدر کھلی ہوئی بات بھی نہیں آتی کہ ایک شخص کل تک یہ کہہ رہا تھا کہ اخلاقی اصلاح کے ذریعہ پاکستان کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کرنا ناممکن ہے وہی شخص آج لوگوں کو دعوت دے رہا ہے کہ میرے پیچھے چلو میں اخلاقی اصلاح کے ذریعہ پاکستان کو اسلامی اسٹیٹ بنا دوں گا۔

جذبات پرست گروہ

یہ تو ہے اسلامی جماعت کا ایک عنصر۔ دوسرا عنصر جذبات پرستوں کا ہے جو محض اس نعرے کے ماتحت کہ ہماری حکومت شریعت کے مطابق ہونی چاہیے، ان کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ وہ خلص ہیں، لیکن سطح سے نیچے جانے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور یہی وہ

لوگ ہیں جن کے جذبات سے یہ پہلا عنصر کھیل رہا ہے۔ سطحی مقبولیت
(CHEAP POPULARITY) کی طرح سطحی مذہبیت
(RELIGIOSITY) بھی بڑی سہل الحصول اور خوش آئند تدبیر ہوتی
ہے اسلامی جماعت کی ٹکنیک یہ ہے کہ وہ سطحی مذہبیت کی راہ سے عوام میں مقبولیت
حاصل کرے اور اس طرح ان کے جذبات کی قوتوں کے ذریعے اپنے مقاصد بروئے کار
لے آئے ہیں اپنی قوم کے اس دوسرے طبقے سے دلی ہمدردی ہے اور اس
احساس سے ہمیں سخت اذیت پہنچتی ہے کہ ان غلصہ مسلمانوں کو کس بڑی طرح سے
(EXPLOIT) کیا جا رہا ہے تاریخ بتاتی ہے کہ جن مفاد پرست افراد نے
عوام کے جذبات کو اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنایا وہ قوم کیلئے بڑے خطرے
کا موجب ثابت ہوئے۔

یہ ہیں وہ وجوہات جن کی بنا پر طلوع اسلام اس جماعت کی مخالفت کرتا ہے۔
اگر ملک کے سنجیدہ طبقے کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے تو طلوع اسلام کو اس سے
خوشی ہے کہ اس سے پاکستان بہت سے نقصانات سے بچ جائے گا اور اگر
وہ اس سے متفق نہیں ہیں تو طلوع اسلام اس چیز کو علی وجہ البصیرت حق سمجھتا ہے
اور وہ اسے دہرائے چلا جائے گا خواہ اس کی کوئی سُنے خواہ نہ سُنے کہ حق کی آواز
کے سامعین بعد میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔

آئین کی تدوین | تشکیل پاکستان کے بعد سب سے اہم مسئلہ آئین پاکستان کی
تدوین کا ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ اصل مسئلہ ہی یہ ہے پاکستان

کی تشکیل تو اس کا پیش خیمہ تھی چونکہ قوم ابھی غلامی کی نیند سے جاگ کر اٹھی ہے بلکہ یوں کہیے ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں وہ نیند کا خارا بھی اتر ہی نہیں۔ اس لئے وہ اس مسئلہ کی اہمیت کو کاخفہ نہیں پہچان سکے۔ قوم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یہ ایک فرضی کفایہ ہے جسے ان کی طرف سے مجلس دستور ساز کے اراکین ادا کر رہے ہیں اور مجلس دستور ساز کے اراکین نے یہ سمجھ لیا کہ یہ بات ہی کون سی ہے۔ مختلف ممالک سے کانسیٹی ٹیوشن سے متعلق کتابیں آجائیں بس اس کے بعد کانسیٹی ٹیوشن تیار ہو جائے گا۔ چنانچہ ان سے جب کبھی کسی نے پوچھا کہ تدوین دستور پاکستان کس منزل میں ہے تو یہی جواب دیتے رہے کہ ہمارے پاس کتابیں ہی نہیں چالانکہ پاکستان کی جداگانہ مملکت کیلئے دلیل ہی یہ دی جاتی تھی کہ ہم اسے اسلامی نظام کی تجربہ گاہ بنانا چاہتے ہیں جو اس وقت دنیا میں کہیں موجود نہیں اور جو دنیا کے پرائیمن سے نرالا اور اعلیٰ اور ارفع ہو گا۔ تین برس تک یہ حضرات اسی تنگ و تاز میں مصروف رہے اور اسکے بعد جو کچھ پیش کیا اس کے متعلق ہر ایک کو علم ہے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، قوم میں سے جس طبقہ نے آئین سازی کے متعلق شور

مقام شریعت

اٹھایا، وہ بیشتر اسلامی جماعت والوں ہی کا طبقہ تھا۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ پاکستان میں شریعت کا نظام ہونا چاہیے۔ اور شریعت کا نظام وہی لوگ مدون کر سکتے ہیں جو شریعت سے واقف ہوں اور شریعت سے واقف ارباب شریعت ہیں جن کی نمائندگی اسلامی جماعت کرتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہاں تک بھی مطالبہ شروع کر دیا کہ مجلس دستور ساز کا انتخاب نئے سرے سے ہونا چاہیے اور اس میں انہی لوگوں کو آنے دینا چاہیے جو شریعت سے واقف ہوں۔

ان سے پوچھا گیا کہ شریعت کسے کہتے ہیں اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ شریعت کے مستقل ماخذ وہ ہیں قرآن اور روایات۔ قرآن میں صرف اصول ہیں۔ اس لئے شریعت کی جزئیات کا مستقل ماخذ روایات ہیں۔

کہا گیا کہ کیا روایات کے موجودہ مجموعوں میں سب روایات صحیح ہیں اور مستقل شریعت کی حیثیت رکھتی ہیں؟ جواب ملا کہ نہیں ان میں صحیح بھی ہیں اور غلط بھی۔

پوچھا گیا کہ صحیح اور غلط کا معیار کیا ہے۔ جواب ملا کہ اس کے لئے مزاج شناس

کوئی خارجی معیار نہیں۔ جو شخص رسول اللہ کا مزاج شناس ہو، وہ اپنے ذوق کی بنا پر کہہ سکتا ہے کہ کون سی روایت صحیح ہے اور کون سی غلط۔ اگر کہیں کوئی روایت نہ ملے تو وہ از خود بتا سکتا ہے کہ ایسے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فیصلہ دیتے۔ لہذا شریعت کا مستقل ماخذ اس شخص کا ذوق ہے۔

یہ ہے اس شریعت کا تصور جسے یہ حضرات اسلامی نظام کے نام سے مسلمانوں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں یہ خالص فدائی اختیارات ہیں جن کا تصور تک بھی کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔ طلوع اسلام نے مسلسل تین برس اپنی اس کوشش کو جاری رکھا کہ مسلمانوں کی نگاہوں کے سامنے اس حقیقت کو واضح کر دے کہ اسلامی نظام کے مستقل مستقبل اور ابتدائی اصول قرآن کریم کے اندر ہیں اور ہر زمانے میں مسلمان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ان اصولوں کی روشنی میں جزئی قوانین خود مرتب کر سکتے ہیں

البتہ ان قوانین کی ترتیب میں ان قوانین سے بطور نظائر و مؤیدات PRECEDENTS

مدد لی جاسکتی ہے جو اس سے پہلے کسی اسلامی حکومت نے مرتب کئے

ہوں انہیں قوانین کا نام شریعت ہوگا اور ان کو نافذ کرنے کے واسطے نظام کا نام اسلامی نظام مطلق اسلام کی یہ آواز شروع شروع میں بڑی نامالوکس سی محسوس ہوتی رہی لیکن اللہ کی توفیق سے اب اس آواز نے ایک خاص فضا پیدا کر دی ہے اور ملک کے دور دراز گوشوں سے اس کی بازگشت صدائیں سنائی دینے لگی ہیں۔ یہ عنوانات بڑے امید افزا اور حوصلہ بخش ہیں۔

بَابُ سُؤْمِ

نبوت جدیدہ

نبوتِ جدیدہ

(اکتوبر ۱۹۵۲ء)

دین میں جیسا کہ آپ جانتے ہیں، حجت صرف سند کو حاصل ہے۔ حجت کے معنی ہیں ایسی دلیل جس سے آپ انکار نہ کر سکیں۔ اور سند سے مراد ہے قرآن کریم، یعنی جب آپ یہ کہیں کہ فلاں معاملہ میں دین کا حکم یہ ہے تو آپ کو یہ بتانا پڑے گا کہ اس حکم کے لئے آپ کے پاس قرآن کی کون سی سند ہے۔ ایسی کسی سند کے بغیر کسی کا کوئی قول دین میں قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ قرآن سے نیچے اترے تو بعض لوگوں نے حدیث کو بھی اسی قسم کی سند تصور کر لیا۔ چنانچہ ان لوگوں کا مسلک یہ **سند** قرار پایا کہ جب کوئی یہ کہے کہ اسلام میں فلاں معاملہ کے متعلق یہ حکم ہے کہ اس سے قرآن کے بعد یہ بھی پوچھا جائے گا کہ اس کی سندیں تمہارے پاس کون سی حدیث ہے؟

اور آگے بڑھے تو بعض لوگوں نے قرآن دیا قرآن و حدیث کے اصولی احکام سے جُڑی احکامات مستنبط کئے اور اس استنباط میں اپنے قیاس سے کام لیا اسے فقہ کہتے ہیں لیکن جب اہل فقہ سے بھی پوچھا جائے تو انہیں بھی یہ بتانا ہوگا کہ انہوں نے

کسی مسئلہ کے متعلق اس حکم کو قرآن کی کس آیت یا کس حدیث پر قیاس کر کے مستنبط کیا ہے یعنی سند سے یہ گسودہ بھی بے نیاز نہیں۔

اس سے آگے بڑھے تو بعض لوگوں نے ان فقہاء کے فیصلوں کو دین میں سند تسلیم کر لیا جب ان سے پوچھا جائے کہ تم کس طرح کہتے ہو کہ فلاں بات میں اسلام کا فیصلہ یہ ہے تو وہ اپنے قول کی تائید میں کسی نہ کسی امام کا فیصلہ بطور سند کے پیش کریں گے لیکن اس نقطہ خیال کا بھی اگر تحلیل و تجزیہ کیا جائے تو اس کی تہ میں بھی یہی عقیدہ کارفرما نظر آئے گا کہ ہمارا امام یا ہمارا مجتہد اپنی طرف سے خود کچھ نہیں کہتا بلکہ جو کچھ کہتا ہے وہ قرآن و حدیث ہی کو سامنے رکھ کر کہتا ہے۔ چنانچہ آپ ہر فقیہ سے یہ مطالبہ بھی کر سکتے ہیں کہ ان کے امام کا اس فیصلہ کی کیا سند ہے جس پر وہ آپ کو قرآن یا حدیث سے اپنے امام کے اس فیصلہ کی سند پیش کر دے گا چنانچہ فقہ کی کتابیں ان کے ان دلائل سے بھری پڑی ہیں۔

آپ نے دیکھ لیا کہ دین کے معاملہ میں چودہ سو سال سے آج تک سند ضروری رہی ہے آپ کو اس سے اختلاف ہو سکتا ہے کہ دین میں فلاں چیز حدیث یا قیاس یا کسی امام کا قول (سند ہو سکتا ہے یا نہیں) لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ دین میں سند کا ہونا لانیفک ہے کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے سے یہ کہے کہ دین کا یہ حکم یوں اس لئے ہے کہ میں ایسا کہتا ہوں۔

یہ ہے وہ اصل عظیم جس پر دین کی بنیاد قائم ہے۔ یعنی کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے انسان سے اپنا قول بطور دینی حکم کے منوائے اور ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہر دوسرے شخص سے یہ پوچھے کہ جس بات کو تم دین کا حکم کہتے ہو اس کی سند تمہارے پاس کیسی ہے؟

حقی کہ ایک نبی اور رسول کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی سے یوں کہہ سکے کہ دین کا یہ حکم یوں اس لئے ہے کہ میں ایسا کہتا ہوں۔ اُس کو بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ دین کا یہ حکم اس لئے ہے کچھ کا ایسا ہی حکم ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يَقُولَ إِنِّي إِلَهٌ مِّثْلُ اللَّهِ أَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْكُتُبُ وَالْحُكْمُ وَالنُّبُوَّةُ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا ذُكَّارًا لِلَّذِينَ إِيمَانُكُمْ بِهِ كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكُتُبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تُدْرِسُونَ (۳۸)

کسی انسان کو یہ بات سزاوار نہیں کہ اللہ اسے (انسان کی ہدایت کے لئے) کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور پھر اس کا شیوہ یہ ہو کہ لوگوں سے کہے خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ (یعنی خدا کے احکام کی جگہ میرے حکموں کی اطاعت کرو) بلکہ چاہیے کہ بقی انسان بنو۔ اس لئے کہ تم کتاب اللہ کی تعلیم دیتے ہو اور اسے لے کر اس کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے ہو۔

اُپ نے دیکھ لیا کہ دین کے ہر حکم کے لئے رسول کو بھی خدا کی طرف اپنی سند بیان کرنی پڑتا ہے یعنی اُسے بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ چونکہ خدا کا یہ حکم ہے اس لئے میں ایسا کہہ رہا ہوں۔

ابتنہ فی کافراً، ایک دعویٰ ایسا ہوتا ہے جہاں سند یا دلیل طلب نہیں کی جاسکتی اور یہ اُس کا دعوائے نبوت ہوتا ہے اس کا یہ دعوائے کہ خدا نے اسے ایک ایسی چیز عطا کی ہے جسے وحی کہا جاتا ہے، اس دعوائے کے لئے دراصل رسول کا اپنا دعویٰ ہی سند ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں رسول پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ ایمان کے معنی یہ ہیں کہ جب رسول یہ کہے کہ خدا نے مجھے یہ حکم دیا ہے تو میں یہ تسلیم کرتا ہوں گا کہ خدا نے واقعی یہ حکم دیا ہے یعنی رسول کا وہ حکم اسے

مقام نبوت

خدا کی طرف بذریعہ وحی ملا ہے۔

بہر حال دین میں ایک مقام نبوت ہی ایسا مقام ہے جہاں سند کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا مگر یہ نکتہ یاد رہے کہ سند کا یہ مطالبہ صرف اس امر میں نہیں کیا جاسکتا کہ وہ حکم اس کو خدا کی طرف سے بذریعہ وحی ملا ہے اور بس۔

یہاں سے آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اگر کوئی شخص آج اس قسم کا ادعا کرتا ہے کہ اس کا حکم دین میں اس لئے واجب التعمیل ہے کہ وہ ایسا کہتا ہے تو دراصل وہ اپنے لئے مقام نبوت کا دعویدار ہے بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر کیونکہ اس ادعا کا حق تو ایک نبی کو بھی حاصل نہیں ہے بلکہ اسے بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ چونکہ خدا نے ایسا حکم دیا ہے اس لئے میں ایسا کہتا ہوں۔

صورتِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ باب نبوت بند ہو گیا اس لئے اب رسول اللہ کے بعد کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں رہا کہ وہ بلا سند کوئی بات دین کی حیثیت سے کسی سے منواسکے یہ ایک ایسی حقیقت کبریٰ ہے جس میں آج تک کسی کو اختلاف کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ البتہ صوفیائیں سے بعض حضرات نے ضروریہ کشف والہام | کہا ہے کہ مجھے فلاں فلاں بات کشف یا الہام کے ذریعہ سے معلوم ہوئی ہے اور کشف یا الہام ایک ایسی چیز ہے جس کی تائید میں کوئی سند یا دلیل پیش نہیں کی جاسکتی مگر کشف والہام کو دین میں کسی نے بھی حجت قرار نہیں دیا، حتیٰ کہ خود صاحب کشف اپنے کشف کو خود اپنے لئے بھی دینی حجت نہیں مانتا۔

بہر حال تیرہ سو برس سے امت میں یہ مسلک متفقہ طور پر چلا آ رہا تھا یعنی یہ مسلمہ کہ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دین کے معاملہ میں اپنی بات کو بغیر سند کے منواسکے یعنی

وہ یہ کہ جس بات کو میں صحیح کہہ دوں، صحیح ہے اور جس بات کو میں غلط کہوں، وہ غلط ہے۔

تیرہ سو سال کے بعد اس مسئلہ کو میرزا غلام احمد صاحب
میرزا غلام احمد کا دعویٰ | قادیانی نے توڑا کس طرح توڑا، یہ داستان بڑی الجھپ

ہے میرزا غلام احمد صاحب نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں قرآن اور حدیث کو نہیں مانتا وہ اپنے
 ہر دعوے کیلئے کتاب و سنت اور قرآن و حدیث کے الفاظ دہراتے رہتے تھے ان کی
 تمام تصانیف ان الفاظ سے بھری پڑی ہیں لیکن انہوں نے ایک ایسا چور دروازہ کھول
 لیا جس کی رُو سے قرآن و حدیث سند بننے کے بجائے خود میرزا صاحب کے فیصلوں کے
 تابع ہو جائے۔ اس کے لئے صفریٰ اور کبریٰ کی ضرورت تھی صفریٰ تو ملا کے مذہب نے
 گھڑا گھڑایا پہلے سے تیار رکھ چھوڑا تھا۔ یعنی وحی کی دو قسمیں ہیں، ایک متلو اور دوسرے
 غیر متلو دونوں ہم پايہ ہیں اور دین میں دونوں کی حیثیت ایک ہے لیکن چونکہ وحی غیر متلو
 حدیث، قرآن کی تشریح کرتی ہے، اس لئے اگر ان دونوں میں کہیں اختلاف نظر آئے تو
 حدیث کو راجع تسلیم کرنا ہوگا اور ماننا پڑے گا کہ قرآن کا حکم منسوخ ہے اس طرح قرآن کو
 ایک طرف بالائے طاق رکھا جا چکا تھا اور دین کی اصلی سند حدیث قرار پائی تھی، اس کے
 بعد میرزا صاحب کو صرف کبریٰ اپنی طرف سے لگانا تھا۔ اس کبریٰ کے بھی، و جزو تھے پہلا
 جزو یہ تھا حدیث صحیح بھی ہیں اور غلط بھی، کبریٰ کے اس جزو میں بھی ملا کا مذہب کوئی
 رکاوٹ نہیں ڈالتا تھا کیونکہ اس کے ہاں خود اس موضوع پر بے شمار ذخیرہ کتابوں میں
 مدون موجود تھا۔ فرق مختلف اور پھر مذاہب اربعہ کے اختلاف نے احادیث کی تصحیح و
 تعلیل کا پہلے ہی بازار گرم کر رکھا تھا۔ سنیوں کے نزدیک شیعوں کی حدیث غلط اور موضوع
 تھیں اور شیعوں کے نزدیک سنیوں کی۔ یہی حال جبریت، قدریہ، معتزلہ، جہمیہ فرقوں کے

ساتھ تھار پھرتیوں میں بھی ایک حدیث حنفیوں کے ہاں صحیح تھی تو شافعیوں کے ہاں غلط تھی۔ دوسری حدیث مالکیوں کے ہاں صحیح تھی تو خنبلیوں کے ہاں ضعیف اور موضوع تھی اس لئے ملا کا مذہب گیارہ سو سال سے جس اکھاڑے کو جھلٹے چلا آ رہا تھا، آج اس سے انکار کیسے کر سکتا تھا میرزا صاحب کو کبریٰ کا صرف ایک آخری جزو وضع کرنا پڑا یعنی جب یہ سوال پیدا ہوا کہ صحیح حدیثیں کون سی ہیں اور غلط کون سی تو انہوں نے کہہ دیا کہ جس حدیث کو میں صحیح کہوں وہ صحیح ہے اور وہی دین میں سند ہے اور جسے میں غلط کہوں وہ غلط ہے۔

سند میں ہوں | آپ نے دیکھ لیا کہ قرآن و حدیث پر کس طرح بھڑکھایا گیا ہے اور اپنے فیصلوں کو دین کی سند بنا دیا گیا ہے جس کیلئے کسی

دوسری سند کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی کا نام و حقیقت نبوت تھا مگر احتیاطاً اسے ظلی نبوت سے تعبیر کیا گیا اس فرق کے ساتھ کہ اصل کی حیثیت محض سایے کی رہ جائے اور سایہ ہی اصل قرار پا جائے۔ احادیث کا ذخیرہ ایک بے پناہ جنگل تھا جس میں سے ہر مسک کے لئے چسپاں ہو جانے والی روایات چھانٹی جاسکتی تھیں چنانچہ میرزا صاحب نے ان ہی احادیث کی مدد سے اپنی ظلی اور بروزی نبوت کے اور کہیں صحیحیت موخو وہ اور کہیں مجددیت و مہریت کے مختلف دعوے کئے اور ملا ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا وہ چلا یا بھی تو صرف یہ کہہ کر کہ میرزا صاحب کی پیش کردہ حدیثیں موضوع ہیں و ضعیف ہیں، غلط ہیں۔ ان کے مقابلہ میں دوسری صحیح حدیثیں موجود ہیں جن سے ان تمام باتوں کی تردید ہوتی ہے۔ مگر میرزا صاحب نے کمال حقارت کے ساتھ لٹکار کر اس کا منہ بند کر دیا کہ۔

جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس

انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کر لے اور جس دھیر کو چاہے خدا سے علم

پاکر رکھ دے۔ (تسخیر گولڑیہ ص ۱)

یعنی حدیث کے صحیح یا غلط ہونے کی سند خود میرزا صاحب کا وہ علم ہے جو انہوں نے خدا کی طرف سے پایا، لہذا ذخیرہ احادیث میں سے جو بقول قادیانیت: حدیثوں کی کتابوں کی مثال تو مداری کی پٹاری کی ہے جس طرح مداری جو چاہتا ہے اس میں سے نکال لیتا ہے اسی طرح ان سے جو چاہتا ہو نکال لو۔

(الفضل قادیان بابت ۱۵ جولائی ۱۹۳۴ء)

میرزا صاحب نے جو چاہا نکال لیا اور صحیح قرار دے دیا۔ کون تھا جو ان کی زبان پکڑ سکتا تھا حدیث کے پردہ میں میرزا صاحب نے اپنا سکہ چلا دیا۔ اور عہد دیت، مہم دیت اور ظلی اور بروزی نبوت منواتے چلے گئے۔ یہ تھیں وہ سیڑیاں جن سے میرزا صاحب نبوت کے بامِ بلند تک پہنچ گئے۔

(۰)

میرزا صاحب کے بعد دودی صاحب آج بعینہ انہی سیڑھیوں سے سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی بھی مشقِ نبوت فرما رہے ہیں۔ مودودی نے بھی پہلے یہی کہا کہ وحی و قسم کی ہے ایک کا مجموعہ قرآن ہے اور دوسری کا مجموعہ حدیث پھر یہ کہا کہ حدیثیں صحیح بھی ہیں اور غلط بھی اور اس کے بعد یہ فرمایا کہ صحیح حدیثیں وہ ہیں جنہیں مزاج شناس نبوت صحیح کہہ دے اور غلط وہ جنہیں وہ غلط ٹھہرا دے اس طرح کتاب و سنت اور قرآن و حدیث کی رٹ لگاتے ہوئے وہ اُسی مقام تک پہنچ چکے ہیں جہاں قرآن اور حدیث خود ان کے فیصلوں کے تابع ہو جائے۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں:-

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نفع کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے اس کے اندر قرآن اور سیرتِ رسول کے غائر مطالعہ سے ایک خاص ذوق پیدا ہو جاتا ہے جس کی کیفیت بالکل ایسی ہوتی ہے کہ جیسے ایک پرانے جوہری کی بصیرت کہ وہ جوہر کی نانگ سے نازک خصوصیات تک کو پہچان لیتی ہے۔ اس کی نظر بحیثیت مجموعی شریعتِ حقہ کے پورے سسٹم پر ہوتی ہے اور وہ اس سسٹم کی طبیعت کو پہچان جاتا ہے اس کے بعد جب جزئیات اس کے سامنے آتی ہیں تو اس کا ذوق اسے بتا دیتا ہے کہ کون سی چیز اسلام کے مزاج اور اس کی طبیعت سے مناسبت رکھتی ہے اور کون سی نہیں رکھتی۔ روایات پر جب وہ نظر ڈالتا ہے تو ان میں بھی یہی کسوٹی

مزاج شناس رسول ص
رد و قبول کا معیار بن جاتی ہے۔ اسلام کا مزاج عین نبوت کا مزاج ہے جو شخص اسلام کے مزاج کو سمجھتا

ہے اور جس نے کثرت کے ساتھ کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کا گہرا مطالعہ کیا ہے وہ دعویٰ اکرم کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ روایات کو دیکھ کر خود بخود اس کی بصیرت بتا دیتی ہے کہ ان میں کون سا قول یا کون سا فعل میرے سرکار کا ہو سکتا ہے اور کون سی چیز سنتِ نبویہ سے اقرب ہے یہی نہیں بلکہ جن مسائل میں اس کو قرآن و سنت سے کوئی چیز نہیں ملتی ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ

نعمیرا صاحب کا دعویٰ بھی یہی تھا کہ میں نے رسول اللہ کی ایسی اطاعت کی ہے کہ اس سے میرے اندر ایسا علم پیدا ہو گیا ہے کہ جس کی بناء پر میں اسناد سے بے نیاز ہو کر خود معیار بن گیا ہوں اور اسی کو مکمل نبوت کہتے ہیں۔

دکلم کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا تو آپ اس کا فیصلہ یوں فرماتے۔ یہ اس لئے کہ اس کی روح، روح محمدی میں گم اور اس کی بصیرت نبوی کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ اس کا دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ یہ انسان اسناد کا نیا دہ محتاج نہیں رہتا۔ وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلہ کا مدد اس پر نہیں ہوتا۔ وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف، منقطع السند مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے اس لئے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے اور بسا اوقات وہ ایک غیر معطل، غیر شاذ متصل السند مقبول حدیث سے بھی اعراض کر جاتا ہے اس لئے کہ اس جامِ زر میں جو بادۂ معنی بھری ہوئی ہے وہ اسے طبیعتِ اسلام اور مزاجِ نبوی کے مناسب نظر نہیں آتی۔

(تفہیمات حصہ اول، صفحہ ۲۲۳، ۲۲۴)

آپ میرزا صاحب کے مذکورہ بالا اقتباس اور مودودی صاحب کی ان تصریحات کو پہلو بہ پہلو رکھ کر دیکھئے اور سوچئے کہ مودودی صاحب کا یہ مسلک کسی طرح بھی میرزا صاحب کے اس مسلک سے مختلف ہے؟ مزاج شناسی نبوت اور بصیرت نبوی ایسی چیزیں ہیں جن پر کوئی دلیل یا سند نہ پیش کی جاسکتی ہے نامانگی جاسکتی ہے اس کے لئے کسی ایک کا اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ میرزا صاحب مزاج شناسی نبوت یا بصیرت نبوی کا یہی فیصلہ ہے۔ اور اس کا یہ فیصلہ بیک جنبشِ اَبُو دین بن سکتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جو صرف ایک نبی ہی کو حاصل ہو سکتا ہے کہ وہی اپنی بات کو بحیثیت دین کے بغیر کسی سند و دلیل کے منوا سکتا ہے۔

مقام نبوت

چودہ سو سال سے اُمت میں آج تک کسی کو یہ مقام حاصل نہیں ہوا۔ اُمت میں بڑے بڑے اولوالعزم خلیفہ، بادشاہ، امام، فقیہ، اولیاء اللہ ہو چکے ہیں مگر میرزا صاحب اور مودودی صاحب سے پہلے کسی نے اپنے لئے یہ پوزیشن حاصل کرنے کی جرات نہیں کی ان دونوں میں فرق اتنا ہی ہے کہ اقل الذکر اپنی اس پوزیشن کو ظلی اور بردی نبوت سے تعبیر کرتا ہے اور ثانی الذکر مزاج شناسی نبوت، یا "بصیرت نبوی" بلکہ اپنی روح کو روحِ محمدی میں گم ہو جانے اور اپنی نظر کو بصیرتِ نبوی کے ساتھ متحد ہو جانے سے متغافل رہے کہ یہ بعض تعبیرات کا فرق ہے اس تعبیری فرق سے حقیقت نہیں بدلی جاسکتی۔ اس تفصیل کے بعد ہم ناظرین سے پوچھتے ہیں کہ وہ خود فیصلہ کریں کہ ان دونوں مدعیوں میں کیا فرق ہے کیا دونوں کا ملحد نظر اور منزل مقصود ایک ہی نہیں ہے؟

طالع اسلام بار بار متنبہ کرتا رہا اور اب پھر ملت کو متنبہ کرتا ہے کہ خدا کے لئے ان چور دروازوں کو بند کرو۔ دین کی بنیاد صحیح قرآن اور فقط قرآن ہے جو ابداً آباد تک کیلئے واجب العمل ہے روایات اس عہدِ مبارک کی تاریخ ہیں کہ رسول اللہ صلعم والذین معہ نے اپنے عہد میں قرآنی اصول کو کس طرح مشکل فرمایا تھا۔ یہ اس عہدِ مبارک کی شریعت ہے قرآنی اصول کی روشنی میں کسی فرد واحد کو جزئیات مستنبط کر کے اپنے عہد کے لئے شریعت بنا

صحیح مسلک

دینے کا حق نہیں ہے خواہ وہ کتنا ہی اتباعِ محمدی (بقول میرزا) یا کتنا ہی مزاج شناسی رسول (بقول مودودی) کا دعویٰ رکھیں وہ ہو۔ بلکہ یہ حق صرف قرآنی خطوط پر قائم شدہ مرکزیت اور اسکی مجلسِ شوریٰ کا ہے کہ وہ قرآنی اصول کی روشنی میں صرف اُن جزئیات کو مرتب و مدد نہ کر سکے جن کی قرآن نے کوئی تصریح نہیں کی پھر یہ جزئیات ہر زمانے میں ضرورت پڑنے پر تبدیل کی جاسکتی ہیں یہی اپنے زمانہ کے لئے

شریعت ہیں۔

یہ نیا فتنہ | میرزا صاحب کی نبوت نے جو فتنہ برپا کیا تھا اس وقت اُس کے خلاف ملت کی طرف سے بڑی سختی کے ساتھ صدارتِ احتجاج بلند ہو رہی ہے لیکن

ہمیں اندیشہ ہے کہ جتنے عرصہ میں وہ اس پرانی نبوت کے فتنہ کا استیصال کریں گے، اُس وقت تک پنجاب کی یہ نئی نبوت اپنے شباب کو پہنچ چکی ہوگی مسلمانوں نے نہ اس پرانی نبوت کے خلاف بروقت اُدا اٹھائی اور نہ وہ اب اس نئی نبوت کا کچھ احساس کر رہے ہیں۔ پرانی نبوت کا مدعی بھی شروع میں شریعتِ محمدی کے احیاء کا مدعی تھا اور مسلمان اسی دھوکا میں اس کے اصلی عندیہ سے بے خبر رہے یہ نئی نبوت بھی نظامِ شریعت کے قیام کی آڑ میں مضبوط ہوتی چلی جا رہی ہے اور ملت کو اس کا اس وقت احساس ہوگا جب یہ پوری طرح اپنی جڑیں پکڑ چکے گی۔ یہ نبوت اس پہلی نبوت سے بھی زیادہ خطرناک ہوگی اس لئے کہ اُس نبوت نے اپنی نشر و اشاعت محض نجی طور پر کی تھی۔ لیکن نبوتِ جدیدہ حکومت کا اقتدار حاصل کرنے کی فکر میں ہے جو چاہے کہ اگر زمامِ اقتدار ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں آجائے جو یہ کہے کہ صحیح وہ ہے جسے میری نگاہ صحیح کہہ رہے اور غلط وہ جسے میں غلط قرار دے دوں تو کیا اس کے بعد یہاں قرآن اور حدیث کی کوئی حقیقت بھی باقی رہ جائے گی؟

چھوڑیے طلوعِ اسلام کو کہ وہ تو ان لوگوں کے نزدیک منکرِ حدیث ہے مگر ہم پوچھتے ہیں حامیانِ حدیث سے کہ کیا اس نظریہ کے بعد ان کی حدیث کی بھی کوئی حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ طلوعِ اسلام تو اتنا ہی کہتا ہے کہ صحیح اور غلط کا معیار قرآن ہے صحیح وہ ہے جسے قرآن میں کہہ رہے اور غلط وہ جو اس کے ہاں سے غلط قرار پا جائے۔ اسے تو آپ منکرِ حدیث کہتے ہیں لیکن اس کے برعکس ایک شخص یہ کہتا ہے کہ تمہارے اپنے معیاروں کے مطابق صحیح

قرار دیئے ہوئے احادیث کے جوئے صحیح نہیں قرار دیئے جاسکتے، جب تک ان کی صحت کے متعلق میری بارگاہ سے فتویٰ صادر ہو جائے ان ذخیروں میں سے جس کو میں صحیح کہوں، وہ صحیح ہے اور جسے میں غلط قرار دیدوں وہ غلط ہے تو اس شخص کو آپ سب سے بڑا حاجی حدیث اور غنی الثبت قرار دے رہے ہیں۔

لہذا غیر گیر و گیر مسست و ہرمانام فسق!

لہذا ختم نبوت کے محافظین اور حامیان حدیث دونوں کیلئے سوچنے کا مقام ہے کہ یہ کیا فتنہ انہیں کہاں تک پہنچائے گا نیز وہ لوگ جو پاکستان میں نظامِ شریعت کے قیام کے متمنی ہیں ہو چیں کہ نظامِ شریعت کے قیام کی آڑ میں یہاں کس قسم کی مستبد و کٹیڑ شپ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ وہ وکٹیڑ شپ جس میں وکٹیڑ کا فیصلہ ایک انسانی حکم نہیں ہوگا بلکہ خدا اور رسول کا حکم قرار دیا جائے گا اور جس سے مرثیہ دنیا میں پھانسی کے تختے اور آخرت میں نارِ جہنم کی مستوجب ہوگی!



مزاج شناس کا تعین

(دسمبر ۱۹۵۲ء)

طلوعِ اسلام برسوں سے اس حقیقت کو بے نقاب کر رہا ہے کہ جماعتِ اسلامی کے پیش نظر ایک ایسی ڈکٹریٹپ کا قیام ہے جس کے احکام سے کسی کو مجالِ ستوابی نہ ہو۔ اس ڈکٹریٹپ کا صغریٰ و کبریٰ یوں قائم کیا جاتا ہے۔

(۱) حکومت کا حق صرف خدا کو حاصل ہے۔

(۲) خدا کی حکومت سے مراد کتاب و سنت کی اطاعت ہے۔

(۳) کتاب کی تفسیر سنتِ رسول ہے۔ لہذا کتاب کی اطاعت سے مراد سنتِ رسول اللہ کی اطاعت ہے۔

(۴) سنتِ رسول اللہ احادیث کے مجموعوں کے اندر ہے۔

(۵) لیکن احادیث کے مجموعوں میں صحیح اور غلط ہر قسم کی حدیثیں موجود ہیں۔

(۶) اس امر کا فیصلہ کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی غلط صرف وہ شخص کر سکتا ہے

جو مزاجِ شناسِ رسول ہو۔ حتیٰ کہ جن مسائل میں قرآن و سنت سے کوئی چیز نہیں ملتی،

اُن میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی کے سامنے ظاہرِ مسئلہ پیش ہوتا تو آپ اس کا فیصلہ

یوں فرماتے۔ (تغنیات از مودودی صاحب، ص ۳۲۳، ۳۲۴)

طلوعِ اسلام یہ کہتا تھا کہ جماعتِ اسلامی کے نزدیک یہ
خود مودودی صاحب | ”مزاج شناس“ ان کے امیر ابوالاعلیٰ صاحب مودودی ہیں۔

اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے تھے کہ یہ عرض مومنوں ہے۔ مودودی صاحب محض ایک نظریہ بیان کر رہے ہیں لیکن اب اس کی تصدیق ہو گئی کہ طلوعِ اسلام کا خیال حقیقت پر مبنی تھا۔ چنانچہ مودودی صاحب کے دستِ راست امین احسن اصلاحی صاحب نے تحقیقاتی عدالت میں بیان دیتے ہوئے بتایا کہ وہ مودودی صاحب کو ”مزاج شناس رسول“ سمجھتے ہیں۔

ہمیں اس سے غرض نہیں کہ لوگ اپنی مفاد پرستیوں کے لئے کیا کچھ کرتے ہیں۔ جب مذہب پیشہ بن جائے تو اس میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے لیکن ہمیں دکھ اس احساس سے ہوتا ہے کہ — بازی بازی باریش بابا ہم بازی — مسلمان جب مفاد پرستی پر اترتا ہے تو اس کے ہاتھوں نہ خدا بچتا ہے اور نہ اس کا رسول! ہمارے بادشاہوں نے جب اپنی ملکیت کے شکنجوں کو مضبوط کرنا چاہا تو اپنے آپ کو ظلِ اللہ قرار دے لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس قسم کے یہ خود تھے اسی قسم کے خدا کا تصور مسلمانوں میں رائج ہو گیا

مفاد پرستیاں | یعنی ایک شخصی مطلق العنان، مستبد حاکم کا تصور جسے نہ قانون سے کچھ تعلق ہے، نہ قاعدے سے واسطہ۔ جسے چاہتا ہے، باندھ لیتا ہے جسے چاہتا ہے، چھڑ دیتا ہے، دس علی ہذا۔

اس کے بعد ہمارے دور میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اپنے آپ کو ذاتِ رسالت کا طالب کا ظل اور بروز بنا کر پیش کر دیا اور قطعاً نہ شریا کہ اس کی اس جہالت سے حضور رسالت کا طالب کی (صلوات اللہ) کس قدر توہین ہوتی ہے حضور کی ذاتِ گرامی شرفِ انسانیت کے اُس مقام بلند پر ہے جہاں انسان کا تصور بھی نہیں جاسکتا لیکن اس دعوے کے بعد دنیا نے اسی ظل ”پر اصل“ کا قیاس کرنا

شروع کر دیا اور یوں حضورِ ختمی مرتبت کو اس پست سطح پر لا کر کھڑا کر دیا جس کے خیال سے ہیں
جھڑھری آجاتی ہے۔

ادب یہ صاحب لٹھے ہیں تو اس دعوے کے ساتھ کہ میں ”مزاج شناس رسول“ ہوں
اگر کوئی ایسی بات سامنے آجائے جس میں قرآن و سنت سے کوئی چیز نہ ملتی ہو تو میرے پاس آجاؤ
جو کچھ میں کہوں اس کے متعلق یہ سمجھ لو کہ اگر رسول اللہ اس وقت موجود ہوتے تو وہ وہی کہتے۔
استغفر اللہ! معاذ اللہ! کتنی بڑی ہے یہ گستاخی اور کس قدر شرم ناک ہے یہ بے باکی؟
گستاخی اور بے باکی! اُس ذاتِ اقدس و اعظم کے خلاف جس کے مرتبہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ
ادب گاہیست زیرِ آسمان از عرشِ بزرگ تر نفسِ گم گروہ می آید جنبید و بایزید اینجا

باب چہارم

مودودی صاحب اور قرآن

مودودی صاحب کی قرآن فہمی

(روزے کے احکام)

(اکتوبر ۱۹۵۲ء)

بعض لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ ملا کو قرآن سے اس قدر ضد کیوں ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن ملا کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا اس لئے کہ وہ جب بھی قرآن کے قریب جاتا ہے اس میں اس قدر الجھاؤ، جھول، تناقص اور اشکال نظر آتے ہیں کہ وہ اسی میں عافیت سمجھتا ہے کہ خود بھی اس پرانی ڈگر پر چلا جائے اور لوگوں کو بھی اسی پر چلنے کی تلقین کرتا رہے۔ یہ بات نہیں کہ قرآن کوئی ایسی مشکل کتاب ہے جس کے سمجھنے میں اس قدر دشواریاں لاحق ہوتی ہیں۔ قرآن تو خود روشنی ہے لیکن جس طرح روشنی سے وہی غائدہ اٹھا سکتا ہے جو اپنی آنکھیں کھلی رکھے، اسی طرح قرآن کی روشنی سے بھی وہی شخص راہنمائی حاصل کر سکتا ہے جو قرآن کے سمجھنے میں عقل اور فکر سے کام لے۔ ملا کے نزدیک مذہب کو عقل سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اس کا مسلک یہ ہے کہ جو ہوتا چلا آ رہا ہے اُس پر آنکھیں بند کر کے چلتے رہنا صحیح راہِ نجات ہے نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ملا اور عقل

ملا اور قرآن

دو متضاد چیزیں بن کر رہ گئیں ہیں۔ اس لئے جب ملا اپنی آنکھوں پر تقلید کی پٹی باندھ کر قرآن کی طرف بڑھتا ہے تو اسے وہاں سے دقرآن کی مثال کی رُو سے، اُسی طرح آتشیں کوڑے پڑتے ہیں جس طرح آسمانی خبریں لانے کے مدعی کا ہنوں کو پڑا کرتے تھے۔ اس سے پہلے ملا کو ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی کہ وہ قرآن کی طرف رخ کرے لیکن چونکہ اس دور میں قرآن کا چرچا عام ہو رہا ہے، اس لئے ملا کو بھی مجبوراً قرآن کے حوالے دینے پڑتے ہیں لیکن اس معاملہ میں وہ کس قسم کی قلابانیاں کھاتا ہے اس کا کچھ اندازہ کرنا ہو تو آپ امیرِ جماعت اسلامی سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کا وہ مضمون پڑھیے جو ایک نیا فترت کے عنوان سے اپریل ۱۹۵۲ء کے ترجمان القرآن میں شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون مابعد الطبیعیاتی موضوع سے متعلق نہیں جس میں مودودی صاحب کے فہم کو دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا۔ موضوع تھا روزے کے احکام معجوق قرآن نے ایسے واضح اور سہل انداز میں بیان کئے ہیں کہ ان میں کسی الجھاؤ یا پریشانی کا شائبہ تک نہیں ہو سکتا لیکن جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے جب انسان کی آنکھوں پر تقلید کی پٹی بندھی ہو تو قرآن کی روشنی اسے کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے۔

یہ مضمون کسی صاحب کے غلط استدلال کے جواب میں ہے۔

روزے کے احکام

اس لئے مودودی صاحب نے تمہیداً یہ لکھا ہے کہ روزوں کے بارے میں قرآن سے جو غلط استدلال انہوں نے کیا ہے اس کی غلطی واضح کرنے کیلئے سب سے پہلے ہم خود قرآن کی شہادت پیش کرتے ہیں زیر بحث آیات کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! لکھ دیئے گئے تم پر روزے، جس طرح رکھے گئے تھے

تم سے پہلے کے لوگوں پر، تاکہ تم پر ہیزگاری کرو۔ روزہ رکھنا چند گئے چنے دنوں

کا پھر جو کوئی تم میں سے مریض ہو یا سفر پر ہو تو پورا ہونا چاہیئے شمار دوسرے دنوں

سے اور جو لوگ اس کی (یعنی روزے کی) طاقت رکھتے ہوں ان پر فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا۔ پھر جو کوئی رضا کا مانہ بجالائے نیکی تو وہ بہتر ہے اس کے لئے اور یہ کہ تم روزہ رکھو یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم علم رکھتے ہو۔ ماہ رمضان وہ سچے جس میں نازل کیا گیا قرآن، رہنا بنا کر انسانوں کے لئے اور روشن آیات لئے ہوئے ہدایات اور تفریق حق و باطل کی۔ پس چوپائے تم میں سے اس مہینے کو تو چاہیے کہ اس کے روزے رکھے۔ اور جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو پورا ہونا چاہیے شمار دوسرے دنوں سے۔

آیاتِ قرآنی کا مندرجہ صدر ترجمہ دینے کے بعد مودودی صاحب جو تنقید فرماتے ہیں وہ غور سے دیکھنے کے قابل ہے اس لئے ہم اقتباسات کی بجائے ان کی پوری کی پوری عبارت نقل کر دیتا

مودودی صاحب کی تنقید

ضروری سمجھتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

اس عبارت کو جو خالی الذہن ہو کر پڑھے گا، اس کے دل میں لازماً پہلا سوال یہ پیدا ہو گا کہ اگر یہ پوری عبارت ایک ہی سلسلہ تقریر کی ہے جو بیک وقت ارشاد ہوئی تھی، تو اس میں پہلے ہی کیوں نہ کہہ دیا گیا کہ ماہ رمضان میں تم کو یہ نعمت دی گئی تھی اس لئے تم میں سے جو اس کو پائے اسے چاہیے کہ اس مہینے کے روزے رکھے آخر یہ کیا انداز بیان ہے کہ پہلے کہا کہ روزہ رکھنا چند گئے چنے دنوں کا پھر تین چار فقروں میں روزے کے متعلق بعض احکام بیان کئے پھر بتایا کہ وہ گئے چنے دن رمضان کے ہیں۔ اور رمضان کو اس کام کے لئے اس وجہ سے منتخب کیا گیا ہے اور اس پورے مہینے کے روزے رکھنے چاہئیں۔ اس مربوط سلسلہ تقریر میں شاید ایک انٹری بھی اپنی بات یوں ادا نہ کرنا بلکہ یوں کہنا کہ اگلی قوموں کی طرح تم پر بھی روزے فرض کئے گئے ہیں۔ اور

چونکہ رمضان کے پہنے میں تم کو قرآن کی نعمت دی گئی ہے اس لئے یہ فرض روزے تم اس پہنے میں رکھو۔ اس کے بعد اس کو جو کچھ احکام بیان کرنے ہوتے وہ بیان کر دیتا۔ دوسرا سوال ایک خالی الذہن ناظر کے دل میں یہ پیدا ہو گا کہ اس سلسلہ عبارت میں جب پہلے یہ فقرہ آچکا تھا کہ جو کوئی تم سے مریض ہو یا سفر پر ہو تو پورا ہونا چاہیے شمار دوسرے دنوں سے تو اسی فقرے کو بعد میں پھر دہرانے کی کیا حاجت تھی۔ اور اگر فی الواقع اس کا دہرانا ضروری تھا تو پھر یہ فقرہ بھی کیوں نہ دہرایا گیا کہ جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں ان پر فرض ہے ایک مسکین کا کھانا؟ حقیقت میں ضرورت تو دونوں میں سے ایک کو بھی دہرانے کی تھی لیکن ایک کو دہرانا اور دوسرے کو نہ دہرانا تو ایک مضمناً عموماً ہوتا ہے۔

تیسرا سوال جو اس کے دل میں کھٹکے گا وہ یہ ہے کہ ماہ رمضان وہ ہے "سے پہلے کی عبارت اور اس کے بعد کی عبارت کا مضمون ایک دوسرے سے صریحاً متناقض نظر آتا ہے۔ پہلا مضمون صاف طود پر یہ کہ رہا ہے کہ جو شخص طاقت رکھنے کے باوجود روزہ نہ رکھے وہ ذریعہ سے دے لیکن اگر وہ روزہ ہی رکھے تو یہ اسی کے حق میں اچھا ہے۔ اس کے بالکل برعکس دوسرا مضمون یہ ظاہر کر رہا ہے کہ جو شخص ماہ رمضان کو پائے وہ اس میں ضرور روزہ رکھے اور اس لازمی حکم کو یہ بات مزید تقویت پہنچا رہی ہے کہ اس حکم کے بعد اس رعایت کا تو پھر اعادہ کر دیا گیا ہے جو پہلے مضمون میں مریض اور مسافر کو دی گئی تھی مگر اس رعایت کو ساقط کر دیا گیا ہے جو اوپر روزے کی طاقت رکھنے والے کو دی گئی تھی۔ ایک معمولی عقل دُخرد رکھنے والے قانون ساز سے بھی یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ ایک ہی معاملہ میں وہ یک وقت دو مختلف احکام دے گا پھر بھلا یہ فعل

اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان کیجئے ہو سکتا ہے پہلے دو سوالات تو صرف سوالات ہی ہیں لیکن یہ آخری سوال تو ایک سخت اعتراض ہے جو اس عبارت پر وارد ہوتا ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص حدیث سے مدد لئے بغیر اسے کیسے رفع کر سکتا ہے جو لوگ حدیث کی مدد کے بغیر قرآن کو سمجھنے کے مدعی ہیں اور حدیث کو احکامِ دین کا ماخذ اور قرآن کی مستند شرح ماننے سے انکار کرتے ہیں یہاں سے پوچھئے کہ ان کے پاس ان سوالات اور اس اعتراض کا کیا جواب ہے؟

مندرجہ بالا تنقید میں جناب مودودی صاحب (اور تو اور) خود اللہ تعالیٰ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ جس ترتیب سے اللہ نے یہ احکام دیئے ہیں (معاذ اللہ) شاید ایک (ناٹری بھی) اپنی بات یوں ادا نہ کرتا، اس کے علاوہ انہیں ان آیات میں صریحاً تناقص نظر آتا ہے۔ اور اس کے بعد وہ بہ کمالِ شانِ امارت فرماتے ہیں: ”ایک معمولی عقل و خرد رکھنے والے قانون ساز سے بھی یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ ایک ہی معاملہ میں وہ بیک وقت دو مختلف احکام دے۔“ آخر میں ان کی تنقید کی تان یہاں آکر ٹوٹی کہ — قرآن پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں وہ صرف حدیث سے دفع ہو سکتے ہیں یا الفاظِ دیگر مودودی صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ قرآن جس شکل میں آج ہمارے پاس موجود ہے وہ اس قسم کا ہے کہ اگر اسے خارجی سہاۓ نہ دیئے جائیں تو وہ (معاذ اللہ) ناٹریوں کی سی باتیں کرے گا جس سے متضاد اور متناقض احکام صادر کرے گا اور اس قسم کا قانون دیتا ہے جس کی توقع ایک معمولی عقل و خرد رکھنے والے انسان سے بھی نہیں ہو سکتی۔ قرآن کے ان تمام عیوب و اسقام کو رفع کرنے کے لئے ہمیں اور گوشوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اور وہ گوشے میں، روایات کے مجموعے۔

قرآن پر اعتراض

قبل اس کے کہ ہم قرآن کی زیر نظر آیات کو مودودی صاحب کے الفاظ میں نہیں بلکہ خود قرآن کے الفاظ میں پیش کر کے یہ بتائیں کہ وہ امکام کس قدر صاف اور واضح ہیں، ہم قارئین کی توجہ اس اہم حقیقت کی طرف مرکوز کرنا چاہتے ہیں کہ وہ دیکھیں کہ مودودی صاحب کے نزدیک خالص قرآن کی پوزیشن کیا ہے۔ کیا قرآن کے متعلق اسلام کے بدترین دشمن، مسیحی مشنریوں اور آریہ سماجی پیڑتوں نے اس سے کچھ مختلف کہا ہے جو مودودی صاحب ارشاد فرما رہے ہیں۔

بہر حال مودودی صاحب نے فرمایا ہے کہ قرآن کے اس تناقص و تعارض کا

یہ خدا بھلا کرے محمدؐ نے روایات کے مجموعے جمع کر کے دے گا اللہ خدا کی گمراہی ہوئی بات کو بنادیا اور اس کے ان تمام نقائص کو دود کر کے کا سامان فراہم کر دیا اور نہ رسول اللہ نے تو لا تکتبوا عنی غییر القرآن (مجھ سے قرآن کے سوا اور کوئی بات قلمبند نہ کرو) کا عاقبت نا اندیشانہ حکم صادر فرما کر دے گا اللہ تم معاذ اللہ کتاب اللہ کا میڑا ہی غرق کر دیا تھا۔ آپ مودودی صاحب کا شکر یہ ادا کیجئے کہ انہوں نے ایک انوکھی تحقیق سے اُمتِ اسلامیہ کو نوازا ہے یہ اور بات ہے کہ بمصدق غلط گورہا حفظ نباشد ترجمان القرآن کے اسی پرچے میں صرف بارہ صفحے کے بعد خدا پر مودودی صاحب اس غلط تحقیقِ انہی کی یوں تردید فرما دیتے ہیں کہ کسی مفصل بحث کے بجائے آپ کی تشبیہ کے لئے اتنا کہ دینا کافی ہے کہ قرآن مجید اپنے مدعا کو بغیر کسی ابہام کے صاف صاف بیان کرتا ہے۔ اور اس نے کسی ایسی حقیقت کو جس کا جاننا آدمی کی ہدایت کے لئے ضروری تھا واضح کئے بغیر نہیں چھوڑا ہے اب مودودی صاحب سے پوچھئے کہ ان دونوں میں سے کون سی بات صحیح ہے۔ مآء والی بات یا مآء والی؟ سچ ہے دَمَا قَدَّرُوا لِلَّهِ حَقَّ قَدْرٍ ۖ

حل حدیث سے ملتا ہے وہ حل کیا ہے اس کے متعلق دو ارشاد فرماتے ہیں۔
 اب دیکھئے کہ حدیث کس طرح ہمیں قرآن مجید کے اس مقام کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔
 جن لوگوں کے سامنے قرآن کے یہ احکام نازل ہوئے تھے ان کا بیان یہ ہے کہ اس
 عبارت کا ایک حصہ جو اے لوگو! سے شروع ہو کر ”اگر تم علم رکھتے ہو“ پر ختم ہوتا ہے،
 ابتداءً نازل ہوا تھا اور دوسرا حصہ اس کے ایک سال بعد نازل ہوا پہلے سال روزے
 فرض کرتے وقت یہ رعایت رکھی گئی تھی کہ آدمی روزے کی طاقت رکھنے کے باوجود
 اگر روزہ نہ رکھے تو فدیہ دیدے مگر دوسرے سال اس رعایت کو منسوخ کر دیا
 گیا البتہ مسافر اور مریض کے لئے سابق رعایت بحال رکھی گئی۔

اس بیان سے نہ صرف یہ کہ سارے اشکالات رفع ہو گئے بلکہ یہ بات بھی سمجھ میں
 آگئی کہ دوسرے سال آخری اور قطعی حکم دیتے ہوئے یہ تمہید کیوں اٹھائی گئی کہ یہ رمضان
 کا وہ مہینہ ہے جس میں تمہیں قرآن جیسی نعمت دی گئی۔ اب بات سمجھ میں آگئی کہ پہلے
 اللہ کی اس نعمت کا احساس دلایا گیا، پھر حکم دیا گیا کہ اس نعمت کے شکرے میں تم کو
 اس مہینے کے روزے رکھنے چاہئیں۔

آپ نے خود فرمایا کہ حدیث کی رو سے ہمیں حل کیا ملا؟ حل یہ ملا کہ۔۔
 (۱) پہلے سال روزے فرض کرتے وقت یہ رعایت رکھی گئی تھی کہ آدمی روزے
 کی طاقت رکھنے کے باوجود اگر روزہ نہ رکھے تو فدیہ دے دے۔
حکم کی منسوخی | مگر

(۲) دوسرے سال اس رعایت کو منسوخ کر دیا گیا۔
 ذرا آپ سوچئے کہ اس سے اس قانون ساز کے متعلق جیسے ہم عالم الغیب کہتے ہیں،

کیا تصور پیدا ہوتا ہے اُس نے جب پہلے سال روزے فرض کئے تو یوں حکم دیا کہ تم پر روزے فرض ہیں لیکن جو تم میں سے روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں وہ روزے کے بجائے فدیہ دیدیں یعنی بالفاظ دیگر جو روزہ رکھ سکنے کی طاقت رکھیں وہ تو فدیہ دیدیں اور روزہ وہ رکھیں جنہیں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو جو حکم قرآن کی اس تشریح کو جو مودودی صاحب نے خیر سے حدیث کی مدد سے کی ہے کسی سلیم العقل انسان کے سامنے رکھئے اور پھر اس سے پوچھئے کہ قرآن کے متعلق وہ کیا اندازہ قائم کرتا ہے؟

اب آگے بڑھیے۔ فرماتے ہیں کہ دوسرے ہی سال اللہ تعالیٰ نے اس رعایت کو منسوخ کر دیا یعنی ایک ہی سال کے تجربہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے عسوس کر لیا کہ میں نے کس قسم کا حکم دے دیا تھا۔ وہ معاذ اللہ معاذ اللہ اپنی غلطی پر متنبہ ہوا اور اپنے پہلے حکم کو واپس لے لیا۔

لیکن مودودی صاحب اس عمل تفسیح کی حکمت بھی بیان فرماتے ہیں۔ وہ محمدین و مفسرین کی تشریح کے مطابق لکھتے ہیں کہ نماز اور روزہ دونوں کی موجودہ صورت بتدریج قائم کی گئی ہے۔ جب نبی صلعم مدینہ تشریف لائے تو آپ ہر مہینے تین دن کے روزے رکھتے تھے اور ایک روزہ محرم کی دسویں کو رکھا کرتے تھے پھر اللہ نے رمضان کے روزے فرض کئے مگر یہ رعایت رکھی کہ جو روزہ نہ رکھے وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے اس کے بعد حکم آیا کہ رمضان کے روزے رکھے جائیں اور تندرست مقیم آدمی کیلئے فدیہ کی رعایت منسوخ کر دی گئی۔

لے مودودی صاحب کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ فدیہ کی رعایت تندرست اور مقیم کیلئے منسوخ ہوئی مریض اور مسافر کیلئے باقی رہی کیا ہم اُن سے اتنا پوچھ سکتے ہیں کہ قرآن میں مریض اور مسافر کے لئے فدیہ کی رعایت کہاں ہے۔ قرآن ان کے لئے دوسرے دنوں میں گنتی پوری کر دینے کا حکم دیتا ہے، فدیہ کی رعایت کہیں نہیں دیتا۔ ۱۲۔

مودودی صاحب نے فرمایا ہے کہ اس عمل منسوخ کی حکمت یہ تھی کہ روزہ کے احکام بتدریج نازل ہوئے تھے یعنی پہلے کچھ رعایتیں دی گئیں اور جب لوگ آہستہ آہستہ اس کے عادی ہو گئے تو پھر وہ رعایتیں منسوخ کر دیں۔ روزے سترہ میں فرض ہوئے تھے جب تمام روئے زمین پر مسلمانوں کی تعداد تین چار سو سے زیادہ نہ تھی ان مسلمانوں کیلئے اس رعایت کو ضروری سمجھا گیا اور وہ بھی صرف ایک ہی سال کے لئے لیکن اس کے بعد خود رسول اللہ کی زندگی میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ اسلام لائے لیکن ان کے لئے تدریج کی حکمت ضروری نہ سمجھی گئی ان میں سے ہر شخص کو وہ روزے رکھنے پڑے جن میں رعایت منسوخ ہو چکی تھی معلوم نہیں ان تین چار سو مسلمانوں کے لئے اس رعایت کی کیا ضرورت تھی اور بعد میں آنے والوں کے لئے اسے کیوں نہ ضروری سمجھا گیا۔ اگر مقصود یہ تھا کہ لوگ آہستہ آہستہ روزوں کے عادی ہو جائیں تو ہر نو مسلم کے لئے اس رعایت کی ضرورت تھی (اور اگر یہ لاکھوں مسلمان ایمان لانے کے بعد پہلے سال کے روزے بلا رعایت رکھ سکتے تھے تو سترہ سالے مسلمان ایسا کیوں نہیں کر سکتے تھے؟

دوسرا اعتراض | احکام خداوندی پر اعتراضات کے سلسلے میں مودودی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس عبارت میں پہلے ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا گیا کہ ماہ رمضان میں تم کو یہ نعمت دی گئی تھی اس لئے تم میں سے جو اس کو پائے اسے چاہیے کہ وہ اس مہینے کے روزے رکھے آخر یہ کیا انداز بیان ہے کہ پہلے کہا کہ روزہ رکھنا چند گئے چنے دنوں کا پھر تین چار فقروں میں روزوں کے متعلق بعض احکام بیان کئے پھر بتایا کہ وہ گئے چنے دن رمضان کے ہیں۔ اسی انداز بیان کو مودودی صاحب نے "ناظمی بن" سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس اشکال کا جو حل حدیث نے دیا ہے اس سے مودودی صاحب کے الفاظ میں یہ بات بھی سمجھ

میں لگئی کہ دوسرے سال آخری اور قطعی حکم دیتے ہوئے یہ تمہید کیوں اٹھائی گئی کہ یہ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں تمہیں قرآن جیسی نعمت دی گئی مودودی صاحب کی اس تشریح سے بات یہ بنی کہ

(۱) پہلے سال روزوں کا حکم دیتے ہوئے رمضان کے مہینے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ لیکن

(۲) دوسرے سال کے احکام میں رمضان کا ذکر کیا گیا۔ اور یہ ذکر اس لئے کیا گیا کہ رمضان میں قرآن نازل ہوا تھا۔

اس سے ظاہر ہے کہ یا تو پہلے سال کے روزے رمضان کے مہینے میں فرض نہیں ہونے تھے اور رمضان کی تخصیص دوسرے سال کی گئی اور اگر پہلے سال بھی روزے رمضان میں تھے تو اس وقت ابھی قرآن نازل نہیں ہوا تھا یہ ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں ہی غلط ہیں جو مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ پہلے سال بھی رمضان ہی میں روزے فرض ہوئے تھے۔ اور اس سے بھی غالباً انہیں انکار نہیں ہو گا کہ جس رمضان (سہم) میں روزے فرض ہوئے ہیں قرآن اس سے بہت پہلے نازل ہوا شروع ہو گیا تھا۔ لہذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلے ہی سال کے حکم میں تمہید اس سے کیوں نہ اٹھائی گئی کہ روزے رمضان کے مہینے کے فرض ہیں اور رمضان کے مہینے کا انتخاب اس لئے کیا گیا ہے کہ اس میں قرآن نازل ہوا۔

متن و احکام؟ | سب سے بڑا اعتراض جو مودودی صاحب کے ذہن میں گھوم رہا ہے کہ قرآن نے پہلی آیت میں مسافر، مریض اور طاقت رکھنے والے

سے متعلق رعایت کو بیان کیا ہے لیکن اگلی آیات میں مریض اور مسافر کی رعایت کو تو دہرایا گیا ہے لیکن طاقت رکھنے والے کی رعایت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ لہذا یہ متن ناقص احکام ہیں اور ان میں تطبیق کی صورت یہی ہے کہ طاقت رکھنے والے کی رعایت کو منسوخ تصور کیا جائے۔

بالفاظ دیگر مودودی صاحب اصول یہ متعین فرماتے ہیں کہ اگر ایک مقام پر قرآن نے کسی معاملہ کی پانچ جوئیات کا ذکر کیا ہے اور دوسری جگہ تین جوئیات کا تو اس سے سمجھنا یہ چاہیے کہ باقی ماندہ دو جوئیات منسوخ ہو چکی ہیں۔ مثلاً دین کی بنیاد ایمان پس ہے قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس کی تصریح فرمادی ہے کہ ایمان کے اجزاء پانچ ہیں یعنی اللہ، ملائکہ، کتب، رسل اور یومِ آخرت پر ایمان لانا۔ لیکن دوسرے مقامات پر کہیں صرف اللہ اور رسول پر ایمان کا ذکر ہے (۱) کہیں صرف اللہ اور آخرت پر ایمان کا (۲) اور کہیں فقط اللہ پر ایمان کا (۳)۔ مودودی صاحب کے مندرجہ بالا اصول کے مطابق ایمان کے وہ اجزاء جن کا ذکر قرآن کی دیگر آیات میں نہیں سب منسوخ ہیں۔ ایمان کے بعد دین کا بنیادی مسئلہ حرام اور حلال ہے۔ اس کے متعلق سورہ مائدہ کی تفسیری آیت میں جن چیزوں کو حرام کہا گیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے (۱) اَلْمَيْتَةُ (مردار) (۲) وَالدَّمُ (خون) (۳) وَلَحْمُ الْخَنزِيرِ (خنزیر کا گوشت) (۴) وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ (جسے اللہ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کیا جائے)۔ (۵) وَالْمُتَخَنِّقَةُ (گلا گھونٹ کر مارا ہوا) (۶) وَالْمَوْثُوذَةُ (چوٹ لگ کر مارا ہوا) (۷) وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ (جسے دندوں نے کھالیا ہو بھران کے جنہیں تم نے ذبح کر لیا ہو) (۸) وَمَا ذَرَجَ عَلَى النَّصَبِ (اور جسے بتوں کے تھانوں پر ذبح کیا گیا ہو) (۹) وَأَنْ تَشْتَقِيَهُمْ بِالْأَذْلَامِ (اور جسے تم پالٹوں سے تقسیم کرو) لیکن سورہ انعام اور سورہ بقرہ دونوں میں صرف چار چیزوں کا ذکر ہے یعنی مردار، بہتا ہوا خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے ناموں کی طرف منسوب (۱) و (۲)، علاوہ ازیں سورہ مائدہ اور سورہ بقرہ میں صرف دم (خون کا لفظ آیا ہے لیکن سورہ انعام میں دم مسفوح دہتا ہوا خون) بیان ہوا ہے۔ نیز سورہ انعام اور سورہ بقرہ میں حرام چیزوں کے بیان کے بعد

بھی یہ ارشاد ہے۔ فَمِنْ أَهْطَرِ غَيْرِهَا دَلَالَةٌ فَلَا آئِسَ عَلَيْهِمْ (یعنی جو شخص مجبور ہو جائے اور اپنی خواہش خلاف دوزئی قانون کی نیت سے ایسا نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں) لیکن سورہ مائدہ میں اس رعایت کا کوئی ذکر نہیں۔ مودودی صاحب کے اصول کے مطابق یہ رعایت تو ضرور منسوخ بھی جانی چاہیے کیونکہ اس کا ذکر سورہ مائدہ میں نہیں آیا نیز خون کے ساتھ منسوخ کی شرط بھی منسوخ بھی جانی چاہیے۔ کیونکہ سورہ بقرہ اور سورہ مائدہ میں خالی خون کا ذکر ہے۔

قرآن کا انداز | قرآن سے اسی قسم کی اور بھی بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں شکل

یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس کا بھی پتا نہیں کہ قرآن کا انداز بیان کیا ہے۔ اس کا انداز یہ ہے کہ وہ کہیں ایک ہی چیز کا ذکر اجمالاً کرتا ہے کہیں اس کی تفصیل دیتا ہے۔ کہیں اس تفصیل کے کوئی اجزاء بیان کرتا ہے کہیں کوئی اور اجزاء اور اس طرح "تصرف آیات" (آیات کو بار بار لانا) سے مکمل حکم سامنے آتا ہے اور ایک طرف انبیاء سابقہ کے تذکار جلیلہ اور اہم سابقہ کے قصص کے بارے میں بھی اس کا یہی انداز ہے مودودی صاحب اور ان جیسے اور حضرات چاہتے ہیں کہ قرآن کا اسلوب اس قسم کا ہونا چاہیے تھا جس قسم کا اسلوب انہیں پسند ہے اگر قرآن کا اسلوب بیان ویسا نہیں ہے تو یہ اناڑی پن کی دلیل ہے کیونکہ اس سے تضاد لازم آتا ہے اس اناڑی پن کو دور کرنے کے لئے روایات کی تلاش ہوتی ہے اور تضادات کو رفع کرنے کے لئے آیات کو منسوخ بتایا جاتا ہے اور کبھی نہیں سوچتے کہ ہم یہ باتیں کس سے متعلق کہہ رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مَا قَدَّرَ اللَّهُ حَقَّ قَدْرِهِ (۱) انہیں خدا کے متعلق صحیح اندازہ ہی نہیں۔

مکرر | مودودی صاحب کو یہ بھی اعتراض ہے کہ چند ملحقہ آیات میں ایک ہی چیز کو

دہرایا کیوں ہے یوزے کے احکام دوسرے پارہ میں ہیں اسی پارہ کے شروع میں تحویل قبلہ سے متعلق آیات ہیں جن میں کہا یہ گیا ہے کہ تم اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر دینا آیات میں دیکھیے کہ اس حکم کو کہ تم اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر دو کتنی بار اور کتنی تفصیل آیات میں دہرایا گیا ہے پہلی آیت ۲۴۱ میں فرمایا۔

قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ.

اس کے بعد آیت ۲۴۹ میں فرمایا۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور اس کے بعد انہی الفاظ کو اس سے اگلی آیت یعنی ۱۵۰ میں پھر دہرایا کہ

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور اس کے ساتھ ہی فرمایا۔

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ.

اگر (مودودی صاحب کے ارشاد کے مطابق) ایک حکم کو مسلسل آیات میں دہرایا "ناڈی پن" ہے تو معلوم نہیں وہ مندرجہ بالا آیات کے متعلق کیا ارشاد فرمائیں گے۔؟

— (۰) —

مودودی صاحب کے ارشاد کے مطابق ان تمام اعتراضات و اشکالات کا حل (جو ان کے ارشاد کے مطابق قرآن پر وارد ہوتے ہیں) یہ ہے کہ طاقت رکھنے والے کی رعایت سے متعلق حکم کو منسوخ مانا جائے۔ یعنی انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ قرآن کریم میں ایسے احکام بھی ہیں جو صرف پڑھنے کے لئے رکھے گئے ہیں تاکہ ان سے تلاوت کا ثواب حاصل ہو لیکن ان کا حکم منسوخ ہے کیا وہ بتائیں گے کہ ناسخ اور منسوخ کے اس عقیدہ کی قرآنی سند کون سی

ناسخ و منسوخ

ہے۔ مگر وہ یہ کہیں کہ اس کی سند سورۃ بقرہ کی یہ آیت ہے
 مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَلَا يَرَوْنَ
 تو یہ جواب خود ان کی اپنی اس تفسیر کے خلاف جاتا ہے جو وہ تفہیم القرآن میں لکھ چکے ہیں اس کے
 متعلق انہوں نے صاف صاف لکھا ہے کہ

یہ ایک خاص شبہ کا جواب ہے جو یہودی مسلمانوں کے دلوں میں ڈالنے کی کوشش
 کرتے تھے ان کا اعتراض یہ تھا کہ اگر کچھلی کتابیں بھی خدا کی طرف سے آئی تھیں اور
 یہ قرآن بھی خدا کی طرف سے ہے تو ان کے بعض احکام کی جگہ اس میں دوسرے احکام
 کیوں دیئے گئے ہیں ایک ہی خدا کی طرف سے مختلف وقتوں میں مختلف احکام کیسے
 ہو سکتے ہیں۔
 (تفہیم القرآن جلد اول ص ۱۱)

یعنی مودودی صاحب کی اس تفسیر کی رو سے داود قرآن کا یہی صحیح مفہوم بھی ہے کہ قرآن کریم
 نے کتب سابقہ کے بعض احکام کو منسوخ کیا ہے اور اسی امر کا تذکرہ یہاں کیا گیا ہے۔
 اس اعتبار سے قرآن کی آیات ناسخ ہیں اور کتب سابقہ کے متعلقہ احکام منسوخ یہ نہیں کہ
 قرآن ہی کے اندر بعض آیات منسوخ ہیں اور بعض آیات ناسخ قرآن کے متعلق یہ عقیدہ خدا اور
 اس کے کلام پر ایمانِ محکم کی ساری عمارت کو سمار کر دیتا ہے اور دراصل اسی مقصد کیلئے
 اسے عجیب سازشوں نے وضع کیا تھا۔ بہر حال جب خود مودودی صاحب کو اقرار ہے کہ قرآن
 کی مذکورہ صدر آیت (بابت ناسخ و منسوخ) کتب سابقہ کے منسوخ احکام سے متعلق ہے
 نہ کہ خود قرآن کے احکام سے تو وہ براہِ کرم بتائیں کہ اس عقیدہ کی قرآنی سند کیا ہے کہ
 روزوں کے احکام سے متعلق ایک آیت دوسرے سال منسوخ کر دی گئی۔

کم فہمی

مودودی صاحب نے جو اشریاں کو انادھی عقل و خود سے بے بہرہ، متضاد اور متناقض احکام کا صادر کرنے والا ہے ربط اور بے ترتیب آیات نازل کرنے والا قرار دیا ہے اس کی بنیاد صرف اس قدر ہے کہ وہ عربی کے ایک لفظ (یطیقونہ) کا صحیح مطلب سمجھ نہیں سکے اور اپنی اس جہالت کی بنا پر خدا اور قرآن کو وہ کچھ قرار دے دیا ہے جس کی جرأت کوئی زہیم یا دیندہ کر سکتا ہے اگر وہ اس لفظ کا صحیح مفہوم سمجھ لیتے تو انہیں خدا اور قرآن کے متعلق اس قدر گستاخیوں کی ضرورت پیش نہ آتی اور اس غلطی کی وجہ بھی وہی اندھی تقلید ہے کہ جو روایتوں اور تفسیروں میں لکھا ہوا پایا ہے صحیفہ خداوندی سے بڑھ کر مستند اور مقدس سمجھ لیا گیا۔ دیکھئے کہ بات کس قدر صاف ہے روزے کے احکام یہ ہیں۔

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ ۱۸۳

اے مسلمانو! جس طرح ان لوگوں پر تم سے جب پہلے گزر چکے ہیں روزہ فرض کیا گیا تھا اسی طرح تم پر بھی فرض کر دیا گیا ہے تاکہ تم تقویٰ شعار بن سکو۔

(۲) أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ

یہ روزے چند گنے ہوئے دنوں کے ہیں۔

(۳) فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۖ

پھر جو کوئی تم میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس کے لئے اجازت ہے کہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر روزے کے دنوں کی گنتی پوری کر دے۔

(۴) دَعَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةً ۖ طَعَامُ مَسْكِينٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۚ وَإِن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۖ

اور جو لوگ ایسے ہوں کہ وہ بہ دشواری روزہ رکھ سکیں تو ان کے لئے روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا کافی ہے پھر اگر کوئی اپنی خواہش سے کچھ زیادہ کرے تو یہ اس کے لئے مزید اجر کا موجب ہو گا لیکن اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو تو تمہارے لئے روزہ رکھنا بہتر ہے۔

(۵) شَهْرُ مَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ... فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّمَّنْ آيَاتِهِ أُخْرِجَ مِنْهُ رَمَضَانَ كَمَا هُوَ فِي حَسْبِ مِيقَاتِهِ... فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّمَّنْ آيَاتِهِ أُخْرِجَ مِنْهُ رَمَضَانَ كَمَا هُوَ فِي حَسْبِ مِيقَاتِهِ...
 رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ پس جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں اپنے گھر پر موجود ہو تو وہ اس مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی تم میں سے مریض ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔
 ان آیات سے ظاہر ہے:-

(۱) روزے رمضان کے مہینے کے ہیں۔

روزے کے احکام

(۲) روزے اُس کے لئے ہیں جو اس مہینے میں اپنے گھر

میں موجود ہو اور تندرست ہو مریض صحت یاب ہونے پر مسافر سفر سے واپسی پر روزوں کی گنتی پوری کر دے۔

(۳) اب ایک شکل اور باقی رہ جاتی ہے جو نہ مریض ہے۔ (عام عرفی معنوں میں) اور نہ مسافر ہے مگر کسی وجہ سے اسے روزے رکھنے دشوار ہیں مثلاً ایک بوڑھا آدمی گھر پر موجود ہے اور مریض بھی نہیں لیکن بڑھاپے کی وجہ سے کمزور اتنا ہے کہ روزہ بمشکل رکھ سکتا ہے اب ظاہر ہے کہ اس سے یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ رمضان کے بعد دوسرے دنوں میں روزہ رکھے۔ اس لئے کہ جتنے دن گزرتے جائیں گئے بڑھاپا زیادہ غالب

آتا جائے گا اس کے لئے اس کے سوا کوئی دوسری صورت تھی ہی نہیں کہ اسے روزے معاف کر کے اس سے کچھ فدیہ لے لیا جائے۔ قرآن نے یہی حکم دیا ہے۔

غور کیجئے تو اوپر کی تینوں شقوں میں ہر قسم کے حالات جمع ہو گئے اور یہی احکام کی جامعیت کا تقاضا تھا۔ فرمائیے کہ اس میں کون سے اعتراضات تھے جن کے حل کرنے کے لیے مودودی صاحب کو قرآنی آیات کو مسوخ کرنے کی ضرورت پڑ گئی۔

ہم نے ”وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ“ کا ترجمہ کیا ہے —————
يُطِيقُونَهُ کا ترجمہ | وہ لوگ جو بہ ثواری رفتہ رکھ سکیں۔ اور مودودی صاحب نے

اس کا ترجمہ کیا ہے ————— اور وہ لوگ جو روزہ کی طاقت رکھتے ہوں ————— سوال یہ ہے کہ ”يُطِيقُونَهُ“ کا کون سا ترجمہ صحیح ہے۔ ہمارے ہاں اردو میں لفظ طاقت کا جو مفہوم ہے، عربی میں اس کا وہ مفہوم نہیں۔ مودودی صاحب نے اردو کے مفہوم کو سامنے رکھ کر آیت کا ترجمہ کر دیا جس سے قرآن کا سارا مطلب ہی خبط ہو گیا۔ طاقت کا عربی مفہوم سمجھنے کیلئے عربی لغت کو دیکھئے محیط المحيط (جلد دوم ص ۳۱) میں ہے۔

طاقت کے معنی ہیں کسی چیز پر قدرت رکھنا۔ لیکن یہ ایک ایسی مقدار کا نام ہے جسے انسان بے مشقت کر سکے۔ اور حاصل یہ اس طوق کے ساتھ تشبیہ ہے جو کسی چیز کو محیط ہو۔ چنانچہ لَا تُحْمِلُنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ کے معنی یہ نہیں کہ جس کی ہمیں قدرت نہ ہو بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کا بھالانا ہمیں دشوار ہو۔

اسی طرح عربی کی مشہور لغت لسان العرب (ج ۱۲ ص ۱۱) میں ہے کہ

طاقت اُس مقدار کا نام ہے جو کسی انسان کے لئے بے مشقت کرنا ممکن ہے۔

مفتی محمد عبیدہ اپنی تفسیر المنار (ج ۲ ص ۱۵۵) میں لکھتے ہیں۔

الطَّاقَةُ دَاحِلُ مُكْنَتٍ اَوْ قُدْرَتٍ كَمَا اَوَّلَىٰ دَرَجَةُ كَانَامٍ هِيَ چنانچہ عربی لگ

اطاق الشیء صرف اُس وقت کہتے ہیں جبکہ اس کی قدرت انتہائی ضعیف ہو یعنی دشواری کے ساتھ اس کو برداشت کر سکے چنانچہ یُطِیقُوْنَه سے مراد بوڑھے ضعیف اور پانچ لوگ ہیں جن کی بیماریوں کے اچھا ہونے کی توقع نہ ہو اور وہ لوگ ہیں جو ان کے مثل ہوں مثلاً وہ کام کاج کرنے والے لوگ جن کی معاش خدا نے پر مشقت کاموں پر رکھی ہے..... اسی بناء پر امام رافعب نے کہا ہے کہ طاقت اس مفہوم کا نام ہے جس کا کرنا کسی انسان کے لئے بر مشقت ممکن ہو۔

اسی کی تائید تفسیر کثاف سے بھی ہوتی ہے جس میں لکھا ہے۔

طاقت کے معنی وہ کام ہیں جنہیں نہ تکلف یا نہ مشقت کیا جائے اور وَعَلَى الَّذِينَ يُطِیقُوْنَه سے مراد بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں ہیں جن کے لئے روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کا حکم ہے چنانچہ اسی بناء پر یہ آیت ثابت ہے نہ سوغ نہیں ہے۔

تفسیر کثاف ص ۲۵۵

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ

عربی زبان میں ”الْوُسْعُ“ کا لفظ اُس قدرت کا نام ہے جو سہولت کے ساتھ ہواور طاقت کا لفظ اُس قدرت کا نام ہے جو شدت اور مشقت کے ساتھ ہو لہذا (آیہ زیر نظر کے) معنی یہ ہوں گے کہ ”اور ان لوگوں پر جو شدت اور مشقت کے ساتھ روزہ رکھ سکتے ہیں“ (روح المعانی ص ۵۹)

آپ نے دیکھ لیا کہ طاقت کا عربی زبان میں کیا مفہوم ہے اور مردودی صاحب اس کا کیا ترجمہ کرتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ملاکی یہ پرانی عادت ہے کہ یہ اول خود ہی غلط مفروضہ قائم کرتا ہے اور پھر اس غلط مفروضہ پر غلطیوں کا ایک انبار جمع کرتا چلا جاتا ہے یہی کچھ اس

آیت کے مفہوم کی تحریف میں مودودی صاحب نے کیسا ہے کہ اول تو خود ہی آیت کا غلط ترجمہ کیا اور پھر خود ہی اعتراضات لکھ مار جمیع کرتے چلے گئے جن کے سامنے نہ (معاذ اللہ خدا کی کوئی حیثیت رہی نہ اس کی کتاب کی۔

اجمال کی تفصیل جیسا کہ طلوع اسلام میں ہمیشہ لکھا جاتا ہے کہ قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ ایک اصول بیان کر دیتا ہے اور اسے امت کے اجتماعی نظام

پر چھوڑ دیتا ہے کہ اس کی جزئیات خود متقین کر لے۔ چنانچہ علی البزین یطیعونہ میں بھی یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے یہاں ایک اصول بیان کر دیا گیا ہے اور اس کی تفصیلات خود بیان نہیں کیں (کہ وہ لوگ کون ہیں جو بہ مشقت روزہ رکھ سکتے ہیں) اس کی تفصیل پہلے بھی متقین کی جا چکی ہیں اور ان پر اب بھی غور و خوض کیا جا سکتا ہے چنانچہ القرطبی کی کتاب جامع احکام القرآن (ص ۲۶۹، ۲۷۰) میں ہے کہ

تمام علما کا اس پر اتفاق ہے کہ بڑھے مرد اور بڑھی عورتیں جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتے یا شدید مشقت کے ساتھ طاقت رکھتے ہیں ان کے لئے روزہ نہ رکھنا جائز ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ ایسے لوگوں کے ذمہ کیا ہے چنانچہ امام ربیع اور امام مالک نے کہا ہے کہ ان کے ذمہ کچھ بھی نہیں۔ (البتہ امام مالک نے اتنا کہا ہے کہ یہ لوگ روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں تو یہ میرے نزدیک پسندیدہ ہے اور انس ابن عباس رضی اللہ عنہما ابن السائب اور ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے ذمہ فدیہ ہے۔ امام شافعیؒ اور اصحاب الریثۃ (حنیفہؒ امام احمدؒ اور امام اسحقؒ) کا قول بھی یہی ہے نیز ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی اُمّ ولد سے فرمایا جو حاملہ تھی یا پسینے لگے کو دو دھ پلائی تھی کہ تو ان لوگوں میں سے ہے جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتے تیرے ذمہ فدیہ ہے قضاء۔

نہیں ہے۔

مفتی سید محمد عبد اللہؒ نے اس فہرست میں اور بھی اضافہ کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:-
 ”الذین یطیقونہ“ سے یہاں مراد بوڑھے ضعیف لوگ ہیں اور وہ اپنا بیچ لوگ ہیں جن کے
 امراض کے اچھا ہونے کی اُمید نہ ہو اور ایسے ہی ان کے مثل جو لوگ ہوں مثلاً نرود پریشہ
 لوگ جن کی معاش خدا نے ہمیشہ پر مشقت کاموں میں رکھ دی ہے جیسے کانوں سے
 کوئلے لگانے والے اور ان ہی میں وہ مجرم بھی داخل ہیں جن کو قید خانوں میں مشکل کاموں
 کا حکم دیا جاتا ہو اور ان پر روزہ رکھنا گراں ہوں تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن پر کسی
 ایسی وجہ سے جس کے دور ہونے کی اُمید نہ ہو روزہ رکھنا گراں گزرتا ہے جیسے بڑھاپا
 اور پیدائشی کمزوری اور ہمیشہ عنت کے کاموں میں مشغولیت اور پرانی بیماری جس کے اچھا
 ہونے کی اُمید نہ ہو ایسے ہی وہ شخص جن کی مشقت کا سبب بار بار (مکرر) رہتا ہو
 جیسے حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت مان سب لوگوں کے لئے جائز ہے کہ
 وہ روزہ کی جگہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں یا تاکھانا جو ایک درمیانی خوراک کے آدمی
 کا پیٹ بھر سکے۔

ان تفصیل سے حسب ذیل فہرست مرتب ہوتی ہے۔

خلاصہ

(۱) بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت ۔

(۲) حاملہ عورت ۔

(۳) دودھ پلانے والی عورت ۔

(۴) اپنا بیچ ۔

(۵) پرانی بیماریوں والے جن کے اچھا ہونے کی اُمید نہ ہو۔

(۶) ایسے کمزور لوگ جو خلقی اور پیدائشی طور پر کمزور ہی پیدا ہوئے۔

(۷) وہ مزدوری پیشہ لوگ جن کی معاش ہمیشہ پر مشقت کا محسوس میں ہو۔

(۸) وہ مجرم جنہیں جیل خانوں میں مشقت کے کام کرنے پڑتے ہوں۔

آپ غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کے معاملہ میں کس قدر رعایت رکھی تھی لیکن ملائے اس رعایت کو منسوخ کر کے کس قدر دشواریاں پیدا کر دی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو بہ مشقت روزہ رکھ سکتے تھے روزے رکھ کر ایسی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو بعض اوقات ان کی جان تک لے لیتی ہیں۔ اور اگر وہ روزہ چھوڑتے ہیں تو ملا ان کے پیچھے ڈنڈا لیکر اس بُری طرح سے پڑتا ہے کہ ان پر زندگی اجیرن بن جاتی ہے یہ ہے فرق خدا کی طرف سے عطا کردہ دین اور ملا کے خود ساختہ مذہب ہیں۔ دین تمام انسانی تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر احکام صادر کرتا ہے اور ملا کا مذہب اندھے کی لاکھی ہے۔

ملا کی خود ساختہ سختیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ رفتہ رفتہ مذہب ہی سے برگشتہ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہی وقت ہے کہ اُن کے سلسلے خدا کا دیا ہوا دین و قرآن کی اصولی تعلیم اور اس کی روشنی میں عقل انسانی کو دوسرے طے کردہ جزئیات (پیش کیا جائے تاکہ وہ اعلیٰ درجہ البصیرت دیکھ سکیں کہ دین کی بندشیں ایسی نہیں جن سے اس طرح بھاگا جائے۔



غلام اور لونڈیاں

(نومبر ۱۹۴۸ء)

قارئینِ طلوعِ اسلام میں سے ایک صاحب نے حسبِ ذیل خط مودودی صاحب کو لکھا۔
 میں آپ کے اس مطالبہ سے متفق ہوں کہ پاکستان میں شریعت کا نظام نافذ ہونا چاہیے۔
خط اس باب میں دو ایک باتیں دریافت طلب ہیں جن کی وضاحت کے لئے یہ عریضہ ارسال خدمت ہے امید ہے کہ آپ جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

(۱) سوال یہ ہے کہ کیا نظامِ شریعت میں جنگ کے قیدیوں کو غلام اور لونڈی بنانے کی اجازت ہوگی؟ کیا ان غلاموں اور لونڈیوں کو فروخت کرنے کا بھی حق ماحصل ہوگا؟ کیا ان لونڈیوں سے بیویوں کے علاوہ تہمتج جائز ہوگا اور اس پر تعدد کی تو کوئی قید نہ ہوگی؟

(۲) کیا اس نظامِ شریعت میں لونڈی و غلام کی خرید و فروخت (علاوہ ان لونڈی اور غلام کے جو جنگی قیدی ہوں) بھی پاکستان کے اندر جائز ہوگی جس طرح آج کل حجاز میں بردہ فروشی ہوتی ہے۔
 اس کے جواب میں مودودی صاحب کی طرف سے ذیل کا گرامی نامہ موصول ہوا ہے۔

مکرمی و محترمی! السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! آپ کا عنایت نامہ ملا۔

جو سوالات آپ نے کئے ہیں ان کا مختصر جواب تو ہاں اور نہیں کی

اس کا جواب

شکل میں دیا جاسکتا ہے لیکن اس سے آپ کی تسکین نہیں ہوگی۔ اس سلسلے میں ذرا تفصیل کے ساتھ آپ کو جواب دیتا ہوں۔

نظام شریعت میں جنگی قیدیوں کو لونڈی غلام بنانے کی اجازت ایسی صورت میں دی گئی ہے جب کہ وہ قوم جس سے ہماری جنگ ہوئی ہو نہ تو قیدیوں کے تبادلے پر راضی ہے نہ فدیہ دے کر قیدی چھوڑے اور نہ فدیہ دے کر اپنے قیدی چھڑائے۔

آپ خود غور کریں تو سمجھ سکتے ہیں تو اس صورت میں جو قیدی کسی حکومت کے پاس رہ جائیں، وہ یا تو نہیں قتل کرے گی یا انہیں عمر بھر اس قسم کے ”انسانی باڑوں“ میں رکھے گی جنہیں آج کل (CONCENTRATION CAMPS) کہا جاتا ہے اور کسی قسم کے انسانی حقوق دینے بغیر ان سے جبری محنت لیتی رہے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت زیادہ بے رحمانہ بھی ہے اور خود اس ملک کے لئے بھی زیادہ مفید نہیں ہے جس میں اس قسم کے قیدیوں کی ایک بڑی تعداد ہمیشہ کے لئے ایک خارجی عنصر کی حیثیت سے موجود ہے۔ اسلام نے ایسے حالات کے لئے جو مشکل اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ ان قیدیوں کو فرداً فرداً مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ان کی ایک قانونی حیثیت شخص کر دی جائے اسی طرح جو انفرادی رابطہ ایک ایک شخص کا ایک مسلم خاندان سے پیدا ہوگا۔ اس میں اس کا امکان زیادہ ہے کہ ان سے انسانیت اور شرافت کا برتاؤ ہو اور ان کا ایک اچھا خاصہ حصہ بتدریج مسلمانوں کی سوسائٹی میں جذب ہو جائے۔

جن مسلمانوں کو ایسے اسیران جنگ پر حقوق ملکیت حاصل ہوتے ہیں ان کے لئے شریعت نے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ اگر کوئی لونڈی یا غلام ان سے درخواست کرے کہ میں محنت مزدوری کر کے اپنے فدیہ کی رقم فراہم کرنا چاہتا ہوں تو وہ اس کی درخواست کو رد کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اور نئے قانون ایک خاص مدت کیلئے اس کو مہلت دینی ہوگی اور اس مدت میں اگر وہ اپنی رقم

ادا کر دے تو اسے آزاد کر دینا پڑے گا۔

اس قسم کے لونڈیوں اور غلاموں کو بیچنے کی اجازت دہا صل اس معنی میں ہے کہ ایک شخص کو ان سے فدیہ وصول کر سنے اور فدیہ وصول نہ ہونے تک ان سے خدمت لینے کا جو حق حاصل ہے اس کو وہ معاوضہ لیکر دوسرے شخص تک منتقل کر دیتا ہے۔ یہ قانون میں گنجائش جس مصلحت سے رکھی گئی ہے اس کو آپ پوری طرح سے اُسی صورت میں سمجھ سکتے ہیں جب کہ کسی دشمن فوج کے سپاہی کو بطور قیدی رکھنے کا اتفاق ہو۔ فوجی سپاہیوں سے خدمت لینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اور اسی طرح دشمن قوم کی کسی عورت کو گھر میں رکھنا کوئی کھیل نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کے لئے یہ گنجائش نہ چھوڑی جاتی کہ جس قیدی مرد یا عورت سے وہ عہدہ پُر آئے ہو سکے اس کے حقوق ملکیت دوسرے کی طرف منتقل کر دے تو یہ لوگ بلائے جان بن جائے۔

جنگ میں گرفتار ہونے والی عورتوں کے لئے جبکہ زنان کا تبادلہ ہوا اور نہ فدیہ کا معاملہ طے ہو سکے، اس سے بہتر حل اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس شخص کی ملکیت میں وہ دی جائیں اس کو ان کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے کا قانونی حق دیدیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یہ عورتیں ملک میں بد اخلاقی پھیلنے کا ایک مستقل ذریعہ بن جاتیں قانونی حیثیت سے ملک یمین اور عقد نکاح میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ بلکہ ملک یمین تو باقاعدہ حکومت کے توسط سے حاصل ہوتی ہے جو عورت کسی کے ملک یمین میں دی جائے اس کے ساتھ کسی دوسرے شخص کا جنسی تعلق جائز نہیں ہے۔ جو اولاد اس سے ہوگی اس کا نسب اصل مالک ہی سے ثابت ہوگا اور وہ اپنے باپ کی اسی طرح جائز وارث ہوگی جس طرح کسی آزاد بیوی کی اولاد جس لونڈی سے اولاد ہو جائے اسے بیچنے کا مالک کو حق نہیں رہتا اور مالک کے مرنے کے بعد وہ عورت خود بخود آزاد ہو جاتی ہے۔ لونڈیوں سے تہمت کے لئے تعداد کی قید اس لئے نہیں لگائی گئی کہ ان عورتوں کی تعداد کوئی تعین ممکن نہیں ہے۔

جو کسی جنگ میں گرفتار ہو کر آسکتی ہیں۔ بالفرض اگر ایسی حالتوں کی بہت بڑی تعداد جمع ہو جائے، تو سوسائٹی میں انہیں کھپانے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے جبکہ لونڈیوں سے تمتع کے لئے تعداد کا تعین پہلے ہی کر دیا گیا ہو لیکن بعد کے ادوا میں امر اور وساد نے اس قانونی گنجائش کو جس طرح عیاشی کا حیلہ بنا دیا وہ ظاہر ہے کہ شریعت کے منشا کے بالکل خلاف تھا۔ کوئی رئیس اگر عیاشی کرنا چاہے اور قانون کے منشا کے خلاف قانون کی گنجائشوں سے فائدہ اٹھانے پر اتر آئے تو نکاح کا ضابطہ ہی کب اس کے لئے رکاوٹ بن سکتا ہے وہ۔ ورنہ ایک نئی عورت سے نکاح کر سکتا ہے اور دوسرے دن اُسے طلاق دے سکتا ہے۔

حجاز میں جو بردہ فروشی آج کل ہوتی ہے اس کی تفصیل مجھے معلوم نہیں لیکن اصولی طور پر میں یہ عرض کر سکتا ہوں کہ جنگ کے سوا کسی دوسرے طریقے سے آزاد آدمیوں کو پکڑنا اور ان کی خرید و فروخت کرنا شریعت میں حرام ہے۔

والسلام

بقلم ابوصالح اصلاحی بحکم حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب موردی

مکتوب الیہ کا استفسار | محترم موردی صاحب نے میرے استفسارات کا جواب نفی یا اثبات میں نہیں دیا لیکن ان کے خط سے ظاہر ہے کہ ان کے

نزدیک اسلام میں جنگ کے قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنانے کی اجازت ہے ان غلاموں اور لونڈیوں کو فروخت بھی کیا جاسکتا ہے۔ ان لونڈیوں سے تمتع بھی جائز ہوگا اور اس پر تعداد کی کوئی قید نہیں ہوگی۔

اس کی تائید میں انہوں نے جو دلائل بیان فرمائے ہیں کم از کم میں تو ان سے مطمئن نہیں ہوا۔ میرا تو اس تصور سے دل کا پتہ ہے کہ اسلام جو دنیا سے خلائی مٹلنے کا دعویٰ ہے وہ خود انسانوں کو غلام اور لونڈیاں بنانے کی اجازت دیتا ہو۔ لیکن چونکہ یہ معاملہ مذہب سے تعلق

رکھتا ہے اس لئے گزارش ہے کہ براہ کرم مطلق فرمائیں کہ کیا میں مودودی صاحب کے خط سے جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ درست ہے اور آیا اسلام کی یہی تعلیم ہے؟ جواب خواہ براہ راست مجھے تحریر فرمادیں خواہ وہ طلوع اسلام میں درج فرمادیں۔

والسلام۔

طلوع اسلام کی طرف سے جواب | ہمارے بھائی نے مودودی صاحب کے خط سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ بالکل درست ہے وہ اس کے قائل ہیں کہ اسلام میں اسیران جنگ کو غلام اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنایا جاسکتا ہے ان غلاموں اور لونڈیوں کو فروخت بھی کیا جاسکتا ہے اور ان لونڈیوں سے بلا قید نکاح و تعداد جنسی تعلقات بھی قائم کئے جاسکتے ہیں۔ باقی رہے ان کے دلائل تو وہ یقیناً اسطو کے ان دلائل سے زیادہ دقیق اور قوی نہیں ہیں جو وہ نفس غلامی کے جواز بلکہ وجوب میں دیا کرتا تھا کہتے ہیں اس کے پاس ستر غلام تھے اور وہ غلامی کے وجوب میں اتنے ہی دلائل رکھتا تھا جنہیں ناقابل تردید سمجھا جاتا تھا لیکن یونان کو اسطو کے دلائل لے ڈوبے اور اسلام کو مودودی صاحب جیسے فقہا کی منطق۔

عذر اسے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں!

ہمیں اس اضطراب کی علت بھی معلوم ہے جس کی وجہ سے مودودی صاحب کو اس سیدھے سادے جواب کے لئے دلائل و مصالح کے سہارے تلاش کرنے پڑے۔ خواہ وہ دلائل و مصالح خود دوسرے سہاروں کے محتاج ہی کیوں نہ ہوں اور وہ علت یہ ہے کہ ایک طرف ان کا دامن روایات کی خاردار جھاڑیوں سے الجھا رہا تھا اور دوسری طرف وہ ”ماڈرن“ بھی بننا چاہتے ہیں لہذا کشمکش لازم ہے۔

ایمان مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے!

طلوع اسلام عہد کے عطا فرمودہ دین کو دین سمجھتا ہے جو حقائق کا صحیح ترجمان ہونے کی وجہ سے
قدامت و جدت کی کشمکشوں سے بلند ہے وہ جس قدر فراست بھی حاصل کر سکے کی استطاعت
رکھتا ہے خدا کی کتاب میرے حاصل کرتا ہے۔ اس لئے اسے ان امور میں کبھی الجھاؤ پیدا
نہیں ہوگا!

قلندر جزو دوحرف لاء کچھ بھی نہیں رکھتا فقیہ شہ قاروں ہے لفت ہائے حجازی کا۔
قرآن میں امیران جنگ کے متعلق سورہ محمد کی ایک ہی آیت میں حکم ہے
اور اس آیت کے چار لفظوں نے معاملہ کو صاف کر کے رکھ دیا ہے۔
اس نے کہا ہے کہ جنگ میں جو قیدی تمہارے ہاتھ آئیں

فَاِمَّا مِّنَّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً مِّنَّا

انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا احسان رکھ کر

اللہ خیر سلا۔ باقی رہی وہ مدت جس میں وہ بطور قیدی تمہارے پاس رہیں تو ظاہر ہے کہ وہ انسان
ہیں اور ان سے انسانوں جیسا سلوک روا رکھا جائے گا۔ کسی سے انسانیت سے گرا ہوا سلوک،
خود مسلمان کے شعار کے خلاف ہے کسی انسان پر دوسرے انسان کا حق ملکیت یکسر غیر فطری
ہے اسلام جو شرف انسانیت اور احترام آدمیت کی تعلیم دینے کے لئے آیا تھا۔ اس کا مقصد اس
سے کہیں بلند ہے کہ وہ ایک انسان کو دوسرے انسان کی ملکیت میں دے دینے کی اجازت
دیدے اور اس کے لئے راہیں کشادہ کر دے۔ غلامی اسی کو کہتے ہیں۔ اور اسلام کا دامن
تقدس ان اتہامات سے یکسر پاک ہے جو اس کے دشمنوں نے وضعی روایات کے راستے

پر لگائے اور جو آج ہماری شومی قسمت سے ہمارا دین بن چکے ہیں مَبْعُوثٌ وَتَعَالٰی
عَمَّا يَصِفُونَ ۶/۱

قرآنی احکام | قرآن میں ملکِ بھین دغلاموں اور لونڈیوں کے متعلق جس قدر احکام ہیں۔ وہ اُن غلاموں اور لونڈیوں سے متعلق ہیں جو اس وقت عربوں کے ہاں موجود تھے اور جنہیں آہستہ آہستہ ہی ان احکامات کی رو سے جبر و سواٹھی بنایا جاسکتا تھا۔ اس نے انہیں اس طرح بندرتک معاشرۂ اسلامی میں جذب کیا اور اُنڈہ کے لئے غلامی کے دروازے اس حکم کی رو سے بند کر دیئے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے لیکن مسلمانوں کی ملکیت نے ان دروازوں کو ایک ایک کمرے پھر سے کھول لیا اور قیامت بالائے قیامت کہ اس ننگِ انسانیت مسلک کو وضعی روایات کی رو سے منسوب کر دیا اُس ذاتِ اقدس و اعظم کی طرف جس کے ظہور کا مقصد ہی قرآن نے یہ بتایا تھا کہ وہ ان اغلال و سلاسل کو توڑنے کے لئے آیا ہے جس میں انسانیت جکڑی ہوئی آرہی تھی یُضَعِّعُ عَنْهُمْ اَصْرَهُمْ وَاِلْغَالُ الَّذِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۷/۱۷

مودودی صاحب غلامی کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آج کل جنگ کے قیدی جس قسم کے (CONCENTRATION CAMPS) میں رکھے جاتے ہیں۔ اور ان سے وہاں جس قسم کا انسانیت سوز سلوک کیا جاتا ہے اس سے بہتر ہے کہ انہیں غلام اور لونڈیاں بنا لیا جائے۔

ناطقہ مر جرباں کہ اسے کیا کہیے!

اقل تو یہ کہ انہوں نے فرض کر لیا ہے کہ قرآنی نظام میں بھی قیدیوں کے عبوری زمانہ میں کمپوں کی یہی حالت ہوگی جیسی آج کل کی ایسی سیاست میں ہوتی ہے اس نظام میں،

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے انسانوں سے انسانوں جیسا ہی سلوک کیا جائے گا کہ وہ نظام ظلم کو روکنے کے لئے قائم ہوتا ہے پھر یہ بھی دیکھیے کہ بجائے اس کے کہ ہم اُن (GAMPS) کی اصلاح کا کوئی طریقہ سوچیں جو مسلمانوں کے ہاں اسیران جنگ کیلئے تیار کئے جائیں گے، ہم کہتے ہیں تو یہ کہ اسلام نے اس خرابی کا حل یہ بتایا ہے کہ ان کے مردوں کو غلام بنالیا جائے اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں کیا عمدہ اصلاح ہے؟ انسانیت اس پر نار کرے گی اور دنیا کے قیدی اس احسانِ عظیم پر سجدہ ریز، جب وہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھیں گے کہ ان کی بیبیاں، بہنیں، بیٹیاں ان مصلحین کی ہوس رانیوں اور عیش جوئیوں کا سامان بن رہی ہیں مردودی صاحب فرماتے ہیں کہ

فوجی سپاہیوں سے خدمت لینا کوئی آسان کام نہیں ہے اور اسی طرح دشمن قوم کی کسی عورت کو گھر میں رکھنا کوئی کھیل نہیں ہے۔

یعنی قیدیوں سے کام لینا مشکل ہے اور اسی ان کی عورتوں کو گھروں میں رکھنا بھید پر خطر لیکن انہیں جب غلام بنالیا جائے تو پھر یہ مشکل آسان ہو جاتی ہے اور ان کی عورتوں سے جب ان کے مردوں کے سامنے ان کی اپنی مرضی کے خلاف جنسی تعلقات قائم کر لئے جائیں تو اس سے وہ تمام خطر اب رفع ہو جائیں گے جو دشمن قوم کے افراد ہونے کی جہت سے ان کی طرف سے وارد ہو سکتے تھے!

پھر فرماتے ہیں :-

دوسری دلیل

جنگ میں گرفتار ہونے والی عورتوں کیلئے اس سے بہتر حل اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس شخص کی ملکیت میں وہ دی جائیں اس کو ان کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے کا قانونی حق دیدیا جائے اگر ایسا نہ کیا جاتا

تو یہ عورتیں ملک میں بد اخلاقی پھیلانے کا ایک مستقل ذریعہ بن جاتیں۔

یعنی اگر ایک شخص دس دس بیس بیس عورتیں سنبھال لے اُن سے اُن کی مرضی کے خلاف جنسی تعلقات پیدا کر لے اور پھر جب جی چاہے انہیں کسی دوسرے کی طرف منتقل کر دے اور اُن کی دوسرے سے قیمت بھی وصول کر لے تو یہ سب کچھ پاکیزگی اخلاق میں داخل رہتے اور اگر ان عورتوں کو اس طرح آپس میں نہ بٹھا جائے تو وہ سوسائٹی میں مستقل بد اخلاقی پھیلانے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اب اس کے متعلق اس سے زیادہ کیا کہا جائے کہ اول الذکر بد اخلاقی اس لئے حسن اخلاق میں داخل ہو گئی کہ آپ نے اسے مشروع قرار دیدیا اور موخر الذکر اس لئے حرام کاری قرار پا گئی کہ آپ کی بارگاہ سے اسے جواز کا فتویٰ انہیں مل سکا۔ آری یہ سماجی نیوگ کی تائید میں بھی یہی دلیل پیش کیا کر سکتے ہیں کہ جس قسم کے تعلق کو سوسائٹی جائز قرار دیدے وہ جائز ہوتا ہے اس پر کسی اور کو اعتراض کا کیا حق حاصل ہے؟

ان کا فلسفہ | لونڈیوں کی تعداد کو بے قید چھوڑ دینے کا فلسفہ بیان فرمانے کے بعد مودودی صاحب ارشاد فرماتے ہیں :-

لیکن بعد کے ادوار میں امراء و رؤساء نے اس قانونی گنجائش کو جس طرح عیاشی کا جیلہ

بتایا وہ ظاہر ہے کہ شریعت کے منشاء کے بالکل خلاف ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ جب قوم کے ہاں لونڈیاں دھڑا دھڑا آ رہی ہوں۔ ان کی تعداد کی بھی کوئی حد مقرر نہ ہو وہ ایک دوسرے کی طرف منتقل بھی کی جا سکتی ہوں تو پھر وہ کون سی عیاشی ہے جسے آپ شریعت کی منشاء کے خلاف کہہ سکتے ہیں جسے لونڈی مل جائے اور ”شریعت“ اس سے جنسی تعلقات کی اجازت دیتی ہو تو پھر اُس لونڈی سے تمتع عیاشی کا جیلہ کس طرح بن جائے گا عیاشی کے سامان تو خود ذراہم کہ دیئے جائیں اور اُن سے

مستفید ہونے والوں پر الزام بھی دھرا جائے۔ باقی رہا ہر روز ایک نئی عورت سے نکاح کرنا اور دوسرے روز طلاق دے دینا، سو یہ بھی اُسی صورت میں ہو سکتا ہے جب نظام شریعت قرآن پر مبنی نہ ہو۔ قرآنی نظام میں طلاق دے دینا ایسا کھیل نہیں ہے اس میں یہ مذاق نہیں ہوگا کہ طلاق، طلاق، طلاق کیا اور بیوی کو ٹھوکر مار کر نکال باہر کیا۔

مودودی صاحب نے لونڈیوں پر بڑا احسان یہ ظاہر فرمایا ہے کہ جس لونڈی سے اولاد ہو جائے اسے بیچنے کا مالک کو کوئی حق نہیں رہتا اور مالک کے مرنے کے بعد وہ عورت خود بخود آزاد ہو جاتی ہے لیکن کسی اور کو معلوم ہو یا نہ ہو انہیں تو یقیناً معلوم ہوگا کہ ان کی شریعت نے یہ تدبیر بھی خود ہی بتا دی ہے کہ لونڈیوں سے جنسی تعلقات بھی قائم کئے جائیں اور پھر یہ خدشہ بھی نہ رہے کہ ان کے اولاد پیدا ہو جائے گی اور اس طرح اسے بیچنے کا حق باقی نہ رہے گا یہ

سنئے، وہ تفسیر کیا ہے؟ صحیح بخاری کتاب البیوع، باب بیع الرقيق۔ (مطبوعہ مصر، جلد دوم ص ۱۹) میں یہ حدیث بیان کی گئی ہے۔

لے طلوع اسلام پردہ وخت بڑا اذیت و کرب کا ہوتا ہے جب اُسے کوئی ایسی بات درج کرنی پڑے جسے دنیا کے سامنے پیش کرنے سے ہماری نگاہیں زمین میں گر جائیں لیکن کیا کیا جائے بعض صورتیں ایسی پیش آ جاتی ہیں کہ ان میں یہ ناگوار فریضہ ناگزیر ہوتا ہے۔ چنانچہ موضوع زیر نظر میں ہم عمداً اس سے گریز کرتے رہے کہ وہ روایات درج نہ کرنی پڑیں جو لونڈیوں کے بارے میں ہماری کتب احادیث میں موجود ہیں لیکن ایک دو روایات تو ضرور نقل کرنی ہی پڑ گئیں۔ ان کے بغیر اصل بات سمجھ میں نہیں آ سکتی۔

عزل | ان اباسعید الخندری الخبرہ انہ بیما هو جالس عند رسول اللہ قل یا رسول اللہ انا نصیب سبیا فنجب الاثمان فکیف تری فی العزل فقال اولکم اتفعکون ذالک لا علیکم ان لا تفعلوا ذالکم فاتھا لیست نسمة کتب اللہ ان تحزج الاهی خارجة۔

ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک روز جب کہ رسول اللہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے حضور سے عرض کیا کہ ہم قیدی عورتوں کے ساتھ جماع کرتے ہیں مگر ہم چاہتے ہیں کہ وہ چاہدہ ہوں کیونکہ ہم انہیں بیچنا چاہتے ہیں تو عزل کرنے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ حضور نے فرمایا کیا تم ایسا کرتے ہو؟ تم پر ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ جو بچہ پیدا ہونے والا خدا نے مقرر کیا ہے وہ پیدا ہو کر رہے گا۔

عزل کے متعلق صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب تعزل۔ (جلد سوم ص ۱۶۳) میں جابر بن عبد اللہ کی یہ روایت بھی موجود ہے کہ ۱۔

قال کنا العزل علی عهد النبی والقرآن یُنزل

ہم حضور کے زمانہ میں عزل کیا کرتے تھے اور قرآن نازل ہوا کرتا تھا۔

اور اگر حمل ہو جائے تو؟ اسی صحیح بخاری (جلد دوم ص ۱۶۱) میں یہ حدیث بھی موجود ہے کہ ۲۔

غیر فطری مجامعت

لا باس ان یصیب من جاریة الحامل ما دون الفرج

اس میں بھی حرج نہیں کہ اپنی حاملہ لونڈی سے شرمگاہ کے علاوہ دوسری جگہ سے مجامعت کر لی جائے۔

معاذ اللہ! معاذ اللہ!! یہ ہیں وہ احادیث جنہیں حتیٰ مرتبت علیہ النقیۃ والصلوٰۃ کی ذات گرامی اور صحابہ کبار کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور انہیں شریایا جاتا کہ کل قیامت کو خدا اور اس کے رسول امین کے سامنے کیا جواب دیں گے۔

بہر حال یہ ہے وہ ”نظام شریعت“ جسے مودودی صاحب یہاں رائج کرنا چاہتے ہیں آپ اسے اپنے ہاں رائج کریں گے اور قوم مخالف کے جنی قیدیوں کو غلام اور ان کی مستورات کو لونڈیاں بنائیں گے تو آپ انہیں روک نہیں سکتے کہ وہ آپ کے قیدیوں کو غلام بنائیں اور آپ کی شریف بیویوں کے ساتھ اسی طرح جنسی تعلقات قائم کر کے انہیں آگے منتقل کرتے رہیں۔ یہ سلسلہ جب عام ہو جائے گا تو مودودی صاحب اور ان کے ہم نوا حضرات خوش ہوں گے کہ خدا کا دین کس طرح ساری دنیا میں خود بخود پھیل رہا ہے۔

کسے خبر کہ سینے ڈبو چکی کتنے
فقیرہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی

یہ کچھ تھا جو اس موضوع پر ۱۹۴۸ء میں لکھا گیا تھا۔ اس کے بعد مودودی صاحب نے اس موضوع پر اور کچھ بھی لکھا۔ طلوع اسلام ٹرسٹ نے ان تمام مباحث کو ایک کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے جس کا نام ہے۔

”قتل مرتد، غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت“

اس میں علاوہ غلام اور لونڈیوں، کے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قتل مرتد، اور یتیم پوتے کی وراثت کے متعلق بھی مودودی صاحب کے عقائد کس طرح قرآن کے یکسر خلاف ہیں اس باب میں اُن میں اور ایک کڑی لڑائی کوئی فرق نہیں۔

مادرین ملّا

اکتوبر ۱۹۵۱ء

کاروباری دنیا کے خاص انداز ہوتے ہیں جنہیں بزنس کی ٹکنیک کہا جاتا ہے دورِ حاضرہ میں بزنس کی ٹکنیک یہ ہے کہ مال خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اس کا پکنگ نہایت شاندار ہونا چاہیئے اور چار آنے کی چیز پر بارہ آنے اشتہار پر صرف کر دینے چاہئیں۔ اشتہار میں جبرّت ہونی چاہیئے اور فرسودہ طریقوں کی مذمت کے بعد بتانا یہ چاہیئے کہ ہمارا مال دورِ حاضرہ کی (LATEST) ترکیب کے مطابق تیار کیا گیا ہے اس لئے یہ بالکل

(UP TO DATE) ہے۔

ملا بہت پرانا کاروباری ہے اس کے معاش کا ذریعہ ہی مذہب ہے اس دور میں مذہب کی فرسودگی کے خلاف عام جذبہ بیزاری پیدا ہوا تو ملا کے کاروبار میں کسادبازی شروع ہو گئی۔ ان میں سے چالاک دکان داروں نے اس مسئلے پر غور کیا تو وہ اس لاد کو پل گئے کہ اس دکان میں جب تک اسی زمانے کی بزنس ٹکنیک سے کام نہیں لیا جائے گا کاروبار چل نہیں سکے گا چنانچہ انہوں نے آہستہ آہستہ اس ٹکنیک کو اختیار کرنا شروع کیا سب سے پہلی چیز جو اس کاروبار کی راہ میں حائل ہو رہی تھی وہ ملا کا پرانا اسٹائل تھا۔ ان ہوشیار دکان داروں نے

بزنس ٹکنیک

اس فرسودہ اسٹائل کی جگہ نئے صحافتی اسٹائل کو اختیار کیا اور اس طرح اسی پرانے مال کو نئے پیننگ کا پیرہن پہنا دیا۔ اسٹائل کے ساتھ ملا کے پرانے لٹریچر کا انداز اشاعت بھی دقیا نوسی (نوٹکسوری) ڈنگ کا ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنے لٹریچر کا لباس GET UP بھی نہایت جاذب توجہ تیار کر لیا۔ اس کے بعد ایڈوٹیزمنٹ کی باری آئی اس کے لئے انہوں نے ملا کی جامد دقیا نوسیٹ کو کونسا شروع کر دیا تاکہ عوام کو یہ معلوم ہو کہ ان کا مال مُلا کا پرانا مال نہیں بالکل تازہ اور نیا مال ہے اسی طرح انہوں نے وہی پرانا سٹرا ہوا مال محض پیننگ اور اشتہار کے زور پر نیا کر کے پچتا شروع کر دیا اور ان کی تجارت بڑی کامیاب رہی۔ ان کا میاب دکانداروں میں اسلامی جماعت سب سے پیش پیش ہے۔ انہوں نے دورِ حاضرہ کی بزنس ٹکنیک کا نہایت غور سے مطالعہ کیا ہے اور اس سے نہایت چابک دستی اور پُرکاری سے اپنایا ہے۔ آپ ان کی تحریروں کو دیکھئے اسلوب بیان صحافتی، پیش کرنے کا انداز بالکل دورِ حاضرہ کے مطابق، ملا ازم کی گورنہ تقلید اور قبرستانی محمود کے خلاف طعن و تشنیع، سطح بین نگاہیں فوراً اس دامن تزویر میں پھنس جاتی ہیں لیکن جب اس حسین و دلکش پیننگ کو کھول کر دیکھئے تو وہی مُلا لام اور وہی اس کی سٹرائنڈ مثلاً آپ اگست ۱۹۵۱ء کا ترجمان القرآن اٹھائیے۔ یہ مجموعہ ہے ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی اُن تقاریر کا جو پیننگ | ریڈیو سے وقتاً فوقتاً نشر ہوتی رہیں ان میں ایک عنوان ہے معراج کی رات اس عنوان کے ماتحت ایک تقریر کی تمہید کے الفاظ یہ ہیں :-

معراج کا واقعہ حضرت محمدؐ کی زندگی کے سب سے زیادہ مشہور واقعات میں سے ہے لیکن یہ جس قدر مشہور ہے اسی قدر افسانوں کی تہیں اس پر چڑھ گئی ہیں عام لوگ خوب پسند دیتے ہیں ان کی عجائب پسندی کو بس اپنی تسکین کا سامان چاہتے۔

اس لئے معراج کی اصل اور اس کی غرض اور اس کے فائدوں اور نتائج کو تو انہوں نے نظر انداز کر دیا اور ساری گفتگو اس پر مہم نے لگی کہ آنحضرتؐ جسم کے ساتھ آسمان پر گئے تھے یا صرف روح گئی تھی۔ براق کیا تھا اور فرشتے کس شکل کے تھے؟ حالانکہ واقعہ تاریخ انسانی کے اُن بڑے واقعات میں سے ہے جنہوں نے زمانہ کی رفتار کو بدلا اور تاریخ پر اپنا مستقل اثر چھوڑا۔

اس تمہید کی اٹھان پر غور کیجئے۔ نظر آتا ہے کہ کہنے والا ملازم کی افسانہ پرستی اور عجوبہ پرستی سے سخت بیزار ہے۔ واقعہ معراج میں براق اور فرشتوں کی شکل و صورت کی دقیانوسی حیثیتوں میں نہیں الجھنا چاہتا۔ بلکہ اس کی اُس غایت کبریٰ سے بحث کرنا چاہتا ہے جس نے تاریخ انسانیت پر اپنا گہرا اثر چھوڑا ہے۔

لیکن مال | کیسا جاذب نگاہ ہے یہ پکینگ اور کتنی دلکش اور رنگین ہے اشتہار کی یہ سلاٹ۔ بھولا خریدار اس سرہند پکیٹ کو خرید لیتا ہے اور جب گھرا کر کھولتا ہے تو اس میں سے حسب ذیل مال نکلتا ہے۔

معراج کا سفر نامہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبری کے منصب پر مقرر نہ ہوئے ۱۲ سال گزردے چکے تھے باؤں برس کی عمر تھی۔ حرم کعبہ میں سورہ ہے تھے۔ یکایک جبریلؑ فرشتے نے آکر آپ کو جگایا۔ نیم خفتہ و نیم بیدار حالت میں اٹھا کر آپ کو زم زم کے پاس لے گئے۔ سینہ چاک کیا اور زم زم کے پانی سے اس کو دھویا۔ پھر اسے علم اور بردباری اور دانائی اور ایمان و یقین سے بھر دیا۔ اس کے بعد آپ کی سواری کے لئے ایک جانور پیش کیا جس کا رنگ سفید اور قد خچر سے کچھ چھوٹا تھا۔ برق کی رفتار سے چلتا تھا اور اسی مناسبت

براق سے اس کا نام براق تھا پہلے انبیاء بھی اسی نوعیت کے سفر میں اسی سواری پر جایا کرتے تھے جب وہ سوار ہونے لگے تو وہ چکا جبریل نے تسکلی دے کر کہا: دیکھ کیا کرتا ہے۔ آج تک محمدؐ سے بڑی شخصیت کا کوئی انسان تجھ پر سوار نہیں ہوا ہے پھر آپ اس پر سوار ہوئے اور جبریلؑ آپ کے ساتھ چلے پہلی منزل مدینہ کی تھی جہاں اتر کر آپ نے نماز پڑھی۔ جبریلؑ نے کہا اس جگہ آپ ہجرت کر کے آئیں گے۔ دوسری منزل طور سینا کی تھی جہاں خدا حضرت موسیٰؑ سے ہم کلام ہوا تیسری منزل بیت لحم کی تھی جہاں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے چوتھی منزل پر بیت المقدس تھا جہاں براق کا سفر ختم ہوا۔

اس سفر کے دوران میں ایک جگہ کسی پکارنے والے نے پکارا آپ نے کوئی توجہ کی جبریلؑ نے بتایا یہ یہودیت کی طرف بلاتا تھا۔ دوسری طرف سے آواز آئی ادھر آؤ آپ اس کی طرف بھی ملتفت نہ ہوئے جبریلؑ نے کہا کہ یہ عیسائیت کا داعی تھا پھر ایک عورت نہایت ہی بنی سنوری نظر آئی اور اس نے اپنی طرف بلایا۔ آپ نے اس سے بھی نظر پھیر لی جبریلؑ نے کہا یہ دنیا تھی پھر ایک بوڑھی عورت سامنے آئی جبریلؑ نے کہا دنیا کی عمر کا اندازہ اس کی عمر سے کر لیجئے۔ پھر ایک اور شخص ملا جس نے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر آپ اسے بھی چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ جبریلؑ نے کہا یہ شیطان تھا جو آپ کو راستے سے ہٹانا چاہتا تھا۔

بیت المقدس پہنچ آپ براق سے اتر گئے اور اسی مقام پر اسے باندھ دیا جہاں پہلے انبیاء اس کو باندھا کرتے تھے ہیکل سلیمانی میں داخل ہوئے تو سب پیغمبروں کو موجود پایا جو ابتداء سے آخرینش سے اُس وقت تک دنیا میں پیدا ہوئے تھے آپ

کے پہنچتے ہی نماز کے لئے صفیں بندھ گئیں سب منتظر تھے کہ امامت کے لئے کون آگے بڑھتا ہے جبریل نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا اور آپ نے سب کو نماز پڑھائی پھر آپ کے سامنے تین پیالے پیش کئے گئے ایک میں پانی دوسرے میں دودھ تیسرے میں شراب آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھایا جبریل نے مبارک باد دی کہ آپ فطرت کی راہ پا گئے۔

اس کے بعد ایک سیر بھی آپ کے سامنے پیش کی گئی اور جبریل اس کے ذریعے سے آپ کو آسمان کی طرف لے چلے۔ عربی زبان میں سیر بھی کو معراج کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے یہ سارا واقعہ معراج کے نام سے مشہور ہوا ہے۔

پہلے آسمان پر پہنچے تو دروازہ بند تھا۔ محافظ فرشتوں نے پوچھا کون آتا ہے۔ جبریل نے اپنا نام بتایا۔ پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبریل نے کہا محمدؐ پوچھا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں اب دروازہ کھلا اور آپ کا پر تپاک خیر مقدم کیا گیا۔ یہاں آپ کا تعارف فرشتوں اور انسانی اعداء کی اُن بڑی شخصیتوں سے ہوا جو اُس مرحلہ پر مقیم تھیں ان میں نمایاں شخصیت ایک ایسے بزرگ کی تھی جو انسانی بناوٹ کا مکمل نمونہ تھے چہرے مہرے اور جسم کی ساخت میں کسی پہلو سے کوئی نقص نہ تھا۔ جبریل نے بتایا یہ آدم ہیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ ان بزرگ کے دائیں بائیں بہت لوگ تھے وہ دائیں جانب دیکھتے تو خوش ہوتے اور بائیں جانب دیکھتے تو روتے۔ پوچھا یہ ساجا کیا ہے بتایا گیا یہ نسلِ آدم ہے۔ آدم اپنی اولاد کے نیک لوگوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور بُرے لوگوں کو دیکھ کر روتے ہیں۔

تفصیل

پھر آپ کو تفصیلی مشاہدہ کا موقع دیا گیا۔ ایک جگہ آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ کھیت کاٹ رہے ہیں اور جتنی کاٹتے جاتے ہیں اتنی ہی وہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ پوچھایہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔

پھر دیکھا کچھ لوگ ہیں جن کے سر تھپردوں سے کھلے جا رہے ہیں پوچھایہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ لوگ ہیں جن کی سرگرمی انہیں نماز کے لئے اٹھنے نہ دیتی تھی۔

کچھ اور لوگ دیکھے جن کے کپڑوں میں آگے اور پیچھے پیوند لگے ہوئے تھے اور وہ جانوروں کی طرح گھاس چر رہے تھے۔ پوچھایہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ ہیں جو اپنے مال میں سے زکوٰۃ، خیرات کچھ نہ دیتے تھے۔

پھر ایک شخص کو دیکھا کہ لکڑیوں کا گٹھا جمع کر کے اٹھانے کی کوشش کرتا ہے اور جب وہ نہیں اٹھتا تو اس میں کچھ اور لکڑیاں بڑھالیتا ہے پوچھایہ کون احمق ہے؟ کہا گیا یہ وہ شخص ہے جس پر ماموتوں اور ذمہ داریوں کا آنا بوجھ تھا کہ اٹھانہ سکتا تھا مگر یہ ان کو کم کرنے کے بجائے اور زیادہ ذمہ داریوں کا بار اپنے اوپر لا دے چلا جاتا تھا۔ پھر دیکھا کہ کچھ لوگوں کی زبانیں اور ہونٹ قیضیوں سے کمرے جا رہے ہیں پوچھایہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ غیر ذمہ دار مقرر ہیں جو بے تکلف زبان چلانے اور فتنہ برپا کیا کرتے تھے۔ ایک اور جگہ دیکھا کہ ایک پتھر میں ذرا سا شگاف ہوا اور اس میں سے ایک بڑا موٹا سا بیل نکل آیا۔ پھر وہ بیل اُسی شگاف میں واپس جانے کی کوشش کرنے لگا مگر نہ جاسکا۔ پوچھایہ کیا معاملہ ہے؟ کہا گیا یہ اُس شخص کی مثال ہے جو غیر ذمہ داری کے ساتھ ایک فتنہ انگیز بات کر جاتا ہے۔ پھر نام ہو کر اس کی تلافی کرنا چاہتا ہے مگر نہیں کر سکتا۔

ایک اور مقام پر کچھ لوگ تھے جو اپنا گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے پوچھایہ

کون ہیں؟ کہا گیا یہ دوسروں پر زبانِ ملعن دراز کرتے تھے۔

انہی کے قریب کچھ اور لوگ تھے جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے منہ اور سینے نوچ رہے تھے پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے پیٹھ پیچھے ان کی برائیاں کرتے اور ان کی عزت پر حملے کیا کرتے تھے۔

کچھ اور لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اذیتوں کے مشابہ تھے اور وہ آگ کھا رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ شیعوں کا مالِ ہضم کرتے تھے پھر دیکھا کچھ لوگ ہیں جن کے پیٹ بے انتہا بڑے اور سانپوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ آنے جلنے والے ان کو روندتے ہوئے گزرتے ہیں مگر وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ سود خور ہیں۔

پھر کچھ اور لوگ نظر آئے جن کے ایک جانب نفیس چمکا گوشت تھا اور دوسری جانب سڑا ہوا گوشت جس سے سخت بدبو آ رہی تھی۔ وہ اچھا گوشت چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھا رہے تھے پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ مرد اور عورتیں ہیں جنہوں نے حلال بیویوں اور شوہروں کے ہوتے ہوئے حرام سے اپنی خواہش نفس پوری کی۔

پھر دیکھا کچھ عورتیں اپنی چھاتیوں کے بل لٹک رہی ہیں پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ عورتیں ہیں جنہوں نے اپنے شوہروں کے سراپے بچے منڈھریے جو ان کے نہ تھے۔

انہی مشاہدات کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ایک فرشتہ فرشتہ سے ہوئی جو نہایت ترشروی سے ملا۔ آپ نے

جبریل سے پوچھا اب تک جتنے فرشتے ملے تھے سب خندہ پیشانی اور نشاط چہروں کے ساتھ ملتے ان حضرت کی خشک مزاجی کا کیا سبب ہے۔ جبریل نے کہا اس کے پاس تنہی کا کیا کام؟ یہ تو دوزخ کا داروغہ ہے یہ سن کر آپ نے دوزخ دیکھنے کی خواہش

ظاہر کیا اس نے یکایک آپ کی نظر کے سامنے سے پردہ اٹھا دیا اور دوزخ اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ نمودار ہو گئی۔

اس مرحلہ سے گزر کر آپ دوسرے آسمان پر پہنچے یہاں کے اکابر میں دو نوجوان سب سے ممتاز تھے تعارف پر معلوم ہوا یہ یحییٰ اور عیسیٰ ہیں۔ تیسرے آسمان پر آپ کا تعارف ایک بزرگ سے کیا گیا جن کا حسن عام انسانوں کے مقابلے میں ایسا تھا جیسے تاروں کے مقابلہ میں چودھویں کا چاند معلوم ہوا یہ یوسف علیہ السلام ہیں۔

چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ پانچویں پر حضرت ہارونؑ چھٹے پر حضرت موسیٰؑ آپ سے ملے باتوں آسمان پر پہنچے تو ایک عظیم الشان محل دہشت المعمور دیکھا جہاں بے شمار فرشتے آتے اور جاتے تھے اس کے بعد آپ کی ملاقات ایک ایسے بزرگ سے ہوئی جو خود آپ سے بہت مشابہ تھے تعارف پر معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ ہیں۔

پھر مزید ارتقاء شروع ہوا یہاں تک کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ گئے جو پیش گاہ رب العرش اور عالم خلق کے درمیان حد فاصل کی حیثیت رکھتا ہے نیچے سے جانے والے یہاں رُک جاتے ہیں اعداد پر سے احکام اور فرامین براہِ راست یہاں آتے ہیں اسی مقام کے قریب آپ کو جنت کا مشاہدہ کرایا گیا اور آپ نے دیکھا کہ اللہ نے اپنے صالح بندوں کے لئے وہ کچھ مہیا کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی ذہن میں اس کا تصور تک گذر سکا۔

سدرۃ المنتہیٰ پر جبریلؑ ٹھہر گئے اور آپ تنہا آگے بڑھے ایک بلند مہوار سطح پر پہنچے

تو بارگاہ جلال سلمے تھی ہمکلائی کا شرف بخشا گیا جو باتیں ارشاد ہوئیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔

(۲) سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں تعلیم فرمائی گئیں۔

(۳) شرک کے سوا دوسرے سب گناہوں کی بخشش کا امکان ظاہر کیا گیا۔

(۴) ارشاد ہوا کہ جو شخص نیکی کا امداد کرتا ہے اس کے حق میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں مگر جو برائی کا امداد کرتا ہے، اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا جاتا۔ اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔

پچاس نمازیں | پیشی خداوندی سے واپسی پر نیچے اترے تو حضرت موسیٰ سے ملاقات ہوئی انہوں نے رُوداد سن کر کہا میں بنی اسرائیل کا تلخ تجربہ رکھتا ہوں میرا اندازہ ہے کہ آپ کی اُمت پچاس نمازوں کی پابندی نہیں کر سکتی جانیے اور کمی کے لئے عرض کیجئے آپ ﷺ اور اللہ جلّ شانہ نے نمازیں کم کر دیں۔ پٹے تو حضرت موسیٰ نے پھر وہی بات کہی ان کے کہنے پر آپ بار بار اُپر جاتے رہے اور ہر بار دس نمازیں کم کی جاتی رہیں آخر پانچ نمازوں کی فرضیت کا حکم ہوا اور فرمایا گیا کہ یہی پچاس کے برابر ہیں۔

واپسی | واپسی کے سفر میں آپ اس سیرطری سے اتر کر بیت المقدس آئے۔ یہاں پھر تمام پیغمبر موجود تھے آپ نے ان کو نماز پڑھائی جو غالباً فجر کی نماز تھی پھر براق پر سوار ہوئے اور مکہ واپس پہنچ گئے۔

صبح سب سے پہلے آپ نے اپنی چچا زاد بہن اُمّ ہانی کو یہ رُوداد سنائی پھر باہر نکلنے کا قصد کیا۔ انہوں نے آپ کی چادر پکڑ لی اور کہا خدا کے لئے یہ قصہ لوگوں کو نہ سنائیے گا ورنہ ان کو آپ کا مذاق اڑانے کیلئے ایک اور شوشہ ہاتھ آجائے گا مگر آپ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے کہ میں ضرور بیان کروں گا۔ حرم کعبہ میں پہنچے تو ابو جہل سے آمناسا منا ہوا۔ اس نے کہا کوئی تانہ خبر؟ فرمایا ہاں پوچھا کیا؟ فرمایا یہ کہیں آج کی رات بیت المقدس گیا تھا کہا بیت المقدس؟ راتوں رات ہوئے اور صبح یہاں موجود ہو فرمایا ہاں؟ کہا قوم کو جمع کروں سب کے سامنے یہی بات کہو گے فرمایا بے شک ابو جہل نے آوازیں دے دے کر سب کو جمع کر لیا اور کہا لو اب کہو آپ نے سب کے سامنے پورا قصہ بیان کر دیا لوگوں نے مذاق اڑانا شروع کیا۔ دو مہینے کا سفر ایک رات میں؟ ناممکن! خیال ہی پہلے تو شک تھا اب یقین ہو گیا کہ تم دیول نے ہو گئے ہو۔

آٹا فانیہ خبر تمام مکہ میں پھیل گئی۔ بہت سے مسلمان اس کو سنکر اسلام سے پھر گئے۔ لوگ اس اُمّیہ پر حضرت ابو بکر کے پاس پہنچے یہ محمد کے دست راست ہیں۔ یہ پھر جانیں تو اس تحریک کی جان ہی نکل جائے۔ انہوں نے یہ فقرہ سن کر کہا اگر واقعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان کیا ہے تو ضرور سچ ہو گا اس میں تعجب کی کیا بات ہے میں تو روز سنتا ہوں کہ ان کے پاس آسمان سے پیغام آتے ہیں اور اسکی تصدیق کرتا ہوں پھر حضرت ابو بکرؓ حرم کعبہ میں آئے۔ رسول اللہؐ موجود تھے اور منہسی اڑانے والا

مجھ بھی پوچھا کیا واقعی آپ نے ایسا فرمایا ہے جواب دیا ہاں۔ کہا بیت المقدس میرا دیکھا ہوا ہے آپ وہاں کا نقشہ بیان کریں آپ نے فوراً نقشہ بیان کرنا شروع کر دیا اور ایک ایک چیز اس طرح بیان کی گویا بیت المقدس سامنے موجود ہے اور دیکھ دیکھ

کہ اس کی کیفیت بتا رہے ہیں حضرت ابو بکرؓ کی اس تدبیر سے جھٹلانے والوں کو ایک ضرب شدید لگی وہاں بکثرت ایسے آدمی موجود تھے جو تجارت کے سلسلہ میں بیت المقدس جاتے رہتے تھے وہ سب دلوں میں قائل ہو گئے۔ — نقشہ بالکل صحیح ہے۔ اب لوگ آپ کے بیان کی صحت کا مزید ثبوت مانگنے لگے فرمایا میں جاتے ہوئے فلاں مقام پر فلاں قافلہ پر سے گزرا جس کے ساتھ یہ پشیمان تھا قافلے والوں کے اونٹ ہراق سے بھڑکے ایک اونٹ فلاں وادی کی طرف بھاگ نکلا میں نے قافلہ والوں کو اس کا پتا بتایا واپسی میں فلاں وادی میں فلاں قبیلہ کا قافلہ مجھے ملا سب لوگ سو رہے تھے میں نے اُنکے برتن سے پانی پیا اور اس بات کی علامت چھوڑ دی کہ اس سے پانی پیا گیا ہے۔ ایسے ہی کچھ اور اُتے پتے آپ نے دیئے اور بعد میں آنے والے قافلوں سے ان کی تصدیق ہوئی۔ اس طرح زبانیں بند ہو گئیں مگر دل یہی سوچتے رہے کہ یہ ہو کیسے سکتا ہے؟ آج بھی بہت سے لوگ سوچ رہے ہیں کہ یہ کیسے ہوا۔

یہ ہے معراج نبوی کا وہ بصیرت افروز اور حقائق پرور بیان جسے ملائی افسانہ پرستیوں اور عجب پسندیوں نے مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل کر رکھا تھا اور جو دورِ حاضرہ کی غور طلب حقائق اس مجددیت کے صدقے میں پھر سے اُمتِ مرحومہ کے سامنے آیا ذرا ان حقائق و خواہش پر غور فرمائیے۔ زمزم کے کنارے حضور کا سینہ چاک کیا جاتا ہے۔ سواری کے لئے خچر سے کچھ چھوٹا سفید رنگ کا جانور پیش کیا جاتا ہے جب حضور اس میں سوار ہونے لگتے ہیں تو وہ چمکتا

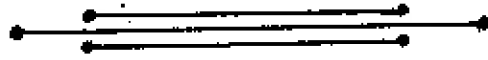
ہے لیکن حضرت جبریل کے بتانے سے کہ سوار کون پہنچے چپ کھڑا ہو جاتا ہے۔ بیت المقدس پہنچ کر اس جانور کو باندھ دیا جاتا ہے (اور برق کی رفتار سے اُڑنے والا ایک رسی سے بندھ کر بے بس کھڑا ہو جاتا ہے) واپسی پر اس سے قافلہ والوں کے اونٹ بدکتے ہیں اور حضور اہل کارواں کو کم گشتہ اونٹ کا پتا بتاتے ہیں حضور کو پیاس لگتی ہے تو راستہ میں ایک قبیلہ کے قافلہ کے برتن سے پانی پیتے ہیں بیت المقدس سے سیرمصحی کے ذریعہ آسمان پر چڑھتے ہیں اور سیرمصحی کے ہی ذریعہ واپسی پر نیچے اُترتے ہیں۔ آسمانوں کے محافظ فرشتے دروازہ نہیں کھولتے جب تک جبریل ہتھور کا تعارف نہیں کراتے (انہیں خدشہ ہے کہ جبریل یونہی کسی غیر مقبر آدمی کو ساتھ لے کر نہاں خانہ اسرار الہیہ میں نہ گھس آئے) آسمانوں پر جن آیات اللہ اکبری کا مشاہدہ ہوتا ہے ان میں وہ لوگ ہیں کہ جن کے سر کچلے جا رہے ہیں زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں پتھر میں سے مٹا سا بیل نکلتا ہے اور اس میں واپس نہیں گھس سکتا۔ کچھ لوگ ہیں جن کے پیٹ سانپوں سے بھرے ہوئے ہیں کچھ عورتیں ہیں جو چھاتیوں کے بل لٹک رہی ہیں۔ خدا پچاس نمازوں کا حکم دیتا ہے اور وہ حضرت موسیٰ کے کہنے پر عمل کرنے سے پانچ رہ جاتی ہیں۔

وہی افسانہ تراشیاں

آپ ان تفصیل پر غور فرمائیے کیا کہیں کسی قسم کی افسانہ تراشی اور عجوبہ پسندی کی کوئی جھلک بھی آپ کو دکھائی دیتی ہے؟ یہ تمام تفصیل محض سنی سنائی باتوں پر مشتمل نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک ایک بات اُس ”معراج نامے“ میں موجود ہے جسے ہمارے ہاں کی بڑی بوڑھییاں قرآن شریف کے ساتھ جُزدان میں بند کر کے رکھا کرتی تھیں اور جو زیارتیں دکھانے والی“

عورتوں کی گداگری کا آسرا بنا کرتی تھیں۔

دھڑمال ہے، بس پکینگ اور اشتہار میں فرق ہے۔ یہ ہے ہزنس کی وہ ٹکنیک جس میں ایک ہوشیار دکاندار کی کامیابی تجارت کا راز پوشیدہ ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمُبِیِّنِ اللہ نے تجارت کو صلال قرار دیا ہے۔



باب پنجم

مودودی صاحب اور حدیث

مِثْلُهُ مَعَهُ

(قرآن کے ساتھ قرآن جیسی ایک اور چیز بھی!)

اکتوبر ۱۹۵۱ء کے طلوع اسلام میں حسب ذیل شذرہ قارئین کی نگاہ سے گزر چکا ہے۔
 ”ترجمان القرآن“ بابت جولائی، اگست و ستمبر ۱۹۵۱ء میں حکیم حیدر زماں صاحب صدیقی
 کا ایک مضمون بعنوان ”مزارعت پر تحقیقی نظر“ شائع ہوا ہے اس کی تمہید میں انہوں نے
 یہ لکھا ہے کہ اسلام میں احکام کا ماخذ صرف قرآن ہے اس پر ترجمان القرآن درجہ
 ستیلا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی طرف سے حسب ذیل نوٹ شائع ہوا ہے۔
 حدیث کے مستقل ماخذ ہونے کی نفی سے اگر مراد یہ ہے کہ اس کی حیثیت صرف
 شارح اور مفسر کی ہے یعنی وہ انہیں مسائل و وقائع کی وضاحت کرتی ہے جن
 کا مجملہ قرآن میں ذکر آگیا ہے اور خود اس کی اپنی مستقل حیثیت کچھ نہیں ہے،
 تو یہ دعویٰ واقعہ کے خلاف ہے اس بارے میں مندرجہ ذیل دلائل و نظائر
 قابل غور ہیں :-

(۱) مشہور حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! میں تم میں دو

چیزیں چھوڑ چلا ہوں ان دونوں پر عمل کرتے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے اللہ کی کتاب اور میری سنت۔

(۲) مقدم بن معدی کہ ب سے سنن میں روایت ہے کہ آپ نے فرمایا لوگو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی مثل کچھ اور بھی اسی کچھ اور، کو حدیث سنت اور وحی مخفی سے تعبیر کیا جاتا ہے ان دونوں روایتوں کا انداز بیان بتلا رہا ہے کہ مسائل و احکام کے باب میں حدیث ایک مستقل ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ سوال کہ احکام کا مستقل ماخذ کیا ہے بعد کی چیز ہے۔ ترجمان القرآن کے اس حاشیہ سے تو اس سے بھی کہیں اہم بات پیدا ہوتی ہے یہ ظاہر ہے کہ ایک شخص کے مسلمان ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس چیز پر ایمان رکھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے دیا گیا تھا اُس وقت تک یہی سمجھا جاتا تھا کہ اس سے مطلب قرآن ہے یعنی جو شخص قرآن پر ایمان لے آئے وہ اس چیز پر ایمان لے آتا ہے جو ما انزل الیہ سے مفہوم تھا لیکن ترجمان القرآن کے اس حاشیہ سے یہ ظاہر ہے کہ ما انزل الیہ صرف قرآن تک ہی ختم نہیں ہو جاتا اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے جو اس کے تحت میں آتا ہے۔ لہذا کسی شخص کے مسلمان ہونے کیلئے ضروری ہو گیا کہ وہ ما انزل الیہ کے دوسرے حصے پر بھی ایمان لائے کیونکہ وہ اس کے ساتھ اسی جیسا منزل من اللہ ہے ظاہر ہے کہ دین کے ایسے معاملے ہیں جس کا تعلق کفر اور ایمان سے ہے کوئی ابہام نہیں رہ جاتا چاہے۔ بلکہ جس طرح ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآن اُس کتاب کا نام ہے جو الحمد سے شروع

ہو کہ وَاللَّائِیْکُمْ ختم ہو جاتی ہے اسی طرح قرآن کے ساتھ قرآن جیسے دوسرے منزل من اللہ حصے کے متعلق بھی یہ قطعی طور پر متعین ہو چکا ہے کہ وہ کیا ہے۔ مدیر ترجمان القرآن نے اس کے متعلق کہا ہے کہ اسے حدیث سنت اور وحی جعفری سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس سے یہ متعین نہیں ہوتا کہ قرآن کی طرح وہ کون سا صحیفہ ہے جو قرآن کی رد سے منزل من اللہ ہے اور جسے منزل من اللہ سمجھنا مسلمان ہونے کیلئے لازمی ہے۔ چونکہ اس سوال کا تعلق چالیس کروڑ مسلمانوں کے نفرا دایان سے ہے اس لئے اس کا تعین نہایت ضروری ہے اور اس کی ذمہ داری مدیر ترجمان القرآن کے سر ہے کیا وہ براہ کرم مسلمانوں کو کافر ہونے سے بچانے کی خاطر اس کا قطعی تعین فرمادیں گئے ظاہر ہے کہ اس کے لئے خدا کی سند بھی ہونی ضروری ہے۔

جب اس شدیدہ کے جواب میں مدیر ترجمان القرآن کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا اور نہ ہی ترجمان القرآن میں اسی موضوع پر کچھ مزید شائع ہوا تو ہم نے مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر انہیں ایک خط کے ذریعہ یاد دہانی کرائی اس خط کے جواب میں محترم مودودی صاحب نصائح فرمایا ہے کہ اس طرح کے سوالات کی جواب دہی میں اپنا وقت صرف کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔ اگر آپ ترجمان القرآن کا مطالعہ فرماتے رہے ہیں تو آپ کو میری روش کا اندازہ خود ہی ہو چکا ہو گا۔

چونکہ جیسا کہ طلوع اسلام کے مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے ہمارے نزدیک مسئلہ زیر نظر دینی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے اس لئے ہم نے ضروری سمجھا ہے کہ اس کے متعلق ذرا تفصیل سے گفتگو کی جائے مودودی صاحب کے محترم صدر جواب

کے بعد ہمارے لئے ایک ہی صورت باقی رہ گئی تھی کہ ہم مسئلہ پیش نظر کے متعلق مودودی صاحب کی سابقہ تحریروں کی طرف رجوع کریں ان کی سابقہ تحریروں میں سے اس وقت ہمارے سامنے تفہیمات حصہ اول ہے جس میں انہوں نے حدیث کی دینی حیثیت کے متعلق مختلف مقامات پر شرح و بسط سے بحث فرمائی ہے۔ (تفہیمات دراصل ترجمان القرآن میں شائع شدہ مضامین ہی کا مجموعہ ہے، مسئلہ زیر نظر کو ہم انہی تحریروں کی روشنی میں جانچتے ہیں تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔

قرآن کریم میں ہے:-

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ (۲۴)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالح کئے اور وہ ایمان لائے اس

پر جو محمد پر نازل کیا گیا ہے اور وہ ان کے رب کی طرف سے ایک حقیقت ہے

تو اللہ ان کی برائیاں ان سے دور کر دے گا اور ان کی حالت درست کھینچے گا۔

اس سے ظاہر ہے کہ مَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ (جو کچھ محمد پر نازل کیا گیا تھا) پر ایمان لانا شرط اسلام ہے اور وہ خدا کی طرف سے

قرآن پر ایمان

حق ہے اب سوال یہ ہے کہ مَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ سے کیا مراد ہے؟ قرآن کا ایک ایک ورق اس پر شاہد ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ الْخَبْرَانِ الْحَكِيمَيْنِ..... تَنْزِيلُ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (۱۳)

(یہ قرآن حکیم خدا نے عزیز و رحیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے)

رسول اللہ پر یہ قرآن خدا کی طرف سے بذریعہ وحی نازل ہوا۔

قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ يَوْمَ تَأْتِي السُّحُبُ بِالْمَاءِ سِجِّينَ (۱۰۶)

ان سے کہو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن بذریعہ وحی اتارا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے (غیر فطری اعمال کے نتائج سے آگاہ کروں۔)

یعنی رسول اللہ پر قرآن بذریعہ وحی نازل ہوا اور قرآن ہی کے ذریعہ لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کی جائیگی انہیں بھی جو رسول اللہ کے مخاطب تھے اور ان تمام انسانوں کو بھی جو حضور کے بعد آئیں گے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح طور پر فرمادیا کہ قرآن رسول اللہ کے اپنے خیالات کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ خدا کی طرف سے بذریعہ وحی ملتا ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (۵۳)

رسول اپنی خواہش نفس سے باتیں نہیں کرتا بلکہ یہ قرآن وہ وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

رسول اللہ کو اسی قرآن کی اتباع کا حکم دیا گیا تھا۔ وَأَتَّبِعْ مَا يُوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (۳۳) جو کچھ تیرے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے اس کی اتباع کر، خود رسول اللہ کی زبان مبارک سے یہ کہلوا یا کہ میں اس کے علاوہ جو مجھ پر وحی کیا گیا ہے، اور کسی چیز کی اتباع نہیں کرتا۔ (إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ) اسی قرآن کی پیروی کا حکم تمام مسلمانوں کو دیا گیا اور خاص طور پر کہہ دیا گیا کہ اس کے سوا اوروں کی پیروی مت کرو۔

اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ الْكِتَابُ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا

إِتِّبَاعُ صِرْفِ قُرْآنِ کی ہے

مِنْ دُونِهِ أَلَيْسَ (۱۰۷)

(جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے تم اس کی اتباع کرو اور اس کے علاوہ اور آقاؤں کی پیروی مت کرو۔)

اس قرآن کے متعلق فرمایا گیا کہ اس کی مثل کوئی ایک بات (حدیث) بھی نہیں لائی جاسکتی۔

فَلَيْسَ أَتَوَابِعَ حَدِيثٍ مِّثْلَهُ إِن كَانُوا صَادِقِينَ۔ (۵۲/۲)

اگر یہ لوگ سچے ہیں تو ان سے کہو کہ اس کی مثل کوئی ایک بات (حدیث) بھی لاکر بتائیں،

اور اسی قرآن کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝۱۵ ہم نے اس نصیحت کی کتاب کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔
مودودی صاحب کا ارشاد | یہ ہے قرآن کی تعلیم اس کے برعکس محترم مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں رسول اللہ کو قرآن کے علاوہ اور

بھی بہت کچھ وحی کے ذریعہ ملتا تھا جو قرآن کے ساتھ بالکل قرآن کے مثل تھا اور اس کی اتباع بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح قرآن کی۔ اس دوسرے حصہ کا نام روایات ہے یعنی ان کے نزدیک وحی خداوندی دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ ایک حصہ قرآن کریم میں درج کر دیا جاتا تھا اور دوسرا حصہ روایات میں آجاتا تھا۔

آپ سارا قرآن چھان مار بیٹے آپ کو کہیں یہ نہیں ملے گا کہ وحی کے دو حصے

تھے ایک قرآن اور ایک روایات خود مودودی صاحب کی تحریروں میں بھی ہیں ان کے اس عقیدہ کی تائید میں قرآن کی کوئی سند نہیں مل سکی۔ اس عقیدہ کا مدار ایک روایت پر ہے جس میں لکھا ہے کہ حضور کو قرآن کے ساتھ قرآن کی مثل (مِثْلُهُ مَعَهُ)

اور کچھ بھی بذریعہ وحی ملا اور وہ روایات ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم ایک مختصر سی کتاب ہے جو حضور کی تیس سالہ نبوت کی زندگی میں جوہر نازل ہوتا رہا اس سے واضح ہے کہ نبی اکرمؐ پر ہر وقت وحی نازل نہیں ہوا کرتی تھی خود روایات بتاتی ہیں کہ جب وحی نازل ہوا کرتی تھی تو اس وقت حضورؐ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوا کرتی تھی جو وحی کے ختم ہو جانے کے بعد باقی نہیں رہا کرتی تھی۔ جب حضورؐ پر وحی نازل ہو چکی تو آپؐ فرماتے کہ یہ سورت یا یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ انہیں قرآن کے فلاں مقام پر رکھ لو چنانچہ اسی وحی کو کاتبانِ وحی سے لکھوا دیا جاتا اور حفاظ کو یاد کرا دیا جاتا اس وحی کے بعد دن رات کے باقی حصے میں حضورؐ جو کچھ ارشاد فرماتے انہیں نہ کاتبانِ وحی سے لکھوایا جاتا نہ حفاظ کو یاد کرایا جاتا نہ حضورؐ کبھی یہ حکم دیتے کہ اسے قرآن کے فلاں مقام میں درج کر لو اس سے ظاہر ہے کہ وحی اور حضورؐ کی باقی زندگی ایک دوسرے سے متمیز تھیں۔ وحی اللہ کی طرف سے

نازل ہوتی تھی۔ اسی کا مجموعہ قرآن ہے۔ اسی پر ایمان لانے کا حکم تھا یہی لکھی جاتی تھی اسی کو حفظ

وحی اور غیر وحی کا فرق

کرایا جاتا تھا اسی کی اتباع خود رسول اللہؐ فرماتے تھے اور اسی کی اتباع اور مسلمانوں سے کراتے تھے۔ نہ اس میں کسی غلطی کا امکان تھا نہ سہو نہ فروگزاشت کی گنجائش لیکن وحی کے علاوہ جو کچھ حضورؐ فرماتے تھے وہ منزل من اللہ نہیں ہوتا تھا، بلکہ حضورؐ کی اپنی طرف سے ہوتا تھا۔ اگرچہ حضورؐ بصیرتِ ایمانی کے بلند ترین مقام پر تھے اور آپؐ کی میرتِ طیبہ مبارکِ اخلاق اور خلقِ عظیم کا مظہرِ اتم تھی لیکن بشریت کے تقاضے بہر حال حضورؐ کے ساتھ تھے حضورؐ کی زندگی کے ان دو حصوں کو خود قرآن کریمؐ نے متمیز کر کے دکھایا

ہے جب فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ فَرِيحِي اِلَيَّ ۱۹ میں تمہارے جیسا ایک انسان ہوں اس فرق کے ساتھ کہ مجھ پر دجی ہوتی ہے۔ اور دوسری جگہ ہے کہ

قُلْ اِنْ اَنَا اَخْلَصْتُ عَلَىٰ نَفْسِي وَاِنْ اِهْتَدَيْتُ خِطَاً
يُوجِبُ اِلَيَّ رِجْئِي (۳۴)

ان سے کہو کہ اگر میں غلطی کروں تو اس کی ذمہ داری خود مجھ پر ہے۔

اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو یہ اس قرآن کی بددلت ہے جو میرا رب میری طرف دجی کرتا ہے۔

لیکن مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں! یہ بھی غلط ہے نبی اکرم زندگی کے ہر

سانس میں رسول تھے آپ کی ہر بات دجی ہوتی تھی اس کا ایک حصہ قرآن میں

درج کر دیا جاتا تھا اور دوسرا حصہ ویسے رہنے دیا جاتا یہ دوسرا حصہ کتب روایات میں ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

قرآن کریم میں اسٹحضرت کی ایک ہی حیثیت بیان کی گئی ہے اور وہ رسول اور نبی

ہونے کی حیثیت ہے جس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب رسالت سے

فاڑ کیا اُس وقت سے لے کر حیاتِ جسمانی کے آخری سانس تک آپ ہر

اُن اور ہر حال میں خدا کے رسول تھے آپ کا ہر فعل اور ہر قول رسولِ خدا کی حیثیت

سے تھا۔۔۔ حتیٰ کہ آپ کے نبی اور خاندانی اور شہری زندگی کے سارے معاملات

بھی اسی حیثیت کے تحت آگئے تھے۔ (تفہیمات حصہ اول ص ۲۴)

اس کے بعد آیت ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ“ جس کا ذکر ادراچکا ہے، کے حوالے سے فرماتے ہیں:-

”ہر وہ بات جس پر نطقِ رسول کا اطلاق کیا جاسکتا ہے آیاتِ مذکورہ کی بنا پر دبی ہو گی اور ہوائے نفس سے پاک ہوگی۔ یہ تصریحِ قرآن میں اس لئے کی گئی ہے کہ رسول کو جن لوگوں کے پاس بھیجا گیا ہے..... وہ جان لیں کہ رسول کی ہر بات خدا کی طرف سے ہے..... میں کہتا ہوں کہ آنحضرتؐ جس وقت جس حالت میں جو کچھ بھی کرتے تھے، رسول کی حیثیت سے کرتے تھے۔“

(ایضاً ص ۳۳-۳۴)

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

کتاب کے ساتھ رسول اللہ کو اسی غرض سے بھیجا گیا تھا کہ آپ ایک مامورِ امتداد کی ضرورت کو پورا کریں۔ آپ نے امتداد کی حیثیت سے جو کچھ بتایا اور سکھایا ہے۔ وہ بھی اس طرح خدا کی طرف سے ہے جس طرح قرآن خدا کی طرف سے ہے۔ اس کو غیر از قرآن کہنا صحیح نہیں۔ (ص ۳۳)

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک:-

(۱) نبی اکرمؐ نے بعثت کے بعد جو بات جس وقت جس حالت میں بھی فرمائی تھیں، ہمیشہ رسول کے تھیں۔

(۲) حضور کی ہر بات اسی طرح خدا کی طرف سے ہوتی تھی جس طرح قرآن خدا کی طرف

سے ہے اور

(۳) ان دونوں میں کوئی فرق نہیں وہ باتیں ”غیر از قرآن“ ہیں ہی نہیں۔

ایک اعتراض | ان تینوں مقدمات کو سامنے رکھ کر آگے بڑھیے اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوا کہ حضور کی کئی ایک باتوں پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ٹوکا۔ چنانچہ ان کا ذکر خود قرآن کریم میں ہے مثلاً آپ نے ایک قسم کا شہد کھانے سے قسم کھائی تو ارشاد ہوا کہ ۱۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۚ (سورۃ تحریم)

اے نبی! جس کو اللہ نے تمہارے لئے حلال قرار دیا ہے اسے تم کیوں حرام کرتے ہو؟ ظاہر ہے کہ اگر حضور کا اپنے اوپر شہد کو حرام قرار دے لینا من جانب اللہ تھا تو خدا نے اس پر اعتراض کیوں کیا؟ یعنی پہلے خدا نے خود ہی رسول اللہ سے کہہ دیا کہ شہد کو اپنے اوپر حرام کر لو اور جب آپ نے اس حکم کی تعمیل کر لی تو پھر خود ہی اس پر تادیب بھی نازل کر دی۔

یامثالہ دوسری جگہ ہے حَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنَتْ لَكَ ۚ (توبہ) اے نبی! خدا نے تمہیں معاف کر دیا تم نے انہیں اجازت کیوں دے دی تھی؟۔ اب ظاہر ہے کہ حضور کا اجازت دے دینا اذروئے وحی تھا تو اس پر وحی بھیجنے والے خدا نے تہدید کیوں فرمائی؟ اسی طرح ایک اور واقعہ میں قرآن میں آیا ہے کہ عَبَسَ وَكُنِيَ ۚ اَنْ جَاءَكَ الْاَنْحٰثُ ۚ (سورۃ عبس) یعنی اے رسول! تمہیں یہ بات بہت ناگوار گزری کہ وہ اندھا اس وقت تمہارے پاس کیوں آگیا اس سے تمہاری پیشانی پر بل آ گئے۔ سو اگر حضور کی پیشانی پر بل وحی کے مطابق آئے تھے تو پھر وحی نے اس پر تنبیہ کیوں کی۔

سنیے کہ اس کے جواب میں موردودی صاحب کیا فرماتے ہیں؟، لکھتے ہیں کہ:-
 رسول اللہ کے معاملات کو اس کے بشری عقل اور اس کے انسانی اجتہاد پر
 نہیں چھوڑا گیا۔ بلکہ جہاں خدا کے مقرر کئے ہوئے خطِ مستقیم سے اس نے بال برابر
 بھی جنبش کی ہے وہیں اس کو ٹوک کر سیدھا کر دیا گیا۔ (حصہ ۲۶۲)
 آگے چل کر لکھتے ہیں:-

منصبِ نبوت پر مامور ہونے کی وجہ سے نبی اکرم کے لئے لازم ہے کہ ان کا
 اجتہاد بھی ٹھیک وحی الہی کے مطابق ہو لہذا اگر وہ اپنے اجتہاد میں وحی خفی کے اشارے
 کو سمجھ کر مرضی الہی کے خلاف بال برابر بھی جنبش کریں تو اللہ تعالیٰ وحی جلی سے اس
 کی اصلاح کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ (حصہ ۲۶۳)

پھر ارشاد ہے:-

اگر رسول بمقتضائے بشریت کبھی اپنے اجتہاد میں غلطی کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فوراً
 ان کی اصلاح کر دیتا ہے۔ (حصہ ۲۶۴)

(۱) رسول خود اجتہاد فرمایا کرتے تھے۔

(۲) بمقتضائے بشریت اپنے اجتہاد میں غلطی بھی کر جاتے تھے۔

(۳) لیکن جہاں رسول اپنے اجتہاد میں غلطی کرتے تھے انہیں فوراً ٹوک دیا جاتا تھا۔

(۴) وحی کی دو قسمیں ہیں وحی خفی اور وحی جلی۔ وحی خفی کے اشارات کو صحیح طور پر

سمجھنے میں رسول سے سہو ہو جاتا تھا تو وحی جلی کے ذریعہ اس کی اصلاح کر دی جاتی تھی۔

اب ان تین مقدمات کو سامنے لایے جو پہلے گزر چکے ہیں اور ان کے مد مقابلہ مندرجہ بالا
 نتائج کو رکھیے اور پھر تضاد ملاحظہ فرمائیے۔

- (۱) رسول اللہ کی ہر بات اسی طرح منجانب اللہ ہوتی تھی جس طرح قرآن منجانب اللہ تھا۔
 (۲) رسول اللہ جس وقتہ جس حالت میں جو بات بھی کرتے تھے، رسول کی حیثیت سے کرتے تھے۔
 (۳) حضور کے اجتہادات اور قرآن میں کوئی فرق نہیں۔
- (۱) رسول کے اجتہادات اپنی طرف سے ہوتے تھے جن میں غلطی بھی ہو جاتی تھی۔
 (۲) حضور خدا کے متعین کردہ خط مستقیم سے جنبش کر جاتے تھے تو فوراً آپ کی اصلاح کر دی جاتی تھی۔
 (۳) قرآن وحی صلی ہے اور باقی وحی خفی۔

یہ نکتہ ذرا باریک ہے! اسے غور سے سمجھئے اگر رسول اللہ کی ہر ایک بات منجانب اللہ تھی اسی طرح جس طرح قرآن منجانب اللہ ہے، تو پھر یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ حضور اجتہادات میں غلطی کر جاتے تھے یا وحی خفی کا اشارہ سمجھنے میں سہو ہو جاتا تھا۔ جب حضور کی ہر بات ہر عمل، ہر فیصلہ منجانب اللہ تھا تو پھر اس میں غلطی کیسی اور وحی خفی کا اشارہ سمجھنے اور نہ سمجھنے کا سوال کیا؟ لیکن مودودی صاحب کے ارشاد کے مطابق خدا اور رسول میں معاملہ یوں تھا کہ:-

(۱) رسول کی ہر بات خدا کی طرف سے ہوتی تھی۔

(۲) لیکن جب خدا دیکھتا کہ رسول فلاں معاملہ میں غلطی کر گیا ہے تو فوراً اس کی اصلاح کر دیتا۔

اگر کسی کے سر میں ذرا بھی عقل سلیم ہے تو ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ ان دو باتوں میں کوئی ربط دکھائی دیتا ہے۔

پھر اس کے بعد دریافت طلب امر یہ ہے کہ مودودی صاحب نے وحی کی جو دو قسمیں ارشاد فرمائی ہیں (وحی خفی اور وحی جلی) تو اس تقسیم کا کوئی ذکر قرآن میں بھی ہے؟

یا (معاذ اللہ) خود خدا بھی اپنی وحی کے متعلق متنبہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی دو قسمیں ہیں۔

خدا داد بصیرت اب آگے بڑھیں آپ اوپر دیکھ چکے ہیں کہ مودودی صاحب کے عقیدہ کے مطابق نبی اکرمؐ کی ہر بات وحی ہوتی تھی لیکن وہ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:-

”رسول کو درمیانی واسطہ اس لئے بنایا گیا ہے کہ وہ اصولی قانون کو اپنی اور اپنی اُمت کی عملی زندگی میں نافذ کر کے ایک نمونہ پیش کر دیں اور اپنی خدا داد بصیرت سے ہمارے لئے وہ طریقے متعین کر دیں جنکے مطابق ہمیں اس اصولی قانون کو اپنی اجتماعی زندگی اور انفرادی برتاؤ میں نافذ کرنا چاہیے۔ (ص ۲۳)

یعنی دین کے اصول قرآن کریم میں تھے اور رسول اللہ نے ان قوانین کو اپنی خدا داد بصیرت سے عملاً تشکیل کر کے دکھایا اور کہا گیا تھا کہ رسول اللہ نے یہ کام وحی کے ذریعہ کیا تھا لیکن یہاں کہا گیا ہے کہ حضور نے اپنی خدا داد بصیرت سے کیا تھا۔ اگر نبی اللہ وحی اور خدا داد بصیرت دو الگ الگ چیزیں ہیں، تو مودودی صاحب کا تضاد واضح ہے۔ لیکن اگر مودودی صاحب کے نزدیک منزل من اللہ وحی بصیرت ہی کا دوسرا نام ہے، تو یہ عقیدہ غور طلب ہے بصیرت کم دیش ہر انسان میں موجود ہوتی ہے لیکن یہ ضابطہ مافوق البشر نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ نبی کی بصیرت دوسرے تمام انسانوں سے زیادہ ہوتی ہے تو فرق کمیت (QUANTITY) کا ہوا کیفیت (QUALITY) کا نہ ہوا اس سے یہ لازم آئے گا کہ بصیرت اور وحی میں فرق (QUALITATIVE)

ہے، (QUANTITATIVE) نہیں۔ نوع کے اعتبار سے دونوں ایک ہی ہیں یعنی وحی بصیرت کی ہی بڑھی ہوئی ایک شکل کا نام ہے۔ یہ تصورات برگساں کے ہاں تو ضرور ملتا ہے لیکن قرآن کی رو سے ایسا تصورات غلط ہے۔ قرآن وحی کو ایک الگ خاصہ قرار دیتا ہے جس میں رسول کے علاوہ کوئی دوسرا انسان شریک نہیں ہوتا۔ لہذا وحی اور بصیرت مستقلاً دو الگ الگ خالصتے ہیں۔ سوا کمر رسول کے اجتہادات بذریعہ وحی ہوتے ہیں تو ان میں رسول کی اپنی بصیرت کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور اگر وہ رسول کی بصیرت کا نتیجہ ہوتے ہیں تو وہ وحی نہیں ہوتے۔

ممدودی صاحب دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

”قرآن ۲۳ سال کی مدت میں مختلف مواقع پر مختلف حالات اور ضروریات کے مطابق نازل ہوا ہے۔ اسی طرح احادیث میں حضور کے وہ اقوال جمع کئے گئے ہیں جو ۲۳ سال کے طویل زمانہ میں آپ نے مختلف مواقع پر مختلف حالات

میں حسب ضرورت ارشاد فرمائے ہیں (ص ۱۵۹)

لیجئے! یہاں قرآن اصلاً احادیث کا فرق خود سامنے آگیا۔ قرآن ۲۳ سال کے عرصہ میں حضور پر نازل ہوا تھا اور احادیث وہ اقوال ہیں جو رسول اللہ نے حسب ضرورت ارشاد فرمائے۔ لیکن آگے چل کر پھر اس کی تردید ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

”اُن آیات میں جس چیز کو وحی کہا گیا ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد کتاب اللہ ہے اور کتاب کے سوا کوئی وحی نبی پر نازل نہیں ہوتی لیکن یہ خیال قطعاً غلط ہے قرآن مجید سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام پر صرف کتاب ہی نازل نہیں کی جاتی بلکہ ان کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ ہمیشہ وحی نازل

کرتا رہتا ہے اور اس وحی کی روشنی میں وہ سیدھی راہ چلتے ہیں (حصہ ۲، ص ۲۷۴)
 پہلے لکھا تھا کہ احادیث وہ اقوال ہیں جو رسول اللہ نے حسب ضرورت ارشاد فرمائے۔
 اب فرماتے ہیں کہ ہمیں احادیث رسول اللہ کے اقوال نہیں ہیں، بلکہ یہ بھی منجانب اللہ
 وحی ہیں۔

مودودی صاحب نے یہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ قرآن مجید سے ثابت
 ہے کہ انبیاء کرام پر صرف کتاب ہی نازل نہیں کی جاتی بلکہ ان کی ہدایت
 اور راہ نمائی کے لئے اللہ تعالیٰ ہمیشہ وحی نازل کرتا ہے۔ لیکن

وحی کی دو قسمیں

آپ کو معلوم ہے کہ اس دعویٰ کی دلیل میں آپ نے قرآن سے کون سی سندرات پیش کی ہیں۔
 سن لیجئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ سے فرمایا کہ ہماری وحی کے
 مطابق کشتی تیار کر دو حضرت یوسفؑ کو خوابوں کی تعبیر بتائی جاتی ہے حضرت موسیٰؑ سے
 طور پر باتیں کی جاتی ہیں جن میں آپ کی بکریوں اور لاکٹھی کا تذکرہ بھی ہے۔ پھر حضرت موسیٰؑ
 کو فرعون کی طرف بھیجا جاتا ہے اور تمام ہدایات دی جاتی ہیں کہ وہ کس طرح بنی اسرائیل
 کو ساتھ لے کر نکل آئیں۔ ان واقعات کے تذکرہ کے بعد مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

”کیا ان میں سے کوئی وحی بھی ایسی ہے جو کتاب کی صورت میں ہدایت عام
 کے لئے نازل ہوئی ہو؟ یہ مثالیں اس امر کے ثبوت میں کافی ہیں کہ انبیاء کی طرف
 اللہ ہمیشہ متوجہ رہتا ہے اور ہر ایسے موقع پر جہاں بشری فکر و رائے کی غلطی کا
 امکان ہوتا ہے وحی سے ان کی راہ نمائی کرتا رہتا ہے اور یہ وحی اُس وحی سے
 ماسوا ہوتی ہے جو ہدایت عام کے لئے ان کے واسطے سے بھیجی جاتی اور کتاب
 میں درج کی جاتی ہے تاکہ لوگوں کے لئے ایک الہی ہدایت نامہ اور دستور العمل

کام دے۔ (ص ۲۷۵)

سب سے پہلے تو یہ امر دریافت طلب ہے کہ مودودی صاحب کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ باتیں جن کا ذکر انہوں نے فرمایا ہے اُن انبیاء کرام کی کتابوں میں درج نہیں تھیں۔ یہ اُن کا محض قیاس ہے اور قیاس کی بنیاد یہ ہے کہ چونکہ یہ باتیں اُن انبیاء کرام کی ذات سے متعلق تھیں اور ہدایت عام کے لئے نازل نہیں ہوئی تھیں اس لئے اُنہیں اُن کی کتابوں میں درج نہیں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن دیکھیے کہ قرآن کریم اس دلیل کی کس طرح تردید کر رہا ہے کئی ایک واقعات ایسے تھے جن کا تعلق نبی اکرم کی ذات سے تھا لیکن ہاں ہم وہ قرآن میں درج ہیں۔ مثال کے طور پر حضور کی ازواجِ مطہرات کے ضمن میں سورۃ احزاب کی وہ آیات ملاحظہ کیجئے جن میں ارشاد ہے کہ:-

اے نبی! ہم نے تیرے لئے وہ بیویاں جائز کر دیں جنہیں تو نے اُن کے ہر دے دیئے ہیں اور جس کا تیرا دایاں ہاتھ مالک ہوا اس سے جو اللہ نے تجھ پر (کفار سے) لوٹایا اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور تیری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالادوں کی بیٹیاں جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی اور مومن عورت اگر وہ اپنے آپ کو نبی کو ہبہ کر دے اگر نبی اس سے نکاح کا ارادہ کرے (د ۳۳)

یہ احکام نبی اکرم کی ذات سے متعلق تھے ان کے اخیر میں قرآن نے تصریح کر دی تھی کہ:-
خَالِصَةً لِّكَ مِنَ الدُّنْيَا مَوْنِيَّتٍ۔ (د ۳۳) یہ صرف تیرے لئے حکم ہے،
مومنین کیلئے نہیں جو کہیں جس حکم کے متعلق خود اللہ نے تصریح کر دی ہے کہ وہ صرف
نبی اکرم کی ذات کے لئے تھا، مومنین کے لئے نہیں تھا، وہ بھی قرآن میں موجود ہے پھر
اس کے بعد کی آیات بھی دیکھئے جن میں مذکور ہے کہ اس کے بعد تیرے لئے اور

عورتیں نکاح میں لانا جائز نہیں اور نہ ہی موجودہ بیویوں کی جگہ دوسری بیویاں نکاح میں لانا جائز ہے۔ یہ حکم بھی خاص رسول اللہ کے لئے تھا اسی طرح سورہ تحریم میں دیکھئے جہاں اللہ نے وہ واقعہ بھی درج قرآن کریم میں رسول اللہ کی ایک بیوی نے کوئی راز کی بات دوسری بیوی سے کہہ دی تھی اور اللہ نے اُن سے کہا تھا کہ تمہیں توبہ کرنی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ بھی خالص رسول اللہ کے ذاتی معاملات سے متعلق تھا۔ ہاں ہم یہ بھی درج کتاب پچہجد کے متعلق قرآن کریم نے خود ہی کہہ دیا کہ نافلۃ لك یہ صرف (اے رسول) تیرے لئے اضافہ ہے، دوسروں کے لئے نہیں یہ حکم جو صرف رسول اللہ کے لئے مختص تھا قرآن میں درج ہے۔ لہذا مودودی صاحب کا بیان فرمودہ یہ اصول بھی غلط ہے کہ جو باتیں عام ہدایت کیلئے نہیں ہوتی تھیں وہ درج کتاب نہیں کی جاتی تھیں۔ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ ان باتوں سے عام ہدایت مقصود ہے تو پھر حضرت نوح، حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ کی جن باتوں کا ذکر مودودی صاحب نے فرمایا ہے کیا ان سے عام ہدایت مقصود نہیں ہو سکتی علاوہ ازیں، ایک اور نکتہ بھی قابل غور ہے کہ مودودی صاحب کے ارشاد کے مطابق وہ باتیں ان انبیاء کرام کی کتابوں میں درج ہونے کے قابل تو تھیں، کیونکہ ان سے ہدایت عامہ مقصود نہ تھی۔ لیکن انہی باتوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں درج کر دیا جو قیامت تک کے انسانوں کے لئے عام ہدایت کی کتاب ہے ایسا تو ہو سکتا تھا کہ کوئی بات انبیاء نے سابقہ کی کسی کتاب میں ہوتی اور قرآن میں اسے درج نہ کیا جاتا کیونکہ وہ اُسی زمانہ کے لئے تھی لیکن یہ واقعہ

میں واضح رہے کہ ہم اس وقت مودودی صاحب کے پیش کردہ اصول پر بحث کر رہے ہیں، ورنہ ہمارے نزدیک ہر وہ چیز جو قرآن میں مذکور ہے، نوع انسانی کیلئے باعث ہدایت ہے۔

عجیب ہے کہ ایسی باتیں جو اُس زمانے کے لوگوں کی ہدایت کے لئے تونہ تھیں، اُس لئے اُن انبیائے کرام کی کتابوں میں درج نہ کی گئیں، انہیں ہزار ہا سال بعد قرآن کریم میں درج کر دیا گیا؟ ہم یہ کچھ کھرتے ہیں اور ہمارا دل دکھ رہا ہے کہ ان لوگوں نے کس طرح قرآن کو کھیل بنا رکھا ہے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ مودودی صاحب کے اس بیان کے مطابق سارا مسئلہ ہی حل ہو جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:-

یہ دجی اُس دجی سے ماسوا ہوتی ہے جو ہدایتِ عام کے لئے انبیاء کی دست سے بھی جاتی ہے اور کتاب میں درج کی جاتی ہے تاکہ لوگوں کے لئے ایک الہی ہدایت نامہ اور دستور العمل کا کام دے۔

اس سے ظاہر ہے کہ:-

- (i) ایک دجی وہ ہوتی تھی جو ہدایتِ عام کے لئے نہیں ہوتی تھی وہ صرف رسول کی اپنی ہدایت کے لئے ہوتی تھی اس لئے کتاب میں درج نہیں کی جاتی تھی۔ اور
- (ii) دوسری دجی ہدایتِ عام کے لئے ہوتی تھی اور کتاب میں درج کی جاتی تھی، تاکہ لوگوں کیلئے الہی ہدایت نامہ اور دستور العمل کا کام دے۔

پہلی قسم کی دجی جس کا تعلق نبی اکرم کی ذات تک تھا، حضور کی وفات سے ختم ہو گئی۔ اب نوعِ انسانی کے لئے الہی ہدایت نامہ اور دستور العمل دوسری قسم کی دجی ہے جو قرآنِ کریم میں درج ہے یہی ہم کہتے ہیں کہ نوعِ انسان کیلئے ہدایت نامہ اور دستور العمل خدا کی کتاب ہے یہ بحث کہ رسول اللہ کی اپنی ہدایت کے لئے اس سے الگ دجی ہوتی تھی

یا نہیں محض نظری ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے لئے بھی ہدایت نامہ اور دستور العمل یہی قرآن تھا کیونکہ قرآن میں بالتقریح حکم ہے کہ رسول اللہ اسی کا اتباع کریں اور اسی سے ہدایت حاصل کریں لیکن اگر مودودی صاحب قرآن کے اس واضح ارشاد کے علی الرغم یہی ملنے پر ضد کرتے ہیں کہ نہیں! قرآن ہماری ہدایت کیلئے ہے اور رسول اللہ کی ہدایت کے لئے ایک اور وحی ہوتی تھی تو انہیں کون مجبور کر سکتا ہے کہ وہ ضرور قرآن ہی کا ارشاد مانیں! لیکن یہاں تک تو وہ بھی متفق ہیں کہ حام ہدایت کے لئے الہی ہدایت نامہ اور دستور العمل وحی ہے جو قرآن میں درج ہے۔ وَهُوَ الْمُرَاد

بہر حال مودودی صاحب کو اصرار ہے کہ رسول اللہ کی ہر بات وحی ہوتی تھی اور وحی کی دو قسمیں ہوا کرتی تھیں آیتیں ذرا یہ دیکھیں کہ کیا ہر بات وحی نہیں ہوتی تھی

صاحب کبارؒ کو بھی اس کا علم تھا کہ رسول اللہ کی ہر بات وحی پر مبنی ہوتی ہے اور وحی کی دو قسمیں ہیں یاد بھی اس رازِ درونِ پردہ سے (معاذ اللہ) بے بہرہ تھے نہیں! اور آگے بڑھیں کہ کیا خود ذاتِ رسالت کو بھی اس حقیقت کا علم تھا کہ حضور کی ہر بات وحی ہوتی ہے اور اس وحی کی دو قسمیں ہیں یاد معاذ اللہ! معاذ اللہ!! آپ بھی اس سے بے خبر تھے!

مودودی صاحب کے اس دعویٰ کو پھر سے دہرایا جائے کہ رسول اللہ کی ہر بات وحی ہوتی تھی حضور کوئی بات اپنی طرف سے نہیں فرماتے تھے جو کچھ کرتے تھے، وحی کے مطابق کرتے تھے، اس وحی میں سے ایک حصہ درجِ کتاب ہو جاتا تھا اور دوسرا حصہ ویسے رہنے دیا جاتا تھا اس کے بعد دو چار واقعات کو سامنے لائیے۔

حضرت حباب بن منذر نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کی کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہے وحی کی رو سے ہے یا فوجی تدبیر ہے؟ ارشاد ہوا کہ ”وحی نہیں ہے“ حباب نے کہا تو بہتر ہوگا آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے آپ نے یہ رائے پسند فرمائی اور اس پر عمل کیا گیا (سیرت النبی علامہ شبلی ص ۲۹۵)

مودودی صاحب کے ارشاد کے مطابق کہ حضور کی ہر بات وحی ہوتی تھی (حضور کا انتخاب مقام وحی کی رو سے تھا لیکن حضرت حباب دریافت فرماتے ہیں کہ آیا یہ انتخاب وحی کی رو سے ہے یا فوجی تدبیر کے مطابق۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت حباب کو اس کا علم نہیں تھا کہ حضور کی ہر بات وحی ہوتی ہے۔ اس پر رسول اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ وحی کی رو سے نہیں ہے اب دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(i) یا تو (معاذ اللہ) رسول اللہ کو بھی وہ بات معلوم نہ تھی جو مودودی صاحب کو معلوم ہے اور

(ii) اگر رسول اللہ نے سچ فرمایا ہے اور کون کبخت ہے جو رسول اللہ کے متعلق بھی یہ گمان کرے کہ (پناہ بخدا) حضور نے سچ نہیں فرمایا تھا تو پھر جو کچھ مودودی صاحب فرما رہے ہیں اس کے متعلق خود ہی اندازہ فرمایئے کہ وہ کیا ہوا؟ اور دیکھئے جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق:-

آنحضرت نے مدینہ میں آکر مشورہ کیا کہ ان کے معاملہ میں کیا کیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ سب اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں، مذہب لے کر چھوڑ دیئے جائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک اسلام کے مسئلہ میں دوست، دشمن، عزیز و بیگاد، قریب و بعید کی تمیز نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے یہ رائے دی کہ سب قتل کر

دیئے جائیں اور ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو قتل کر دئے! آنحضرتؐ نے صدیق اکبرؓ کی رائے پسند کی اور فرمایا کہ چھوڑ دیا۔ اس پر خدا کا عتاب آیا اور یہ آیت اتری۔ لَوْلَا رِکْتُابٌ مِّنَ اللّٰهِ ۱/۶۸

اگر خدا کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے کیا اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا! آنحضرتؐ اور حضرت ابو بکرؓ یہ عتاب بتائی سن کر رو پڑے۔ (ایضاً ص ۲)

اب دیکھئے کہ مودودی صاحب کے ارشاد کے مطابق بات کیا ہوئی؟

(۱) جنگ کے قیدیوں کے متعلق حضورؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا (اگر رسول کی ہر بات وحی کی رو سے ہوتی تھی تو حضورؐ کو مشورہ کرنے کی کیا ضرورت تھی)۔
(۲) حضورؐ نے مشورہ کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی رائے پسند فرمائی اور اسی کے مطابق عمل کیا ظاہر ہے کہ (مودودی صاحب کے بیان کے مطابق) حضورؐ کا یہ عمل وحی کی رو سے تھا۔

(۱۱) اس پر خدا نے عتاب نازل فرمایا یعنی پہلے تو خود ہی خدا نے وحی کے ذریعہ یہ کہہ دیا کہ حضرت ابو بکرؓ کی رائے اختیار کر لو۔ اور جب آپؐ نے وہ رائے اختیار کر لی تو پھر آپؐ پر عتاب نازل کر دیا۔ (معاذ اللہ! معاذ اللہ!)

افک حضرت عائشہؓ کا واقعہ مشہور ہے۔ منافقین کی بہتان طرازی کے بعد آپؐ نے حضرت عائشہؓ صدیقہ کی درخواست پر انہیں ان کے میکا بھیج دیا اور خود وحی کا انتظار فرماتے رہے

نہ عائشہؓ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ عتاب مال وغنیمت کی تقسیم کے متعلق تھا لیکن یہ چیز تو اپنی جگہ پر موجود رہتی ہے کہ حضورؐ کے ایک فیصلہ پر اللہ کی طرف سے ایسا عتاب نازل ہوا کہ حضورؐ رونے لگے۔

اس دوران میں حضور نے لوگوں سے مشورہ بھی کیا۔ چنانچہ قریب ایک ماہ کے بعد جب وحی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی پاک دامن کی تصدیق کر دی تو حضور نے انہیں بشارت دے دی۔ یعنی مودودی صاحب کے ارشاد کے مطابق پہلے اللہ تعالیٰ نے وحی خفی کے ذریعہ یہ کہہ دیا کہ حضرت عائشہؓ کو ان کے میکا جانے کی اجازت دیدی جائے پھر لوگوں سے مشورہ کرنے کا حکم بھی وحی خفی کے ذریعہ سے دیا اس کے بعد وحی جلی سے اعلان کر دیا کہ حضرت عائشہؓ پاک دامن ہیں!

ناطقہ سرگرمیاں کہ اسے کیا کہیے!

اور سنئے! ہجرت ایک خاص موسم میں کھجور کے درختوں میں گاہا گیا کرتے تھے۔ حضور نے ایک مرتبہ فرمایا کہ یوں نہ کرو، یوں کرو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سال کھجوروں میں پھل نہ آیا یا بہت کم آیا یعنی یہ تھریہ ناکام رہا اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ،

میں نے صرف ایسا گمان کیا تھا تحقیق بات کا مجھ سے مواخذہ نہ کرو لیکن جب میں خدا کی جانب سے کوئی بات بیان کروں تو اس کو اختیار کرو۔ (حجۃ اللہ الباقہ)

یعنی مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ حضور کی ہر بات وحی کی رو سے ہوتی تھی اور رسول اللہؐ فرماتے ہیں کہ بعض باتیں میں اپنے گمان کی رو سے کہتا ہوں اور بعض خدا کی جانب سے۔ جب باتیں میں اپنے ظن و تخمین کی بنا پر کہتا ہوں وہ غلط بھی ہو سکتی ہیں۔ انہیں اختیار نہ کیا کرو بلکہ یہاں تک بھی کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُوْا بِمَوْرِدِیْنَ کُمْ۔ دنیاوی معاملات تم مجھ سے بہتر جانتے ہو۔ اور دیکھئے مقدمات کا فیصلہ رسول اللہؐ کے اہم فرائض میں سے تھا اگر رسول اللہؐ کی ہر بات وحی کی رو سے ہوتی تھی تو ظاہر ہے کہ ہر مقدمہ کا فیصلہ جو رسول اللہؐ فرماتے

تھے وحی کی رو سے ہوتا تھا۔ فلہذا جھوٹ اور سچ نکھر کر الگ الگ ہو جاتا تھا۔ لیکن سینے کے خود رسول اللہ اس باب میں کیا فرماتے ہیں:-

حضور نے فرمایا کہ میرے پاس اہل مقدمہ آتے ہیں اور ممکن ہے کہ بعض آدمی بہ نسبت دوسروں کے زیادہ چرب زبان ہوں۔ چونکہ میں بھی انسان ہوں اس لئے شاید میں اُس کو سچا جاننے لگوں اور اُس کے موافق فیصلہ دے دوں، لہذا اگر میں کسی مسلمان کے حق میں ڈگری دیدوں تو اس کو آگ کا ٹکڑا سمجھنا چاہیے، چاہے لے لے چاہے چھوڑ دے۔ (بخاری کتاب النظام)

رسول اللہ اپنے متعلق یہ فرماتے ہیں اور مودودی صاحب کا ارشاد ہے کہ نہیں! حضور کے تمام فیصلے وحی کی رو سے ہوا کرتے تھے۔

یامثلًا حضرت زید کا واقعہ دیکھئے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے نبی اکرم حضرت زیدؓ سے فرماتے ہیں کہ اَمْسِدْ عَلَیْكَ زَوْجُكَ، ۳۳ اپنی بیوی کو طلاق مت دو اس پر حضرت زیدؓ مدیافت فرماتے ہیں کہ یہ حکم وحی کا ہے یا آپ کا ذاتی۔ آپ نے فرمایا یہ وحی کا حکم نہیں۔ حضرت زیدؓ نے اس حکم کے باوجود اپنی بیوی حضرت زینبؓ کو طلاق دیدی اور اس سے نہ خدا ناراض ہوا نہ خدا کا رسول، ورنہ ظاہر ہے کہ وحی کے حکم کی اس طرح کھلی ہوئی مخالفت کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟

یا اذان کا واقعہ لیجیے۔ صلوٰۃ کے لئے ”مناوی“ کا ذکر قرآن میں موجود ہے لیکن اس کی تصریح نہیں کہ مناوی کس انداز کی ہوگی؟ مرقعہ اذان کس انداز سے اختیار کی گئی، رسول نے صواب سے مشورہ کیا۔ کسی نے کچھ مشورہ دیا کسی نے کچھ۔

آنحضرتؐ نے کسی مشورہ کو پسند نہ فرمایا۔ دوسرے دن حضرت عمر فاروقؓ نے آکر عرض

کیا کہ انہوں نے خواب میں ان الفاظ کو سنا ہے جو اب اذان میں کہے جاتے ہیں۔
نبی اکرم نے انہی الفاظ کو بآواز بلند پکارنے کو فرما دیا۔

(رحمۃ العالمین، حصہ اول صفحہ ۳۱)

غور فرمائیے اذان کا معاملہ کوئی نجی معاملہ نہیں بلکہ خالص دین کا معاملہ ہے اس کے لئے
دجی خفی کچھ نہیں بتاتی۔ نبی اکرم صحابہؓ سے مشورہ فرماتے ہیں پہلے روز کوئی موزوں بات
سنا منے نہیں آتی تو معاملہ کو ملتہی کر دیا جاتا ہے پھر دوسرے روز حضرت عمرؓ کی رائے کو
اختیار کر لیا جاتا ہے اس کے باوجود مودودی صاحب کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ کی
ہر بات دجی کی رو سے ہوتی تھی۔

یہ سوال کہ اگر رسول اللہ کی ہر بات دجی کی رو سے ہوتی تھی تو آپ صحابہؓ سے مشورے
کیوں کیا کرتے تھے بڑا اہم ہے واضح رہے کہ یہ مشورہ محض آپ کی مرضی پر منحصر نہ تھا،
بلکہ خدا نے حکم دیا تھا کہ **وَشَاوِدْهُنَّ فِی الْأُمْرِ** معاملات میں ان سے مشورہ کیا
کر دینی اللہ تعالیٰ رسول اللہ کو حکم دیتے ہیں کہ معاملات باہمی مشاورت سے طے کیں
کر رسول اللہ اس حکم کے مطابق صحابہؓ سے برابر مشورہ فرماتے رہے ہیں اس سے
صاف ظاہر ہے کہ ان باتوں میں نہ خدا کی طرف سے دجی ہوتی تھی نہ رسول اللہ اپنی
بات کو دجی سمجھتے تھے اس لئے کہ اگر رسول کی ہر بات دجی ہوتی تو پھر مشورہ سے کیا مطلب؟
لیکن دیکھئے مودودی صاحب اس باب میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں:-

بلاشبہ رسول اللہ کو لوگوں سے مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا مگر وہ اس لئے تھا
کہ آپ اپنی امت کیلئے مشاورت کا نمونہ پیش کریں اور خود اپنے عمل سے جہودیت
کے صحیح اصول کی طرف راہنمائی کریں اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ آپ کی

حیثیت دوسرے امر کی سی ہے۔ دوسرے امر کے لئے تو یہ قانون مقرر کیا گیا ہے کہ وہ مشورہ سے کام کریں۔ (وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ) اور یہ کہ اگر اہل شوریٰ میں نزاع ہو تو وہ خدا اور رسول کی طرف رجوع کریں فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ لیکن رسول اللہ کو جہاں مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے، وہیں بھی کہہ دیا گیا ہے کہ جب آپ کسی بات کا عزم فرمالیں تو پھر خدا پر بھروسہ کر کے عمل کا اقدام فرمائیے۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ مشورہ کے محتاج نہ تھے بلکہ آپ کو مشورہ کا حکم صرف اس لئے دیا گیا تھا کہ آپ کے مبارک ہاتھوں سے ایک صحیح جمہوری طریقہ حکومت کی بنیاد پڑ جائے۔ (ایضاً ص ۲۹۵)

سروست ان تمام مباحث کو الگ رکھ دیجئے کہ آپ کی اور دیگر امراء کی حیثیت میں کیا فرق تھا؟ ان تین ادعتہ فی شئی فردوۃ الی اللہ والرسول کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ سے کیا مراد ہے؟ اس وقت صرف اس توجہ پر گولیچئے جو مودودی صاحب کی طرف سے پیش کی گئی ہے۔ یہ واضح ہے کہ:-

(i) اللہ تعالیٰ نے رسول کو حکم دیا کہ معاملات میں مسلمانوں سے مشورہ کیا کر د

(ii) رسول اللہ معاملات میں مسلمانوں سے مشورہ فرماتے رہے۔

(iii) ان مشوروں پر عمل ہوتا رہا۔

(iv) بعض باتیں جو مشورہ کی رو سے اختیار کی گئیں اللہ کی منشا کے مطابق نہ نکلیں، اس لئے خدا کی دجی نے ان پر تنبیہ کی لیکن مودودی صاحب کا ارشاد ہے کہ حضور منشا دہ کے محتاج نہ تھے یہ حکم محض اس لئے دیا گیا تھا کہ آپ کے ہاتھوں جمہوریت کی بنیاد رکھ

لے ان آیات کی تشریح کے لئے دیکھئے ”اسلامی نظام“ شارح کردہ طلوع اسلام ص ۲۰۸۔

دی جائے سوال یہ نہیں کہ آپ مشورہ کے محتاج تھے یا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ کو مشورہ کو حکم دیا گیا تھا یا نہیں۔ آپ مشورہ کیا کرتے تھے یا نہیں! اگر ان باتوں کا جواب اثبات میں ہے تو پھر اس الجھن کا کیا حل ہے کہ رسول اللہ کی ہر بات وحی ہوتی تھی لیکن آپ کیا وہ کرتے تھے جو مشورہ سے طے پاتا تھا ان دونوں باتوں میں کوئی ربط، کوئی تعلق کوئی واسطہ بھی ہے؟ غالباً مودودی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ آپ مشورہ کے محتاج نہ تھے لیکن (معاذ اللہ) محض دکھانے کے لئے مشورہ فرمایا کرتے تھے تاکہ امت میں طرز جمہوری کی بنیاد آپ کے مبارک ہاتھوں سے پڑ جائے لیکن پھر وہی دشواری سامنے آجائے گی کہ:-

(i) اگر آپ (معاذ اللہ) محض دکھانے کے لئے مشورہ فرمایا کرتے تھے تاکہ جمہوریت کی بنیاد رکھ دی جائے، تو پھر ایسا مشورہ قبول کیوں فرماتے تھے جس پر وحی کی رو سے تنبیہ بھی آجاتی تھی اور

(ii) اگر آپ صحیح معنوں میں مشورہ فرماتے تھے اور مشورہ قبول بھی کرتے تھے مالاکی بعض اوقات وہ مشورہ منشاٹے خداوندی کے خلاف بھی ہوتا تھا تو پھر یہ دعویٰ کس طرح صحیح ہوگا کہ آپ کی ہر بات وحی ہوتی تھی؟

آپ نے غور فرمایا کہ مودودی صاحب کی یہ توجیہ نہ صرف یہ کہ کس قدر بے معنی ہے بلکہ یہ بھی کہ اس سے خود خدا اور اس کے رسول کے متعلق کیا تصور ذہن میں قائم ہوتا ہے؟

بہر حال مودودی صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ:-

(i) ایک قسم کی وحی سے اللہ تعالیٰ دین کے اصولی احکام نازل کیا کرتا تھا اور یہ وحی کتاب میں درج ہو جاتی تھی اور

(ii) اس کے بعد دوسری قسم کی وحی سے ان احکام کی تفصیل نازل کیا کرتا تھا لیکن یہ وحی کتاب میں درج نہیں ہوتی تھی، اگرچہ یہ بالکل قرآن کے ہم پایہ اور اس کے مثل ہوتی تھی۔

(iii) یہ سب کچھ یعنی تدوین جزئیات وحی کی رو سے بحقیقت رسالت ہوتا تھا اور چونکہ حضور کی اطاعت شرط اسلام ہے اس لئے ان تمام امور کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے۔

یہاں لا محالہ یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت لاحق ہوئی کہ اُس نے اپنی وحی کو اس طرح دو حصوں میں تقسیم کر دیا جب **وحی خفی قرآن میں کیوں نہ رکھ دی گئی؟** دونوں چیزیں (اصول اور ان کی تفصیل)

منجانب اللہ تھیں۔ ایک ہی رسول پر نازل ہوتی تھیں اور دین ان دونوں کے مجموعہ کا نام تھا۔ دونوں کو قیامت تک کے لئے غیر متبدل رہنا تھا تو انہیں ایک ہی جگہ (قرآن میں) کیوں درکھا گیا۔ مودودی فرماتے ہیں کہ تم نہیں جانتے کہ اس میں کتنی بڑی اللہ تعالیٰ کی مصلحت پوشیدہ تھی۔

آپ پوچھتے ہیں کہ تفصیلات نماز وغیرہ جو غیر از قرآن ہیں کیوں فریضہ اولین قرار دی جائیں اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ کی بتائی ہوئی تفصیلات نماز وغیرہ کو غیر از قرآن کہنا ہی مرے سے غلط ہے اگر کوئی ماہر فن طبیب فن طب کے کسی قاعدے

کو عملی تجربہ کر کے شاگردوں کو سمجھائے تو آپ اسے خارج از فن نہیں کہہ سکتے۔ اگر کوئی پر دنیوی اقلیدس کے کسی مسئلہ کو شکلیں کھینچ کر تشریح و تفصیل کے ساتھ سمجھائے تو آپ اسے غیر ذاقیدس نہیں کہہ سکتے ہر علم و فن کی اصولی کتابوں میں صرف اصول اور مہمات مسائل بیان کر دیئے جاتے ہیں اور عملی تفصیلات استاد کے لئے چھوڑ دی جاتی ہیں کیونکہ استاد عملی مظاہرہ سے جس بات کو چند لمحوں میں بتا سکتا ہے، اُسی کو اگر الفاظ میں بیان کیا جائے تو صفحے کے صفحے سیاہ ہو جائیں اور پھر بھی شاگردوں کے لئے لفظی بیان کے مطابق ٹھیک ٹھیک عمل کرنا مشکل ہو جائے پھر کتاب کے حسنِ کلام اور اس کے کمالِ ایجاز کا غارت ہو جانا مزید برآں۔ یہ حکیمانہ قاعدہ جس کو معمولی انسان تک اپنے علوم و فنون کی تعلیم میں ملحوظ رکھتے ہیں آپ کی خواہش ہے کہ وہ سب سے بڑا حکیم جس نے قرآن نازل کیا ہے، اس کو نظر انداز کر دیتا۔ آپ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں نماز کے اوقات کا نقشہ بتا دے، رکعتوں کی تفصیل بتا دے، رکوع و سجود و قیام کی سورت میں تفصیل کے ساتھ بیان کرے تاہم بلکہ نماز کی رائج الوقت کتابوں کی طرح ہر سورت کی تصویر بھی مقابل کے صفحات پر بتا دیتا۔ پھر بجز تحریر سے لے کر سلام تک نمازوں میں جو کچھ پڑھا جاتا وہ بھی لکھتا اور اس کے بعد وہ مختلف جزئی مسائل تحریر کرتا جن کے معلوم کرنے کی ہر نمازی کو

لے لیکن آپ اسے اقلیدس کی تصنیف بھی قرار نہیں دے سکتے اقلیدس کی طرف سے وہی ہے جو اس لئے اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے۔

تھے بایں ہمہ مصنف، مصنف رہتا ہے اور استاد، استاد۔

ضرورت ہے۔ اس طرح قرآن کے کم از کم دو تین پارے صرف نماز کے لئے مخصوص ہو جاتے۔ پھر اسی طور پر دو دو تین تین پارے روزہ، حج اور زکوٰۃ کے تفصیلی مسائل پر بھی مشتمل ہوتے ہیں اس کے ساتھ شریعت کے دوسرے معاملات بھی جو قریب قریب زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہیں جزئیات کی پوری تفصیل کے ساتھ درج کتاب کر دیئے جاتے اگر ایسا ہو تا تو بلاشبہ آپ کی یہ خواہش تو پوری ہو جاتی کہ شریعت کا کوئی مسئلہ غیر از قرآن نہ ہو لیکن اس سے قرآن مجید کم از کم انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے برابر ضخیم ہو جاتا اور وہ تمام فوائد باطل ہو جاتے جو اس کتاب کو محض ایک مختصر سی اصولی کتاب رکھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔“

(۳۳۳-۳۳۴)

غور فرمایا آپ نے اللہ تعالیٰ کی اس حکمت بالغہ پر جس کی رو سے اُس نے اپنی وحی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، اور مسلمانوں کو اُس بوجھ سے بچا لیا جو اس تمام وحی کو ایک جلد (ONE VOLUME) میں منضبط کرنے سے انہیں اٹھانا پڑتا۔ موردی صاحب کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں کو اللہ کا ہزار ہزار شکر ادا کرنا چاہیے کہ اُس نے اپنی ساری وحی کو ایک ہی جلد میں درج نہیں کر دیا۔ ورنہ یہ ضعیف و ناتواں بندے اس کے بوجھ سے دب کر مر جاتے!

حی تو چاہتا ہے کہ موردی صاحب کی بیان کردہ حکمت بالغہ کے متعلق ذرا تفصیل سے گفتگو کی جائے لیکن عدم گنجائش تفصیل و اعطاب سے مانع ہے اس لئے اختصار پر قناعت کی جاتی ہے قرآن میں (مثلاً) جتنی مرتبہ صلوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے اگر ان تمام مقامات کو بجا کیا جائے تو وہ ایک پارہ کے حجم سے کم نہ ہوں گے اس تاکید کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے ضخامت کا خیال رکھا لیکن اس کی جزئیات کو اس لئے چھوڑ دیا کہ اس سے ضخامت بڑھ جانے کا ڈر تھا۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کی

جزئیات تو بیان نہ فرمائیں لیکن وضو کی تفصیل درج کتاب کر دی۔ اسی طرح زکوٰۃ کے متعلق دیکھئے تاکیدی احکام کو اکٹھا کیجئے تو ایک اچھی خاصی سورت سے کم نہ ہوں گے۔ لیکن سارے قرآن میں اس کے نصاب کا ذکر تک نہیں ان کے برعکس نکاح، طلاق، عدت وغیرہ کے احکام دیکھئے تو چھوٹی چھوٹی سی تفصیل بھی قرآن میں موجود ہیں جتنی کہ بچے کو دودھ پلانے کی مدت تک بھی معاشرتی احکام کو دیکھئے تو اس قسم کے امور کی تفصیل بھی موجود ہیں کہ گھروں میں کس طرح آنا چاہیئے، کس کس کے ہاں سے کھانا چاہیئے، باہر والوں کو آواز کس طرح دینی چاہیئے، اندر سے چیزیں کس طرح مانگنی چاہئیں مجلس میں کس طرح بیٹھنا چاہیئے کس کے ہاں کھانا کھا کر جلدی اُٹھ جانا چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس کے برعکس ایسے ایسے اہم معاملات کی تفصیل نہیں دی گئی کہ امیر امت کا انتخاب کس طرح ہونا چاہیئے، مشاہدت کا طریق کیا ہونا چاہیئے، حکومت کی شکل کس انداز کی ہونی چاہیئے۔ اور دیکھئے قرآن میں زنا اور سرزد کی سزاؤں کا ذکر موجود ہے۔ لیکن شراب کی سزا کہیں متعین نہیں کی گئی سوچئے کہ اس سے قرآن کی ضخامت پر کیا اثر پڑ جاتا یا مثلاً قرآن میں ہے کہ ہر شخص اپنے مال میں وصیت کر سکتا ہے لیکن احادیث کی رو سے یہ وصیت صرف تہائی حصہ میں ہو سکتی ہے مودودی صاحب کے ارشاد کی رو سے اگر تہائی حصہ کے الفاظ قرآن میں درج کر دیئے جاتے تو اس کی ضخامت بڑھ جاتی یا مثلاً قرآن میں زانیہ اور زانی کی سزا سو سو کوڑے ہیں لیکن حدیث میں ہے کہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا سنگسار کرنا ہے۔ سوچئے کہ اتنے الفاظ کے اضافے سے قرآن کا حجم کس قدر بڑھ جاتا! مودودی صاحب احکام کی تفصیل سے گھبراتے ہیں لیکن قرآن کے ایجاد کا تو یہ اعجاز ہے کہ اس نے دراشت کے احکام چار آیات

میں درج کر دیئے ہیں اور اس جامعیت کے ساتھ کہ وراثت کے متعلق کوئی تفصیل ایسی نہیں جو ان چار آیتوں میں سمیٹ کر نہ آگئی ہو لیکن انہی چار آیتوں کی تفصیل جب روایات کی روش سے ہوئی تو سب سے پہلے یہ کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو (معاذ اللہ) چوتھی جماعت کے طالب علم جتنا حساب بھی نہیں آتا۔

ہم نے بغرض اختصار یہ چند مثالیں اس ضمن میں پیش کر دی ہیں کہ مودودی صاحب کی یہ توجیہ کہ ان تفصیلی احکام کو اس لئے درج قرآن نہیں کیا کہ اس سے ضخامت بڑھ جانے کا اندیشہ تھا کس قدر طغیان ہے پھر یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ جب قرآن اور حدیث دونوں وحی ہیں تو قرآن کو مختصر رکھنے سے فائدہ کیا ہوا جب اس کا دوسرا حصہ (احادیث) اس قدر ضخیم ہو گیا؟

مودودی صاحب کی توجیہ کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام تفاسیل بھی درج قرآن کر دیتا تو وہ تمام فوائد باطل ہو جاتے جو اس کتاب کو محض ایک مختصر سی اصولی کتاب رکھنے سے حاصل ہوئے ہیں یہی ہم کہتے ہیں کہ جب آپ لوگوں نے قرآن کے اصولی احکام کی تمام تفاسیل بھی متن میں (اللہ وحی) قرار دیدیا تو اس سے وہ تمام فوائد باطل ہو گئے جو اس کتاب کو محض ایک مختصر سی اصولی کتاب رکھنے سے حاصل ہوئے تھے۔ وہ فوائد یہی تھے کہ قرآن اصولی کتاب تھا جس کی فروعات زمانہ کے ساتھ ساتھ ضرورت کے مطابق تبدیل ہوتی رہتی تھیں۔ جب آپ نے ان فروعات کو بھی وحی قرار دے کر قیامت تک کے لئے غیر متبدل ٹھہرا دیا تو قرآن کو کتاب اصول رکھنے کے تمام فوائد باطل ہو گئے لیکن مودودی صاحب کی منطق ملاحظہ ہو کہ اگر وحی (جلد اول)

اور وحی (جلد دوم) کو الگ الگ دو جلدوں میں رکھا جائے تو تمام فوائد برقرار رہ جاتے ہیں۔ لیکن اگر دونوں جلدوں کو یکجا کر دیا جائے تو یہ تمام فوائد باطل ہو جاتے۔

بسوخت عقل و حیرت کہ اس چہ بوالعجبی است

واضح رہے کہ مودودی صاحب کے ارشاد کے مطابق قرآن کے اصول اور رسول اللہ کی بیان فرمودہ تفصیلات دونوں منزل من اللہ (وحی) ہیں۔ لہذا ان دونوں کو الگ الگ رکھنا ایسا ہی ہے جیسے ضخامت بڑھ جانے کے خوف سے ایک کتاب کو دو جلدوں (TWO VOLUME) میں شائع کر دیا جائے ایک جلد میں اصول ہیں اور دوسری جلد میں ان اصولوں کی تفصیلات۔ دونوں منزل من اللہ یا مودودی صاحب کے الفاظ میں، ایک تصنیف ہے اور دوسری اس تصنیف کی استادانہ شرح۔ لیکن یہ شرح بھی متجانب اللہ ہے۔ عدم گنجائش پھر مانع ہے کہ ہم شرح و بسط سے بتا سکیں کہ اس تصنیف اور اس کی شرح میں کس قدر باہمی تضاد ہے؟ سر دست چند ایک مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے تصنیف (قرآن کریم) میں ہے کہ زانی مرد اور زانیہ عورت
 میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے بطور سزا لگاؤ۔
 وحی صلی اور وحی مخفی میں تضاد | لیکن اس کی شرح (حدیث) کہتی ہے کہ نہیں، زانی
 اور زانیہ اگر غیر شادی شدہ ہیں تو کوڑے لگاؤ اور اگر شادی شدہ ہیں تو انہیں شگسار کرو۔
 وحی صلی (قرآن) کہتا ہے کہ جنگ کے قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا بطور
 احسان لیکن اس کے بعد اسی کی طرف سے وحی مخفی آتی ہے کہ نہیں! جنگ کے قیدیوں
 کو غلام بناؤ اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں اور ان لونڈیوں کو بلا حد و شمار اپنے حرم میں

داخل کر لو۔

وحی جلی قرآن کہتا ہے کہ انسان کو ضمیر کی آزادی حاصل ہے جس کا جی چاہے اسلام لے آئے جس کا جی چاہے کفر اختیار کر لے لیکن وحی خفی کہتی ہے کہ نہیں! اگر کوئی مسلمان اسلام چھوڑ دے تو اس کی سزا قتل ہے۔

وحی جلی کہتی ہے اور بار بار کہتی ہے کہ تم اپنے مال کو وصیت کی رو سے تقسیم کر سکتے ہو لیکن وحی خفی کہتی ہے کہ یہ وصیت صرف ایک تہائی میں ہوگی اور وہ بھی وارث کے لئے نہیں۔

وحی جلی کہتی ہے کہ یتیموں کا خاص طور پر خیال رکھا کرو لیکن وحی خفی کہتی ہے کہ اگر کوئی بچہ اپنے دادا کی زندگی میں یتیم ہو جائے تو اسے دادا کی میراث میں سے ایک پائی بھی نہ دو تمام کی تمام جائیداد ان بچوں کو دے دو جن کا باپ زندہ ہے۔ وحی جلی کہتی ہے کہ یہ چار چیزیں ہیں جنہیں خدا نے حرام قرار دیا ہے لیکن وحی خفی حرام اور حلال کی طویل طویل فہرستیں مرتب کر کے دیتی ہے۔

وحی جلی کہتی ہے کہ خدا نے رسول اللہ کو صرف قرآن بطور معجزہ دیا ہے۔ دین کی تبلیغ علی وجہ البصیرت ہوگی، جتنی معجزات کی بناء پر نہیں۔ وحی خفی کہتی ہے کہ رسول اللہ کو سیکڑوں (بلکہ ہزاروں) جتنی معجزات عطا ہوئے تھے۔

وحی جلی کہتی ہے کہ اللہ کے رسول سچے ہوتے ہیں وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے لیکن وحی خفی کہتی ہے کہ یہ غلط ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے تین مرتبہ جھوٹ بولا تھا اور جھوٹ بھی ایسا کہ جس کے احساس سے وہ دعاؤں اور روزِ محشر خدا کے حضور جانے سے نام ہوں گے۔

وحی جلی کہتی ہے کہ خدا کی کتاب (قرآن کریم) کا ہر حکم اپنی جگہ محکم ہستقل اور ابدی ہے لیکن وحی خفی کہتی ہے کہ نہیں اس میں بہت سے احکام ایسے ہیں جو منسوخ ہو چکے ہیں اور یوں ہی ہر نئے دزن بیت اس میں رہنے دیتے ہیں۔

وحی جلی کہتی ہے کہ خدا کی کتاب بالکل محفوظ ہے لیکن احادیث کہتی ہیں کہ ایسی آیات (مثلاً آیتِ حیم) بھی ہیں جو پہلے قرآن میں ہوا کرتی تھیں لیکن بعد میں اس میں نہیں۔ ان چند مثالوں سے آپ اندازہ فرمایا لیجئے کہ وحی جلی اور وحی خفی کا باہمی تعلق کیا ہے یعنی خدا پہلے ایک حکم دے دیتا ہے کہ اسے قرآن میں درج کر لو اور اس کے بعد اس کے خلاف حکم دے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے قرآن میں درج مت کرنا۔ الگ رکھنا لیکن عمل اسی پر کرنا۔

ہم یہ لکھ رہے ہیں اور ہمارا کلیجہ کانپ رہا ہے کہ اس قسم کے دین کے متعلق دنیا کیا اندازہ لگاتی ہوگی۔ مودودی صاحب اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھتے ہیں ذرا غور سے سُنئے۔ دریافت کیا گیا کہ اگر رسول اللہ کی متعین فرمودہ جزئیات میں دین ہیں اور قیامت تک کیلئے غیر متبدل تو یہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں (مثلاً) نماز کی جزئیات میں فرق ہے اور یہ فرق خود روایات کی رد سے ہے تو آج اس امر کا پتا کس طرح لگایا جائے کہ ان میں سے کون سی چیز رسول اللہ کی متعین فرمودہ ہے اس کے جواب میں آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

”یہ اختلاف اس امر کا پتا دیتا ہے کہ مختلف لوگوں نے مختلف اوقات میں حضور کا اعلیٰ مختلف دیکھا چونکہ یہ امور نماز میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے اور ان میں سے کسی کے کرنے یا کسی کے نہ کرنے سے نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور حضور خود صاف

شریعت تھے اس لئے آپ جس وقت چاہتے تھے عمل فرماتے تھے لیکن حضور کے سوا کوئی اور شخص چونکہ صاحب شریعت نہ تھا اور اس کا کام اتباع تھا نہ شریک، اس لئے ہر دیکھنے والے نے آپ کو جیسا فعل کرتے دیکھا اس کی پیروی کی اور اسی کی پیروی کے لئے لوگوں سے کہا: ”(ص ۳۳)

مودودی صاحب پہلے فرما چکے ہیں :-

(i) آنحضرتؐ جس وقت جس حالت میں جو کچھ بھی کرتے تھے رسولؐ کی حیثیت سے کرتے تھے (ص ۲۳۳)

(ii) رسولؐ کی ہر بات خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ (ص ۲۴۲)

(iii) آپؐ کا ہر فعل اور ہر قول رسولؐ خدا کی حیثیت سے تھا۔ (ص ۲۴۱)

اس کے بعد مودودی صاحب کے آقباس بالا کو ملاحظہ فرمائیے جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

(i) رسول اللہؐ کا مختلف اوقات میں مختلف عمل ہوتا تھا۔

(ii) اس قسم کے اختلافی امور نماز میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے تھے۔

(iii) اس لئے جس نے جس طرح دیکھا اسی طرح پیروی کرنے لگ گیا۔

اگر رسول اللہؐ کا فعل وحی کی رو سے اور رسولؐ کی حیثیت سے ہوتا تھا تو اس سے لام آیا کہ ایک وقت میں وحی کی رو سے جزئیات کسی طرح متعین ہوا کرتی تھیں اور دوسرے وقت میں کسی اور طرح لیکن اس کے ساتھ ہی مودودی صاحب کا ارشاد ہے کہ آپ صاحب شریعت تھے جس وقت جیسا چاہتے تھے عمل فرماتے تھے اگر حضور جیسا چاہتے تھے عمل فرماتے تھے تو پھر ان اعمال میں وحی کا کیا دخل ہوتا تھا؟ پھر مودودی صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ اختلافی امور نماز میں خاص اہمیت نہیں

رکھتے تھے یعنی یہ تمام امور منجانب اللہ ہوتے تھے اور حضور بحیثیت رسول ان امور کو ادا فرماتے تھے لیکن بایں ہمہ یہ امور نماز میں خاص اہمیت نہیں رکھتے تھے سوچئے کہ یہ کس قسم کا دین ہے؟

اس کے بعد یہ چیز بھی غور طلب ہے کہ مودودی صاحب کو یہ کس طرح معلوم ہو گیا کہ نماز میں فلاں فلاں بات تو اہمیت رکھتی ہے اور فلاں فلاں بات خاص اہمیت نہیں رکھتی! اسے کہتے ہیں۔ تلاعب بالذین، یعنی دین کے ساتھ کھیلنا۔

اب اسی ضمن میں ایک اور بات دیکھئے اور سوچئے کہ اسے کیا کہا جائے۔

مودودی صاحب نے فرمایا ہے کہ قرآن
حدیث شرح نہیں متقل دین ہے
 اصول کی کتاب ہے اور احادیث ان اصولوں

کی تشریح اور تفصیل ہیں۔ اس کے مقابل میں مودودی صاحب کے اس دعویٰ کو سامنے لائیے جس سے اس بحث کا آغاز ہوا ہے یعنی ان کا یہ ارشاد کہ:-
 حدیث کے مستقل ماخذ ہونے کی نفی سے اگر مراد یہ ہے کہ اس کی حیثیت صرف شارح اور مفسر کی ہے یعنی وہ انہی مسائل و دقائق کی وضاحت کرتی ہے جن کا مجملہ ذکر قرآن میں آگیا ہے اور خود اس کی اپنی مستقل حیثیت کچھ نہیں تو یہ دعویٰ واقعہ کے خلاف ہے..... مسائل و احکام کے باب میں حدیث ایک مستقل ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔
 (ترجمان القرآن بابت ستمبر ۱۹۵۱ء)

یعنی ایک جگہ کہتے ہیں کہ قرآن کتاب اصول ہے اور ان اصولوں کی شرح و تفسیر احادیث ہیں۔ لیکن دوسری جگہ کہتے ہیں کہ نہیں! احادیث کی حیثیت شرح و تفسیر کی نہیں، مسائل و احکام

میں ان کی حیثیت ایک مستقل ماخذ کی ہے کیا دین کے ایسے اہم بنیادی معاملہ میں ایسے متضاد تصورات کہیں اور بھی دیکھنے میں آئے ہیں کتنی بڑی جرأت ہے ان لوگوں کی؟

(•)

اب آگے بڑھیے۔ وحی کی ان دو قسموں کے تذکرہ کے بعد مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ:-

جب یہ دونوں چیزیں رسول اللہ کے اتباع اور آپ کے نمونہ حیات کی تقلید کے ساتھ وابستہ ہیں تو لازم ہوا کہ سیرت نبویؐ

حفاظتِ حدیث

کے وہ پاک نمونے اور زبانِ وحی ترجمان کے وہ مقدس احکام بھی قرآن کے ساتھ ساتھ باقی رہیں جن سے رسول اللہ کے ہم عہد لوگوں نے ہدایت پائی تھی، ورنہ بعد کی نسلوں کے لئے ہدایت ناقص رہ جائے گی۔ (ص ۲۹۳)

اس سے ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:-

اس بحث سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول اللہ کا رہنا قطعاً ناگزیر اور ضروری ہے۔ (ص ۲۹۶)

چنانچہ اس کے لئے:-

جس خدا نے اپنی آخری کتاب کی حفاظت کا غیر معمولی انتظام کیا ہے اُس نے اپنے آخری نبی کے نقوشِ قدم اور آثارِ ہدایت کی حفاظت کے لئے بھی وہ انتظام کیا ہے جو اپنی نظر آپ ہی ہے۔ (ص ۳۱۷)

یعنی ۱۔

۱) کتاب اللہ کے ساتھ احادیث کا رہنا قطعی ناگزیر ہے۔

۲) اگر احادیث ساتھ نہ رہیں تو بعد کی نسلوں کے لئے ہدایت ناقص رہ جاتی ہے۔

(۱۱) اس لئے اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن کی حفاظت کا انتظام کیا اسی طرح احادیث رسول کی حفاظت کا بھی انتظام کر دیا۔

(۰)

یہ ٹھیک ہے! اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا۔ قرآن اور احادیث دونوں اُسی کی کتاب کی دو جلدیں، اُسی کی وحی کے دو حصے اور اُسی کے دین کے گوشے تھے وہ ایسا کس طرح سے کر سکتا تھا کہ ان میں سے ایک حصے کی حفاظت کا تو انتظام کر دیتا اور دوسرے حصے کو ایسے ہی چھوڑ دیتا! اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم النظر انتظام کس طرح سے فرمایا، اس کی تفصیل مودودی صاحب نے خود ہی بیان فرمادی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:-
(اُس زمانہ میں) ضبط اور نقل کا ذریعہ جو کچھ بھی تھا وہ لوگوں کا حافظہ اور زبانیں تھیں۔
قدیم زمانہ میں نہ صرف عرب بلکہ تمام قوموں کے پاس دقائق کو محفوظ رکھنے کا اور بعد کی نسلوں تک پہنچانے کا ہی ایک ذریعہ تھا۔ مگر عرب خصوصیت کے ساتھ اپنے حافظہ اور صحتِ نقل میں ممتاز تھے۔ (ص ۲۹)

اس سے واضح ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک قرآن کی حفاظت کا انتظام بھی صرف حافظہ کی رُو سے کیا گیا تھا۔ قرآن کہیں لکھا ہوا موجود نہ تھا! اس لئے کہ اُس زمانہ میں ضبط و نقل کا ذریعہ ہی حافظہ تھا۔ دوسرا کوئی ذریعہ ہی نہ تھا۔

غلط احادیث

لیکن قرآنِ کریم صرف حافظوں میں محفوظ نہیں تھا کتاب کی صورت میں لکھا ہوا موجود تھا اور گھر گھر اس کی تلاوت ہوتی تھی۔

کیا کہ انہیں لوگوں کے حافظہ میں محفوظ کر دیا اب آگے بڑھیے فرماتے ہیں :-
 صداقت کے ساتھ صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ پہلی صدی کے آخر سے حدیث
 کے ذخیرے میں ایک حقد ایسی روایات کا بھی داخل ہونے لگا تھا جو موضوع تھیں۔
 اور یہ کہ بعد کی نسلوں کو جو احادیث پہنچیں ان میں صحیح اور غلط اور مشکوک سب قسم کی
 ملی جلی تھیں۔ (صل)

یہ ہوا نتیجہ اس عظیم الشان نظام کا جو اللہ تعالیٰ نے احادیث کی حفاظت کے لئے اختیار
 فرمایا تھا! خدائی انتظام باز آخر خدائی انتظام ہی ہوتے ہیں! اللہ تعالیٰ نے احادیث
 کی حفاظت کا انتظام اس لئے فرمایا تھا کہ :-
 اگر احادیث محفوظ نہ رہیں تو انے والی نسلوں کے لئے ہدایت ناقص رہ جائیگی
 اور ہوا یہ کہ :-

پہلی ہی صدی کے بعد آنے والی نسلوں کو جو احادیث پہنچیں ان میں صحیح اور غلط
 اور مشکوک سب قسم کی حدیثیں ملی جلی تھیں۔
 دیکھا آپ بنے کہ اللہ نے اپنی ہدایت کو قیامت تک کے انسانوں کے لئے کس طرح
 محفوظ رکھا اس کے بعد مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ :-

(۱) یہ بالکل صحیح ہے کہ احادیث اس حد تک محفوظ نہیں جس حد تک قرآن مجید ہے اور
 (۲) یہ بات ناقابل انکار ہے کہ علم کا جیسا مستند اور معتبر ذریعہ قرآن مجید ہے ویسا
 مستند اور معتبر ذریعہ حدیث نہیں ہے۔ (ص ۲۸-۳۲۹)

یہ وہی احادیث ہیں جن کے متعلق ابھی ابھی ارشاد ہوا تھا کہ :-

رسول اللہ نے جو کچھ استاد کی حیثیت سے بتایا اور سکھایا ہے وہ بھی اسی

طرح خدا کی طرف سے ہے جس طرح قرآن خدا کی طرف سے ہے اس کو غیر از قرآن
کہنا صحیح نہیں ہے۔ (صفحہ ۳۳۶)

اور اللہ نے جن کی حفاظت کا ایسا انتظام کیا تھا ”جو اپنی نظیر آپ تھا“
مودودی صاحب نے فرمایا ہے کہ عربوں کا حافظہ بہت قوی تھا اس لئے انہوں
نے احادیث کو حفظ کر لیا اور یہی حفظ کردہ احادیث آگے منتقل ہوئیں اس سے ظاہر
ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے ارشادات بلفظ حفظ کر لئے جاتے تھے اور وہی الفاظ
آگے منتقل ہوتے چلے جاتے تھے۔ یا رسول اللہ جو کچھ کہتے تھے وہ سب کچھ اسی
طرح نقل ہوتا چلا جاتا تھا لیکن ذرا آگے چل کر وہ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ احادیث کے
اختلاف کی وجہ کچھ اور تھی دیکھتے ہیں۔

بادی النظر میں یہ بات بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ایسی فعلی اور قولی احادیث کو
تواتر کا درجہ حاصل ہونا چاہیے جن کے دیکھنے اور سننے والے بکثرت ہوں ان
میں اختلاف نہ پایا جانا چاہیے۔ لیکن ہر شخص بادی تا مل یہ سمجھ سکتا ہے کہ جس واقعہ
کو بکثرت لوگوں نے دیکھا ہو، یا جس تقریر کو بکثرت لوگوں نے سنا ہو اس کو نقل
کرنے یا اس کے مطابق عمل کرنے میں سب لوگ اس قدر متفق نہیں ہو سکتے
کہ ان کے درمیان ایک برسرِ موقر نہ پایا جائے اس واقعہ یا اس تقریر کے اہم
اجزاء میں تو سب کے درمیان تو ضرور اتفاق ہوگا مگر فرعی امور میں بہت کچھ
اختلاف بھی پایا جائے گا اور یہ اختلاف ہرگز اس بات کی دلیل نہ ہوگا کہ وہ
واقعہ برسرے سے ہی پیش نہیں آیا۔ مثال کے طور پر آج میں ایک تقریر کرتا
ہوں اور کئی ہزار آدمی اس کو سنتے ہیں۔ جلسہ ختم ہونے کے چند گھنٹے بعد

ہی (مہینوں اور برسوں بعد نہیں بلکہ چند ہی گھنٹے بعد) لوگوں سے پوچھ لیجئے کہ مقررے کیا کہا؟ آپ دیکھیں گے کہ تقریر کا مضمون نقل کرنے میں سب کا بیان یکساں نہ ہو گا۔ کوئی کسی ٹکڑے کو بیان کرے گا کوئی کسی ٹکڑے کو کوئی کسی جملہ کو لفظ بلفظ نقل کرے گا کوئی اس مفہوم کو جو اس کی سمجھ میں آیا ہے اپنے الفاظ میں بیان کر دے گا۔ کوئی زیادہ فہیم آدمی ہو گا تو تقریر کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اس کا صحیح مختصر بیان کر دے گا۔ کسی کی سمجھ زیادہ اچھی نہ ہوگی اور وہ مطلب کو اپنے الفاظ میں اچھی طرح ادا نہ کر سکے گا۔ کسی کا حافظہ اچھا ہو گا اور وہ تقریر کے اکثر حصے لفظ بلفظ نقل کر دے گا۔ کسی کی یاد اچھی نہ ہوگی اور وہ نقل اور روایات میں غلطیاں کرے گا۔ (ص ۲۲۹-۲۳۰)

یہ دوسری مثال ہے اس عظیم النظیر انتظام کی جو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے اس حصہ کو محفوظ رکھنے کے لئے اختیار فرمایا :-

بہر حال مودودی صاحب کو تسلیم ہے کہ احادیث کے جو مجموعے مرتب ہوئے، ان میں اللہ تعالیٰ کی تمام کوششوں کے باوجود (موضوع اور مشکوک احادیث بھی شامل ہو گئیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے انتظام کی تیسری کڑی سمنے آتی ہے یعنی ائمہ ہرج و مرج و تعدیل نے ان احادیث کو پرکھا اور معتبر اور غیر معتبر احادیث کو الگ الگ کر دیا۔ نقداً احادیث کے اس کا نامہ کو اسلام کی تاریخ میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور انہی ائمہ ہرج و مرج و تعدیل کے فیصلوں کے مطابق احادیث کو قوی اور ضعیف تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن سنئے کہ مودودی صاحب انتظام خداوندی کے اس شعبہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے :

جرح و تعدیل | دوسرے گروہ کو لیجئے جو دوسری انتہا کی طرف چلا گیا ہے یہ لوگ

محدثین کے اتباع میں جائز حد سے بہت زیادہ تشدد اختیار کرتے ہیں ان کا قول یہ ہے کہ محدثین کرام نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیا ہے اب ہمارا کام یہ ہے کہ ان بزرگوں نے احادیث کے جو درجے مقرر کر دیئے ہیں انہیں کے مطابق ہم ان کو اعتبار اور محبت کا مرتبہ دیں مثلاً جو قوی الاسناد ہے اس کے مقابلہ میں ضعیف الاسناد کو چھوڑ دیں محدثین رحمہم اللہ کی خدمات مسلم یہ بھی مسلم کہ نقد حدیث کے لئے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے وہ صدیق اول کے اخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کارآمد ہے کلام اس میں نہیں بلکہ صرف اس امر میں ہے کہ کھیت ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے وہ بہر حال تھے تو انسان ہی۔ انسانی علم کے لئے جو حدیں فقط اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں ان سے آگے وہ نہیں جا سکتے تھے انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جس کو وہ صحیح قرار دیتے ہیں وہ حقیقت میں بھی صحیح ہے؟ صحت کا کامل یقین تو خود ان کو بھی نہ تھا؟

(ص ۳۱۸)

پھر تحریر فرماتے ہیں:-

محدثین کرام نے اسماء الرجال کا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کیا جو بلاشبہ نہایت بیش قیمت ہے مگر ان میں کون سی چیز ہے جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو؟ (ص ۳۱۹)

غلطیاں بھی محض سہو و خطا کی بنا پر نہیں بلکہ اس بنا پر کہ

نفس ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا تھا اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ اشخاص کے متعلق اچھی یا بُری رائے قائم کرنے میں ان کے ذاتی رجحانات کا بھی کسی حد تک دخل ہو جائے یہ امکان محض امکان عقلی نہیں بلکہ اس امر کا ثبوت موجود ہے (ص ۳۱۹)

اس کے بعد انہوں نے مثالیں دی ہیں جن سے ثابت کیا گیا ہے کہ روایتِ احادیث کو ثقہ اور غیر ثقہ قرار دینے میں ائمہ جرح و تعدیل کا ذاتی رجحان کیا کچھ کمزور تھا اسکے بعد ارشاد ہوا۔
 اس قسم کی مثالیں پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ اسماء الرجال کا سارا علم غلط ہے بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ جن حضرات نے رجال کی جرح و تعدیل کی ہے، وہ بھی تو آخر انسان تھے بشری کمزوریاں اُن کے ساتھ بھی لگی ہوتی تھیں۔ کیا ضرور ہے کہ جس کو انہوں نے ثقہ قرار دیا ہو وہ بالیقین ثقہ اور تمام روایتوں میں ثقہ ہو اور جس کو انہوں نے غیر ثقہ ٹھہرایا ہو وہ بالیقین غیر ثقہ ہو۔ (حصہ ۳۷)

پھر فرماتے ہیں:-

ان سب چیزوں کی تحقیق انہوں نے اسی حد تک کی ہے جس حد تک انسان کر سکتے تھے مگر لازم نہیں کہ ہر روایت کی تحقیق میں یہ سب امور اُن کو ٹھیک ٹھیک ہی معلوم ہو گئے ہوں بہت ممکن ہے کہ جس روایت کو وہ متصل السند قرار دے رہے ہیں، وہ درحقیقت منقطع ہو جائے..... یہ ادا ایسے ہی بہت سے امور ہیں جن کی بنا پر اسناد اور جرح و تعدیل کے علم کو کھینچنا صحیح نہیں سمجھا جاسکتا۔ یہ مواد اس حد تک قابلِ اعتماد ضرور ہے کہ سنتِ نبوی اور آثارِ صحابہ کی تحقیق میں اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے مگر اس قابل نہیں ہے کہ بالکل اسی پر اعتماد کر لیا جائے۔ (حصہ ۳۲)

جو کچھ مودودی صاحب نے تحریر فرمایا ہے، اسکے پیش نظر لا محالہ انسان اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ ہم یقینی طور پر کہہ سکیں کہ کون سی بات فی الواقع رسول اللہ کا ارشاد ہے اور کون سی بات ایسی ہے جس میں کچھ اور بھی شامل ہو چکا ہے اس کے بعد انسان اس منطقی نتیجہ

پر پہنچ جاتا ہے کہ۔

(۱) احادیث کی حفاظت کا انتظام اللہ نے نہیں کیا کیونکہ خدا کا انتظام ایسا ناقص نہیں ہو سکتا اس نے قرآن کی حفاظت کا انتظام کیا اور دیکھئے کیسا مکمل انتظام کیا۔
 (۲) لہذا اس سے ظاہر ہے کہ احادیث کا محفوظ رکھا جانا منشاء خداوندی نہ تھا کیونکہ اگر خدا کا یہ منشا ہوتا تو کس کی مجال تھی کہ ان میں ذرا بھی رد و بدل یا تحریف و الحاق کر سکتا۔

(۳) چونکہ خدا نے احادیث کو محفوظ رکھنے کا انتظام نہیں کیا اس لئے ظاہر ہے کہ یہ دین کا حصہ نہ تھیں۔ دین قیامت تک غیر متبدل رہنے والی شے ہے اور غیر متبدل شے ہمیشہ محفوظ رکھی جاتی ہے۔

(۴) لہذا احادیث کی دینی حیثیت جو بھی ہو یہ منشاء خداوندی نہیں تھا کہ یہ ابدی طور پر واجب الاتباع رہیں اگر انہیں واجب الاتباع رہنا تھا تو ان کا محفوظ رکھا جانا بھی ضروری تھا۔

(۵)

لیکن مودودی صاحب اس نقص انتظام کا اقرار کرنے کے باوجود ہرگز یہ کہ احادیث قیامت تک کسے لئے واجب الاتباع ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر خدا کا انتظام اس باب میں ناکام رہا ہے تو اس کا یہ مطلب تھوڑا ہے کہ ہم انہیں دین ہی تسلیم نہ کریں یہ دین ہیں اور دین ہی رہیں گی۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوا کہ غلط اور صحیح کسے اس ذخیرے سے یہ معلوم کس طرح کیا جائے کہ کون سی احادیث صحیح ہیں اور کون سی غلط! دیکھئے اس کے جواب میں کیا ارشاد ہوتا ہے۔

مزاج شناس

مگر جس طرح شاہدوں کے بیانات کا جانچنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے اسی طرح روایت بھی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ حدیث کو

اصول روایت پر وہی شخص جانچ سکتا ہے جس نے قرآن کا علم حاصل کر کے اسلام کے اصول اولیہ کو خوب سمجھ لیا ہو اور جس نے حدیث کے بیشتر ذخیرہ کا گہرا مطالعہ کر کے احادیث کو پرکھنے کی نظر ہم سنیائی ہو۔ کثرت مطالعہ اور ممارست سے انسان میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج شناس ہو جاتا ہے اور اسلام کی صحیح روح اس کے دل و دماغ میں بس جاتی ہے پھر وہ ایک حدیث کو دیکھ کر اول نظر میں سمجھ لیتا ہے کہ آیا رسول اللہ ایسا فرما سکتے تھے یا نہیں؟ یا آپ کا عمل ایسا ہو سکتا تھا یا نہیں؟ (ص ۳۲)

اس کی تشریح میں دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:-

یہ دوسری کسوٹی کون سی ہے ہم اس سے پہلے بھی اشارۃً اس کا ذکر کئی مرتبہ کر چکے ہیں جس شخص کو اللہ تعالیٰ نفع کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے اس کے اندر قرآن اور سیرت رسول کے غائر مطالعہ سے ایک خاص ذوق پیدا ہو جاتا ہے جس کی کیفیت بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے ایک پرانے جوہری کی بصیرت کہ وہ جو اہر کی نازک سے نازک خصوصیات تک کو پرکھ لیتی ہے۔ اس کی نظر بحیثیت مجموعی شریعت حقہ کے پورے سسٹم پر ہوتی ہے اور وہ اس سسٹم کی طبیعت کو پہچان جاتا ہے اس کے بعد جب جزئیات اس کے سامنے آتی ہیں تو اس کا ذوق اسے بتا دیتا ہے کہ کون سی چیز اسلام کے مزاج اور اس کی طبیعت سے مناسبت رکھتی ہے اور کون سی نہیں رکھتی روایات پر جب وہ نظر ڈالتا ہے تو ان میں بھی

یہی کسوٹی رد و قبول کا معیار بن جاتی ہے اسلام کا مزاج عین ذات نبوی کا مزاج ہے۔ جو شخص اسلام کے مزاج کو سمجھتا ہے اور جس نے کثرت کے ساتھ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کا گہرا مطالعہ کیا ہو تسلیم ہے وہ نئی اکوٹ کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ روایات کو دیکھ کر خود بخود اس کی بصیرت اسے بتا دیتی ہے کہ ان میں سے کون سا قول یا کون سا فعل میرے سرکار کا ہو سکتا ہے اور کون سی چیز سنت نبوی سے اقرب ہے یہی نہیں بلکہ جن مسائل میں اس کو قرآن و سنت سے کوئی چیز نہیں ملتی ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا تو آپ اس کا فیصلہ یوں فرماتے۔ یہ اس لئے کہ اس کی روح، روح محمدی میں گم اور اس کی نظر بصیرت نبوی کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ اس کا دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور وہ اُسی طرح دیکھتا اور سوچتا ہے جس طرح اسلام چاہتا ہے کہ دیکھا اور سوچا جائے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد انسان اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اُس کے فیصلہ کا مدار اس پر نہیں ہوتا وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف متقطع السند چون ذیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے اس لئے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر ہمیشہ کی جوت دیکھ لیتی ہے۔ اور بسا اوقات وہ غیر معلل، غیر شاذ، متصل السند مقبول حدیث سے بھی اعراض کر جاتا ہے اس لئے کہ اس جامِ تنبی میں جو بادِ معنی بھری ہوئی ہے وہ اُسے طبیعت اسلام اور مزاج نبوی کے مناسب نظر نہیں آتی۔

(ص ۳۳۲-۳۳۳)

غور فرمایا آپ تھے کہ مودودی صاحب کس مقام سے بول رہے ہیں جو کچھ انہوں نے

فرمایا ہے اس کا ملخص یہ ہے کہ :-

(i) رسول اللہ کی احادیث خدا کی طرف سے وحی ہیں وہ قیامت تک غیر متبدل ہیں۔

ان کی اتباع خدا کے حکم کی تعمیل اور نبی اکرم کی اطاعت ہے۔

(ii) ان احادیث کا کوئی مستند مجموعہ نہ خدا نے مرتب کیا ہے نہ اس کے رسول نے۔

(iii) محدثین نے ان مجموعوں کو مرتب کیا ہے لیکن اُن کے فیصلے قابلِ سند نہیں ہیں۔

(iv) یہ وہی شخص بنا سکتا ہے کہ جو رسول کا مزاج شناس ہو کہ رسول اللہ نے کیا فرمایا

تھا۔

(v) نہ صرف یہ کہ ان مجموعوں میں ارشاداتِ رسول اللہ کون سے ہیں بلکہ اگر کوئی نیا معاملہ

پیش آجائے تو یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس باب میں رسول اللہ کیا حکم دیتے۔

(vi) لہذا خدا کا دین اس کی عبدیت، رسول اللہ کی اتباع، اس شخص کے فیصلوں کی

اطاعت کا نام ہوا ہے وہ نظامِ اطاعت جو اللہ نے اپنے آخری دین کی حیثیت

سے قیامت تک کے لئے ناقداً العمل رہنے کے لئے عطا فرمایا تھا۔

اب اس مزاج شناسِ ذاتِ رسالتِ رسالتِ رسالت کے

مزاج شناس کے اختیارات! | اختیاراتِ ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں :-

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو نمونہ قرار دینے اور آپ کے اتباع کا حکم

دینے سے مراد یہ نہیں کہ آپ نے جو کچھ کیا اور جس طرح کیا لوگ بھی بعینہ وہی فعل

اُسی طرح کریں اور اپنی زندگی میں آپ کی حیاتِ طیبہ کی ایسی نقل تائیں کہ اصل اور

نقل میں کوئی فرق نہ رہے یہ مقصد نہ قرآن کا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ دراصل یہ ایک

عام اور اجمالی حکم ہے جس پر عمل کرنے کی صحیح صورت ہم کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی تعلیم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقے سے معلوم ہو جاتی ہے یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں مجھلا میں عرض کرتا ہوں کہ جو امور براہ راست دین اور شریعت سے تعلق رکھتے ہیں ان میں تو حضور کے ارشادات کی اطاعت اور آپ کے عمل کی پیروی طَائِقُ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ کرنی ضروری ہے مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور طہارت وغیرہ مسائل کہ ان میں جو کچھ آپ نے حکم دیا ہے اور جس طرح خود عمل کر کے بتایا ہے اس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرنی لازم ہے۔ وہ امور جو براہ راست دین سے تعلق نہیں رکھتے مثلاً تمدنی، معاشی اور سیاسی معاملات اور معاشرت کے جزئیات تو ان میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن کا حضور نے حکم دیا ہے یا جن سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے بعض ایسی ہیں جن میں حضور نے حکمت اور نصیحت کی باتیں ارشاد فرمائی ہیں اور بعض ایسی ہیں جن میں حضور کے طریقہ عمل، سے مکارم اخلاق اور تقویٰ و پاکیزگی کا سبق ملتا ہے اور ہم آپ کے طریقہ کو دیکھ کر یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ عمل کے مختلف طریقوں میں سے کونسا طریقہ روح اسلامی سے مطابقت رکھتا ہے پس اگر کوئی شخص نیک نیتی کے ساتھ حضور کا اتباع کرنا چاہے اور اسی غرض سے آپ کی سنت کا مطالعہ کرے تو اس کے لئے یہ معلوم کرنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ کن امور میں آپ کا اتباع طَائِقُ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ ہونا چاہیے اور کن امور میں آپ کے ارشادات اور اعمال سے اصول اخذ کر کے قوانین وضع کرنے چاہیں اور کن امور میں آپ کی سنت سے اخلاق و حکمت اور خیر و صلاح کے عام اصول مستنبط کرنے چاہیں۔

(ص ۲۴۵)

یہ وہی مودودی صاحب ہیں جو ابھی ابھی فرما چکے تھے کہ :-

جس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب رسالت سے صرفراز کیا اس وقت سے

کے کمر حیات جسمانی کے آخری سانس تک آپ ہر آن اور ہر حال میں خدا کے رسول تھے آپ کا ہر فعل اور ہر قول رسول خدا کی حیثیت سے تھا اسی حیثیت میں آپ مبلغ اور معلم بھی تھے مربی اور مڑکی بھی تھے، قاضی اور حاکم بھی تھے، امام اور امیر بھی تھے حتیٰ کہ آپ کی نجی اور شہری زندگی کے سارے حالات بھی اسی حیثیت کے تحت آگئے تھے۔

(ص ۲۴۴)

یعنی پہلے یہ ارشاد ہوا تھا اور اس کے بعد یہ کہ تمدنی اور معاشی اور سیاسی معاملات اور معاشرت کی جزئیات میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں حضور کی اتباع طاعت النفل بالنقل ہوگی اور بعض ایسی جن میں رخصت ہوگی۔ اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ وہ کون سے امور ہیں جن میں حضور کی اطاعت قدم بقدم کی جائے گی اور کون سے ایسے جن میں آزادی ہوگی؟ وہی مزاج شناس ذات رسالت اور کون؟ اسی ضمن میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔

اب رہ گئے احکام تو قرآن مجید میں ان کے متعلق زیادہ تر کلی قوانین بیان کئے گئے ہیں اور بیشتر امور میں تفصیلات کو چھوڑ دیا گیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً ان احکام کو زندگی کے معاملات میں جاری فرمایا اور اپنے عمل اور قول سے ان کی تفصیلات ظاہر فرمائیں ان تفصیلات میں سے بعض ایسی ہیں جن میں ہمارے اجتہاد کو کوئی دخل نہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ جیسا عمل حضور سے ثابت ہے اس کی پیروی کریں مثلاً عبادات کے احکام۔ اور بعض تفصیلات ایسی ہیں کہ ان سے اصول اخذ کر کے اپنے اجتہاد سے فرورع مستنبط کر سکتے ہیں مثلاً عہد نبوی کے قوانین مدنی اور بعض تفصیلات ایسی ہیں کہ ان سے ہم کو اسلام کی اسپرٹ معلوم

ہوتی ہے اگر یہ اسپرٹ ہمارے قلب و روح میں جاری و ساری ہو جائے تو ہم اس قابل ہو جائیں گے کہ زندگی کے جملہ معاملات اور مسائل پر ایک مسلمان کی سی ذہنیت اور ایک مسلمان کی سی بصیرت کے ساتھ غور کریں۔ دنیا کے علمی اور عملی مسائل کو اسلامی نقطہ نظر سے دیکھیں اور ان کے متعلق وہی رائے قائم کریں جیسی ایک مسلمان کو کرنی چاہیے۔
(ص ۳۲)

اس بات کا فیصلہ بھی وہی مزاج شناس کر سکے گا کہ وہ کون سی تفاسیل ہیں جن میں ہم اپنے اجتہاد سے فرورغ مستنبط کر سکتے ہیں اور وہ کون سی جن میں ہمارے اجتہاد کو کوئی دخل نہیں ہوگا یعنی ۱۔

(۱) قرآن کتاب اصول ہے اس لئے اس سے عملی جزئیات میں ہدایت نہیں مل سکتی۔
(۲) عملی جزئیات احادیث میں ہیں جن کی اطاعت فرض ہے۔

(۳) احادیث صحیح بھی ہیں اور غلط بھی جو صحیح ہیں ان میں بھی بعض ایسی ہیں جو واجب الاتباع ہیں اور بعض ایسی جن کی اتباع ضروری نہیں ہے اور جن کی اتباع ضروری نہیں ان میں بعض ایسی ہیں جن میں اجتہاد سے استنباط کیا جاسکتا ہے اور بعض ایسی جن میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔

(۴) یہ فیصلہ صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو ”مزاج شناس ذات رسالت“ ہو کہ کون سی احادیث صحیح ہیں اور ان میں سے بھی کون سی من وجہ واجب الاتباع۔
(۵) لہذا ظاہر ہے کہ اب امت مسلمہ کیلئے ہدایت خداوندی کا مدار اس ”مزاج شناس ذات رسالت“ کا فیصلہ رہ گیا ہے نہ کسی سند کے پیش کرنے کی ضرورت ہے نہ دلیل کی۔ یہ خالص ذوق کی چیز ہے جس میں کوئی دوسرا شریک ہی نہیں

ہو سکتا۔ جو کچھ موجود ہے اس میں سے بھی وہی دین ہو گا جسے یہ شخص دین کہہ دے گا۔
 اور جو موجود نہیں ہے اس کے متعلق بھی یہی بتانے گا کہ اگر رسول اللہ موجود ہوتے
 تو آپ کیا فیصلہ دیتے۔ لہذا اس مزاج شناس کے فیصلے رسول اللہ کے فیصلے ہوں
 گے اور چونکہ رسول اللہ کے فیصلے خدا کی وحی ہوتے تھے اس لئے اس کے فیصلے
 بھی وہی حیثیت رکھیں گے۔ اب اس کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت ہوگی اور
 اس کی معصیت خدا اور رسول کی معصیت۔ لہذا اب دنیا کو اپنی نجات و سعادت
 کے لئے اسی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

اؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے !
 چونکہ یہ موضوع بہت اہم ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ جو کچھ گذشتہ صفحات میں
 آپ پڑھ چکے ہیں اس کا خلاصہ پیش کر دیا جائے تاکہ بات اچھی طرح
 سے ذہن میں مرتسم ہو جائے آغاز بخن مودودی صاحب کے اس
خلاصہ بحث
 دعویٰ سے ہوا تھا کہ:-

(۱) احادیث کی حیثیت محض قرآن کی تشریح اور تفسیر کی نہیں بلکہ مسائل و احکام
 میں احادیث دین کا مستقل ماخذ ہیں۔ اس لئے کہ:-
 (ب) خدا کی طرف سے دو چیزیں وحی کے ذریعہ ملی تھیں ایک کتاب اللہ دوسرے
 احادیث رسول اللہ۔

اس کے بعد مودودی صاحب نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے:-
 (۱) رسول اللہ زندگی کے ہر سانس میں رسول تھے آپ کی ہر بات ہر حال اور ہر
 آن میں وحی کی رو سے ہوتی تھی۔

(۲) رسول اللہؐ اپنے اجتہادات میں غلطی کر جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ فوراً اصلاح کر دیتا تھا۔

(۳) رسول اللہؐ کے اجتہادات آپ کی خداداد بصیرت کی بنیاد پر ہوتے تھے۔

(۴) احادیث رسول اللہؐ کے اقوال نہیں، بلکہ قرآن کی طرح وحی ہیں اسی طرح اجتہادات نبوی بھی منزل من اللہ تھے اسے وحی خفی کہا جاتا ہے۔

(۵) احادیث اقوال رسول اللہؐ ہیں۔

(۶) وحی خفی کے ذریعہ جو کچھ ملتا تھا وہ رسول اللہؐ کی اپنی ہدایت کے لئے تعالٰیٰ ہدایت نامہ اور دستور العمل قرآن ہی تھا۔

(۷) قرآن کتابِ اصول ہے۔ احادیث اس کی شرح و تفسیر ہیں۔

(۸) یہ شرح و تفسیر اس لئے قرآن میں درج نہیں کی گئی کہ اس سے قرآن کی ضخامت بڑھ جاتی۔

(۹) چونکہ قرآن امدادِ احادیث دونوں وحی تھے اس لئے اللہ نے جس طرح قرآن کی

حفاظت کا انتظام کیا اُسی طرح احادیث کی حفاظت کا بھی انتظام کر دیا

(۱۰) عربوں میں نقل و ضبط کا ذبیحہ صرف حافظہ تھا اس لئے وحی کی حفاظت حافظہ کی رو سے ہوتی تھی۔

(۱۱) انتظامِ خداوندی کے باوجود پہلی صدی کے بعد ہی احادیث کے مجموعوں میں مضموع

اثر و مشکوک احادیث داخل ہونا شروع ہو گئیں۔

(۱۲) ائمہ جرح و تعدیل نے احادیث اور ان کے رواۃ کے پرکھنے کا بڑا اہم کام کیا۔

لیکن وہ بھی انسان ہی تھے ائمہ اس لئے یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ جیسے انہوں

نے صحیح کہہ دیا وہ صحیح ہے اور جسے غلط کہہ دیا وہ غلط۔

(۱۳) اب غلط اور صحیح کا فیصلہ وہ شخص کر سکتا ہے جو مزاج شناسی ذات رسالت تک

ہو یہ بھی وہی بتا سکتا ہے کہ صحیح حدیثوں میں بھی کون کون سی احادیث دلچسپ الٹا

ہیں اور یہ بھی کہ کس کس بات میں اجتہاد کی اجازت ہے اور کس میں نہیں۔

یہ ہیں دلائل اس دعوے کے اثبات کے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف قرآن ہی نہیں

ملا بلکہ قرآن کے ساتھ قرآن کے ہم پایہ (مِثْلُ مَعَهُ) دوسری چیز بھی ملی جسے مجموعہ احادیث کہا

جاتا ہے۔

ہم اس باب میں کسی مزید تبصرہ یا تنقید کی ضرورت نہیں سمجھتے مودودی صاحب کی

تحریروں کے اقتباسات آپ کے سامنے ہیں اگر آپ اصل عبارات دیکھنا چاہیں تو ان کی تصنیف ”تفہیمات“ حصہ اول لے لیجئے اور اس کے بعد از خود کسی نتیجہ پر پہنچ جائے۔

جہاں تک مودودی صاحب کے اپنے عقیدت مندوں کے حلقہ کا تعلق ہے انہیں

وہ یہ کہہ کر مطمئن کر سکتے ہیں کہ طلوع اسلام آج سے نہیں شروع سے اسلامی جماعت کا

خالق چلا آ رہا ہے ہمیں یہ دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں کہ اس نے کیا لکھا ہے؟ جماعت کی

عقیدت مندی وہ قلم ہوتی ہے جس کے اندر انسان کو اپنی مدافعت کے لئے کچھ کہنے یا

کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی جہاں کسی نے کچھ کہا فوراً کہہ دیا کہ یہ لوگ ہماری جماعت کو

کمزور کرنا چاہتے ہیں اس سے جماعتی حمیت جوش میں آجاتی ہے اور کسی کو اتنا سوچنے کی

مہلت ہی نہیں دیتی کہ کہنے والے کی بات کو سن لیا جائے اور اس پر غیر جانب دارانہ انداز سے

غور کر لیا جائے لیکن جو لوگ اس جماعتی عصبيت سے باہر ہیں ہم ان سے عرض کریں گے

کہ جو کچھ گذشتہ صفحات میں لکھا گیا ہے اسے نہایت غور سے دیکھیں اور پھر فیصلہ کریں کہ

دین خداوندی فی الواقع وہی ہے جسے مودودی صاحب پیش فرما رہے ہیں؟ اور کیا ایسے دین میں انسان خدا کی اطاعت کرتا ہے یا پیشوائیت (PRIESTHOOD) کی آمرانہ قوتوں کی؟ اسی سے یہ حقیقت بھی آپ کے سامنے آ جائے گی کہ یہ لوگ اس پر کیوں مُصر ہیں کہ دین خداوندی یہی ہے آپ مودودی صاحب کے پیش کردہ دلائل پر غور کیجئے پھر یہ بھی دیکھئے کہ ان کی تحریروں میں کس قدر تضاد ہے اب صورت حال اتنی ہے کہ اگر مودودی صاحب اس قسم کے کمزور دلائل اور متضاد بیانات کے باوجود اپنے مسلک کو فی الواقع حق و صداقت کا مسلک سمجھتے ہیں تو آپ کی علمی بصیرت کے متعلق جو رائے قائم کی جاسکتی ہے، وہ ظاہر ہے اور اگر وہ اپنے مسلک کی کمزوری کو غمخسوس کرنے کے باوجود اس پر قائم ہیں تو اسے مصلحت کو شئی ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ نیتوں کا مال خدا ہی بہتر جانتا ہے اس لئے اس کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن ان دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی شکل ہو یہ تو واضح ہے کہ مودودی صاحب کا پیش کردہ مسلک اُس دین کا مسلک نہیں ہے جو اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے نبی اکرم کی دساطت سے بھیجا تھا۔

مودودی صاحب کے تضادات | احادیث کو دین قرار دینے میں مودودی صاحب کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ رسول ہر حال اور ہر آن

میں رسول ہوتا ہے اس لئے اُس کی ہر بات منجانب اللہ ہوتی ہے۔ جو شخص رسول کی الگ الگ حیثیتیں قرار دیتا ہے، وہ دین کے بنیادی اصول سے ناواقف ہے چنانچہ اُن کے اپنے الفاظ یہ تھے:-

لیکن یہ تفریق جو انہوں نے دعلامہ اسلم جیراجپوری نے، محمد بن عبد اللہ بحیثیت انسان

اور محمد رسول اللہ بحیثیت مبلغ ہونے کے درمیان کی ہے قرآن مجید سے ہرگز

ثابت نہیں۔ قرآن میں آنحضرت کی ایک ہی حیثیت بیان کی گئی ہے اور وہ رسول

اور نبی ہونے کی حیثیت سے جس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصبِ رسالت سے
 مرفراز کیا اس وقت سے لے کر حیاتِ جسمانی کے آخری سانس تک آپ ہر آن
 اور ہر حال میں خدا کے رسول تھے آپ کا ہر فعل ہر قول رسولِ خدا کی حیثیت سے تھا حتیٰ
 کہ آپ کی نجی زندگی کے سارے معاملات بھی اسی حیثیت کے تحت آگئے
 تھے قرآنِ کریم میں کوئی خفیف سے خفیف اشارہ بھی ایسا نہیں ملتا جس کی بنا پر آنحضرت
 کی حیثیتِ رسالت اور حیثیتِ انسان اور حیثیتِ امارت میں کوئی فرق کیا گیا ہو۔

(تفہیمات حصہ اول ص ۲۴۱)

(۵)

آپ اس دعوے کو غور سے دیکھ لیجئے اور اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ سودودی کے نزدیک رسول
 کی ایک ہی حیثیت ہے اور قرآن میں کوئی خفیف سے خفیف اشارہ بھی ایسا نہیں ملتا
 جس کی بنا پر آنحضرت کی حیثیتِ رسالت اور ذاتی حیثیت میں فرق کیا گیا ہو اس کے بعد
 آپ انہی مودودی صاحب کا یہ بیان ملاحظہ فرمائیے ارشاد ہے ۔

اب اس امر کی تحقیق کیجئے کہ نبی کی اطاعت جو اسلام میں فرض کی گئی ہے اور جس پر
 دین کا مدار ہے، یہ کس حیثیت سے ہے یہ اطاعت اس حیثیت سے ہرگز نہیں
 کہ وہ نبی خاص شخص مثلاً ابنِ عمر یا ابنِ مریم یا ابنِ عبد اللہ ہے قرآن نے اس مسئلہ
 کو نہایت واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ذاتی حیثیت میں تو نبی ویسا
 ہی ایک بشر ہے جیسے تم ہو..... اسی لئے اللہ تعالیٰ بار بار اپنے نبی سے اس حقیقت
 کا اظہار کرتا ہے کہ وہ اطاعت جو مومن پر فرض کی گئی ہے، دراصل نبی بہ حیثیتِ
 انسان کی اطاعت نہیں ہے بلکہ نبی بحیثیتِ نبی کی اطاعت ہے یعنی اُس علم اُس ہدایت،

اس حکم اور اس قانون کی اطاعت ہے جسے اللہ کا نبی اللہ کی طرف سے اس کے بندوں

تک پہنچاتا ہے۔ (ترجمان القرآن بابت دسمبر ۱۹۳۶ء)

غور فرمایا آپ نے! ایک جگہ یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن میں کوئی خفیف سے خفیف اشارہ بھی ایسا نہیں ملتا جس کی بنا پر آنحضرتؐ کی حیثیت رسالت اور حیثیت انسان میں کوئی فرق کیا گیا ہو۔ اور دوسری جگہ یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن نے اس مسئلہ کو نہایت واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ بار بار اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ ”نبی کی حیثیت رسالت الگ ہے اور ذاتی حیثیت الگ!“

مودودی صاحب اپنی کتاب ”رسائل و مسائل“ میں فرماتے ہیں:-

”جو امور آپؐ در رسول اللہؐ نے عادتہ کئے ہیں انہیں سنت نبا دنیا اور تمام دنیا کے انسانوں سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ سب ان عادات کو اختیار کر لیں اللہ اور اس کے رسول کا ہرگز یہ منشا نہ تھا۔ یہ دین میں تحریف ہے۔“ (ص ۳)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”سنت کے متعلق لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ نبیؐ نے جو کچھ اپنی زندگی میں کیا ہے وہ سب سنت ہے۔ لیکن یہ بات ایک بڑی حد تک درست ہونے کے باوجود ایک حد تک غلط بھی ہے۔ دراصل سنت اُس طریق عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو مبعوث کیا تھا۔ اس سے شخصی زندگی کے وہ طریقے خارج ہیں جسے نبیؐ نے بحیثیت ایک انسان ہونے کے یا بحیثیت ایک ایسا شخص ہونے کے جو انسانی تاریخ کے خاص دور میں پیدا ہوا تھا، اختیار کئے۔ یہ دونوں چیزیں کبھی ایک ہی عمل میں مخلوط ہوتی ہیں اور ایسی صورت میں یہ فرق و امتیاز

کہنا کہ اس عمل کا کون سا جز سنت ہے اور کون سا جز عادت بغیر اس کے ممکن نہیں
ہوتا کہ آدمی اچھی طرح دین کے مزاج کو سمجھ چکا ہو۔ (ص ۳۱۰-۳۱۱)
اس سے ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:-

بعض چیزیں ایسی ہیں جو حضور کے اپنے شخصی مزاج اور قوی طرز معاشرت اور آپ کے
عہد کے تمدن سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کو سنت بنانا تو مقصود تھا نہ اس کی پیروی
پر اس دلیل سے اصرار کیا جاسکتا ہے کہ حدیث کی رو سے اس طرز خاص کا لباس
نبی پہنتے تھے اور شرائع الہیہ اس غرض کے لئے آیا کرتی تھیں کہ کسی خاص شخص
کے ذاتی مذاق یا کسی قوم کے مخصوص تمدن یا کسی خاص زمانے کے رسم و رواج کو دنیا
بھر کے لئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سنت بنادیں سنت کی اس مخصوص تعریف کو
اگر ملحوظ رکھا جائے تو یہ بات باسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جو چیزیں اصطلاح شرعی
میں سنت نہیں ہیں ان کو خواہ مخواہ سنت قرار دے لینا منجملہ ان بدعات کے ہے
جس سے نظام دینی میں تحریف واقع ہوتی ہے۔ (ص ۳۱۲)

یہ وہی مودودی صاحب ہیں جو ابھی ابھی یہ فرما رہے تھے کہ:-

جس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب رسالت سے سرفراز کیا اس وقت سے
لے کر حیات جسمانی کے آخری سال تک آپ ہر آن اور ہر حال میں خدا کے رسول
تھے آپ کا ہر فعل ہر قول رسول خدا کی حیثیت سے تھا حتیٰ کہ آپ کی سچی اور شہری
زندگی کے سارے معاملات بھی اسی حیثیت کے تحت آگئے تھے۔

(•)

آپ یقیناً حیران ہوں گے کہ رسول کی حیثیت کے سے اہم اور بنیادی مسئلہ میں اس قدر کھلا

ہوا تضاد کیوں؟ اس کی وجہ ظاہر ہے جب مودودی صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ رسول کی ایک ہی حیثیت ہوتی ہے۔ اس کی حیثیت رسالت اور ذاتی حیثیت میں کوئی فرق نہیں ہوتا، تو اس وقت مقصود یہ تھا کہ فریق مخالف کو منکر حدیث اور اپنے آپ کو حافی سنت ثابت کیا جائے چنانچہ اس وقت یہ فرمادیا کہ قرآن میں خفیف سے خفیف اشارہ بھی نہیں ملتا کہ رسول کی دو حیثیتیں تھیں۔ اس کے بعد خود مودودی صاحب کے خلاف اعتراض کیا گیا کہ اُن کی ڈاڑھی اتنی لمبی نہیں جتنی مقدار احادیث میں آتی ہے تو آپ نے فرمادیا کہ قرآن نے واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ رسول کی دو حیثیتیں ہیں؛ ایک رسالت کی حیثیت اور ایک ذاتی حیثیت۔ ڈاڑھی کا مسئلہ حضور کی ذاتی حیثیت سے متعلق ہے اس لئے اسے سنت نہیں کہا جاسکتا۔ اسے سنت کہنے والا دین میں تحریف کرتا ہے۔

جب یہ پوچھا گیا کہ اسے کون بتائے گا کہ رسول اللہ کی کون سی بات بحیثیت رسول تھی اور کون سی بحیثیت انسان ہو فرمایا کہ اسے وہی بتا سکے گا جو اچھی طرح دین کے مزاج کو سمجھ چکا ہو۔ غور فرمائیے کہ دین کے اہم اصول کس طرح سے متعین ہو رہے ہیں کیا اس طرح سے دین بچوں کا کھیل نہیں بن جاتا؟

اسی بحث کے اخیر میں مودودی صاحب نے فرمایا ہے کہ: اگر ڈاڑھی کی کوئی مقدار بھی ضروری ہوتی اور اس مقدار کا قیام کرنا، حضور کے مشن کا کوئی جزو ہوتا تو آپ ہرگز اس کے تعین میں کوتاہی نہ کرتے مچل چمکے دینے پر اکتفا نہ کرتے تعین سے اجتناب کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت اس معاملہ میں لوگوں کو آزادی دینا چاہتی ہے۔

بعینہ ہی بات ہم اللہ تعالیٰ کے متعلق کہتے ہیں کہ (مثلاً) اگر زکوٰۃ کی کوئی مقدار مقرر کرنا دین کا جزو ہوتا تو اس مقدار کو غیر متبدل رکھنا منشاء خداوندی ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہرگز اس کے تعین میں کوتاہی نہ کرتے عجیل حکم کے دینے پر اکتفا کرنا اور تعین سے اجتناب کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت اس معاملے میں لوگوں کو آزادی دینا چاہتی ہے کہ وہ اپنے اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق مقدار کا تعین خود کریں۔

یہی اصول اس اہم مسئلہ میں قول فیصل ہے۔

باقی رہا مزاج شناسی کا سوال تو اس کے متعلق باب سوم میں لکھا جا چکا ہے۔

(۲) مُنْكَرِ حَدِیْثِ کون ہے؟

لَا سَاعِرَ كَبِيرٍ وَنَزْكَسَ مَسْتٍ وَبَرَّ مَا نَامَ فِیْهِ

(مسحی ۱۵۳/۶)

گوئزنگ کہا کرتا تھا کہ جھوٹی بات کو بار بار دہراتے چلے جاؤ۔ سو مرتبہ دہراؤ تو وہ سچ بن کر دکھائی دینے لگے گی گوئزنگ کو تو معلوم نہیں کہ اس باب میں کس قدر کامیابی ہوئی لیکن اس جھکل اُسکے اس حربہ کا استعمال بلا لائسنس ہو رہا ہے اور اس کا ہدف طلوع اسلام ہے۔ طلوع اسلام کا مسک فاس اسلام کو نمایاں کر کے پیش کرنا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام نوع انسانی کی ہدایت کیلئے بوساطت نبی اکرم صلعم دنیا کو دیا۔ لیکن چونکہ اُس اسلام کے اجاگر ہونے سے اس اسلام کا خاتمہ ہو جاتا ہے جو عجمی ٹکھانوں میں وضع ہوا اور ملائمت کے سہارے آگے بڑھا اور آج جس کے محافظ ہمارے مولوی صاحبان ہیں اس لئے ملائے طلوع اسلام کی مخالفت کو اپنے لئے جہاد عظیم تصور کر رکھا ہے۔ ہمارا ملا طلوع اسلام میں پیش کردہ دعوت کا جواب دلائل و براہین سے تو دینے نہیں سکتا (اس لئے کہ وہ دعوت قرآن کی دعوت ہے اور ملا ہے چارہ قرآنی نور سے محروم ہوتا ہے) اس لئے ملانے اس کے خلاف گوئزنگ کا حربہ استعمال کرنا شروع کر رکھا ہے اس نے یہ مشہور کر دیا کہ طلوع اسلام منکر حدیث ہے اور منکر حدیث وہ ہوتے ہیں جنہیں نہ خدا سے

کوئی واسطہ ہوتا ہے۔ نہ رسول سے، وہ ایک نیا مذہب ایجاد کرنا چاہتے ہیں جس میں (معاذ اللہ) نہ رسالت کا احترام باقی رہتا ہے نہ صحابہ کی تعظیم کا نہ اسلاف کی عزت کا خیال رکھا جاتا ہے نہ بزرگوں کی تحکیم کا۔ یہ سب ملحد اور بے دین ہوتے ہیں جس سے مسلمانوں کو اس طرح بچنا چاہیے جیسے اُبلے کپڑے پہننے والا گیلے پیٹ (WET PAINT) سے بچتا ہے کہ انسان اس کے قریب گیا اور کپڑے ہمیشہ کے لئے خراب ہو گئے۔ اس بہتان طرازی اور گونگ بازی میں جماعت اسلامی سب سے پیش پیش ہے اس لئے کہ طلوع اسلام کی سب سے بڑی ذواہی کے مفاد پر پڑتی ہے آئیے دُعا آج کی صحبت میں یہ دیکھیں کہ جو انوکھا اسلام طلوع اسلام کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے اس کا مجرم اکیلا طلوع اسلام ہی ہے یا اس جرم میں اور بھی شریک ہیں۔ اور جو دوسرے لوگ اس جرم میں شریک ہیں، اُن میں اور طلوع اسلام میں فرق کیا ہے؟ چونکہ یہ کمال بڑا جرم ہے اور مسئلہ ہے بڑا نازک اس لئے ہم گزارش کریں گے کہ آئندہ صفحات میں جو کچھ آپ کے سامنے آئے اُس کے ایک ایک لفظ کو غور سے دیکھئے اور ہر قسم کی جانبداری کو چھوڑ کر خود فیصلہ کیجئے کہ حقیقت حال کیا ہے؟



طلوع اسلام کا مسلک | طلوع اسلام جس مسلک کو ایک عرصے سے پیش کر رہا ہے، وہ مختصر الفاظ میں حسب ذیل ہے:-

لہذا صحیح اسلامی نظام یہ ہے کہ ہم دہم سے مراد ہے ہر دور کے مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ قرآن کریم کو اپنے نظام کا محور قرار دیں اور اس کے اصولوں کی روشنی میں اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق خود جزئیات متعین کریں ان جزئیات کے تعین میں ہم اُن کو نشانوں کو بھی سامنے رکھیں گے کہ جو اس سے پہلے اسی نہج و اسلوب پر ہوتی رہی ہیں ان میں

جو چیزیں ایسی ہوں گی جن میں کسی تغیر کی ضرورت نہیں، انہیں علیٰ حالہ رہنے دیا جائے گا۔
 دوسروں میں مناسب تبدیلیاں کر دی جائیں گی اور نئے امور کے نئے فیصلے کئے جائیں
 گے۔ اور اس ساری کوشش کی اصل و بنیاد یہ ہوگی کہ کوئی شے قرآن کریم کے اصول سے
 نہ ہٹے۔ یہ ہے اسلامی نظام کی صحیح روح۔ یہی رسول اللہ نے کیا تھا۔ اسی کے مطابق اُس
 خلافت کے دور میں عمل رہا جو علیٰ منہاج النبوت قائم تھی اور اسی کے مطابق پھر سے اسلامی
 نظام قائم ہو سکتا ہے۔ (قرآنی دستور پاکستان ص ۲۱۱)

اس اصول سے جو جزئیات متفرع ہوتی ہیں وہ یہ ہیں :-

- (۱) دین یعنی اسلامی نظام کا اصل الاصول قرآن ہے۔ قرآن کے معانی واضح اُس کی
 عبارت صاف اور سلیجھی ہوئی اور اس کی تعلیم کھلی کھلی اور نکھری ہوئی ہے۔
 - (۲) قرآن نے بالعموم دین کے اصول دیئے ہیں تاں اصولوں کی جزئیات اسلامی نظام
 حکومت اپنے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق خود متعین کرے گا۔
 - (۳) سب سے پہلے ان جزئیات کو نبی اکرم صلعم نے متعین فرمایا۔ حضور کے بعد
 دورِ خلافت علیٰ منہاج النبوت میں اُن جزئیات میں جن کے متعلق ضرورت سمجھی گئی مناسب
 رد و بدل ہوتا رہا اور جن میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہ سمجھی گئی، انہیں علیٰ حالہ رہنے دیا گیا۔
 - (۴) جو نئے امور پیش آئے اُن کے لئے نئی جزئیات متعین کی گئیں۔
 - (۵) آج جو اسلامی مملکت علیٰ منہاج النبوت قائم ہوگی اُسے بھی یہی کچھ کرنا ہوگا۔
- اب یہ دیکھئے کہ ان امور میں طلوعِ اسلام منفرد ہے یا ان لوگوں کا بھی بعینہ یہی مسلک
 ہے جو اپنے آپ کو متبعینِ سنت کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور طلوعِ اسلام کو منکرِ حدیث
 قرار دیتے ہیں۔

قرآن کی حیثیت | جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے طلوع اسلام کا مسلک یہ ہے کہ دین کے اصول سب کے سب قرآن کریم میں موجود ہیں سید ابوالاعلیٰ

صاحب مودودی امیر جماعت اسلامی تفسیرات محضہ اول صفحہ ۳۳ پر لکھتے ہیں۔

باقی رہے اصول دین تو وہ سب کے سب کتاب اللہ میں موجود ہیں جو روایات سے بالاتر اور تمام مسلمانوں میں مشترک ہیں۔

مودودی صاحب رسائل و مسائل صفحہ ۶۶ پر لکھتے ہیں۔

یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جن چیزوں پر کفر اور اسلام کا دار ہے اور جن امور پر

انسان کی نجات موقوف ہے انہیں بیان کرنے کا اللہ تعالیٰ نے خود مقرر کیا ہے۔ ۵۰

سب قرآن میں بیان کی گئی ہیں اور قرآن میں بھی ان کو کچھ اشدہ و گنہگار نہ بیان نہیں کیا

لیکن پوری مراعت اور وضاحت کے ساتھ ان کو کھول دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ

خود فرماتا ہے کہ اِنْ تَعَالَيْتَا لَنُفْخِصَنَّ ۹۲

دین کا بنیادی کام یہ ہے کہ جو چیزیں حلال ہیں اور کون کون سی

حرام اور کون کون سی جائز ہیں اور کون کون سی ناجائز ایک نظام مملکت کے

اندراسی چیز کا نام قانون قرار دیا جاتا ہے یعنی قانون یہ بتاتا ہے کہ فلاں کام کرنا جائز

ہے اور فلاں ناجائز سوال یہ ہے کہ انسانوں کے لئے اس قسم کی پابندیاں عاید کرنے

کا حق کیسے حاصل ہے مودودی صاحب اپنی تفسیر تفہیم القرآن جلد اول، صفحہ ۵۹ پر لکھتے ہیں۔

حرام اور حلال اور جائز و ناجائز کی حدود مقرر کرنا اور انسانی زندگی کے لئے قانون

اور شرع تجویز کرنا سب ذات خداوندی کے مخصوص اختیارات ہیں جن میں سے کسی کو

غیر اللہ کے لئے تسلیم کرنا شرک ہے۔

اسی حقیقت کی تشریح کرتے ہوئے وہ تفہیمات حصہ دوم ص ۳۸۹ پر لکھتے ہیں۔
 اسی اصل کی طرف وہ حدیث اشارہ کرتی ہے حجاب و دائرہ نے سلمان بن قاری سے
 بدین الفاظ نقل کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام
 ما احرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فهو مما عفا عنہ حلال وہ ہے
 جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام قرار
 دیا۔ یہ وہ چیزیں جن کا ذکر نہیں کیا گیا تو وہ معاف ہیں۔

طلوع اسلام کا کہنا یہ ہے کہ جن احکام کو قرآن کریم نے صرف اصولاً بیان کیا ہے اور ان کی جزئیات
 کا تعین نہیں کیا۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے دانستہ اسی طرح چھوڑ دیا ہے اگر منشاء خداوندی یہ
 ہوتا کہ ان کی جزئیات بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں تو قرآن کریم میں ان جزئیات کو بھی خود
 ہی متعین کر دیا جاتا۔ اس باب میں مودودی صاحب اپنی تفسیر تفہیم القرآن جلد اول کے صفحہ ۵۰۸-۵۰۹
 پر لکھتے ہیں:-

ایک دوسری حدیث میں ہے ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعوها وحریم حیوات
 فلا تنسکوها وحد حد واد فلا تعتدوها واکت عن اشیلہ من خیر
 نسیان فلا یخشوا عنہا۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض تم پر عائد کئے ہیں انہیں ضائع نہ
 کرو۔ کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کے پاس نہ پھشو۔ کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز
 نہ کرو۔ اور کچھ چیزوں کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے بغیر اس کے کہ اسے بھول لا حق ہوئی
 ہے لہذا ان کی گھونج نہ لگاؤ۔

ان دونوں حدیثوں میں ایک اہم حقیقت پر مشتبہ کیا گیا ہے جن امور کو شارع نے مجملاً
 بیان کیا ہے اور ان کی تفصیل نہیں بنائی یا احکام پر سبیل اجمال دیئے ہیں اور مقدار یا

تعداد یا دوسرے تعینات کا ذکر نہیں کیا ہے ان میں اجمال اور عدم تفصیل کی وجہ یہ نہیں ہے کہ شارع سے بھول ہو گئی تفصیلات بتانی چاہیے تھیں مگر نہ بتائیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شارع ان امور کی تفصیلات کو محدود نہیں کرنا چاہتا اور احکام میں لوگوں کے لئے وسعت رکھنا چاہتا ہے اب جو شخص خواہ مخواہ سوال پر سوال نکال کر تفصیلات اور تعینات اور تقیدات بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر شارع کے کلام سے یہ چیزیں کسی طرح نہیں نکلتیں تو قیاس سے استنباط کیے کسی نہ کسی طرح محمل کو مفصل، مطلق، مکتبہ، غیر معین کو معین بنا کر ہی چھوڑتا ہے وہ درحقیقت مسلمانوں کو بڑے خطرے میں ڈالتا ہے (یہودیوں نے ایسا ہی کیا) جس کے نقش قدم پر چلنے میں قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہات کے باوجود مسلمانوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی سچ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے اپنے مطالب کو خود ہی واضح طور پر بیان کر دیا ہے یا یہ اپنے مفہوم کی وضاحت کے لئے خارجی ذرائع کا محتاج ہے اس باب میں مودودی صاحب ارشاد فرماتے ہیں :-

آپ کی تسخیر کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ قرآن مجید اپنے مدعا کو بغیر کسی ابہام کے صاف صاف بیان کرتا ہے اور اس نے کسی ایسی حقیقت کو جس کا جاننا آدمی کی ہدایت کے لئے ضروری تھا واضح کئے بغیر نہیں چھوڑا ہے۔

(ترجمان القرآن باب اولیٰ دمی ۱۵۱ ص ۱۲)

اسی ضمن میں مودودی صاحب کے رفیق اور جماعت اسلامی کے بہت بڑے رکن امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں :-

قرآن کے اندر اس قدر حکمت کا لاریبہ ایک خزانہ ہے لیکن اس خزانہ کی کلید خود قرآن

ہی کے الفاظ و اشارات ہیں۔ قرآن سے باہران کی کلید نہیں ہے۔ قرآن کے علوم کا ایک حصہ اس کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے ایک حصہ اس کے اشارات سے کھلتا ہے۔ ایک بہت بڑا حصہ اس کے سیاق و سباق سے بے نقاب ہوتا ہے اور پھر سب سے بڑا خزانہ اس کے نظام کی معرفت سے سامنے آتا ہے جو لوگ قرآن پر تدریب کر رہے ہیں وہ بقدر استعداد اس سے فیض پاتے ہیں اور وہ اپنی ہر بات پر قرآن ہی کے الفاظ و اشارات اور سیاق و نظام سے دلیل لاتے ہیں۔

(ترجمان القرآن بابت فردی شہ ۵۳ ص ۳۴)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے حدیث کی بھی ضرورت ہے یا نہیں۔ مودودی صاحب اس باب میں تحریر فرماتے ہیں۔

قرآن کو سمجھنے کیلئے حدیث کی ضرورت نہیں؟

قرآن اور سنت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں۔
(منقبات ص ۱۴۴)

وہ اسی ضمن میں دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

قرآن کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں کہ ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا ہو اور جو طرز جدید پر قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو۔
(منقبات ص ۱۹۳)

تصریحات بالا سے یہ حقیقت آپ کے سامنے آگئی ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک:
(۱) دین کے تمام اصول قرآن کریم کے اندر موجود ہیں۔

(۲) انسانوں کے لئے جائز و ناجائز کے قانون دینے کا اختیار خدا کو حاصل ہے نہ یہ

سمجھنا کہ کسی اور کو بھی ایسا اختیار حاصل ہے شرک ہے۔

(۳) جن اصولوں کی جزئیات قرآن نے خود متعین نہیں کیں، ایسا سہو نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی طرح دانستہ چھوڑا ہے اب یہ کوشش کہ ان نامتعین جزئیات کو کسی نہ کسی طرح متعین بنا کر قیامت تک کے لئے غیر متبدل قرار دے دیا جائے یہودیوں کی پیروی ہے جس سے خدا اور اُس کے رسول دونوں نے منع کیا ہے۔

(۴) قرآن کی تعلیم بالکل واضح اور صاف ہے۔ وہ اپنے مفہوم کے تعین کے لئے کسی خارجی مدد کا محتاج نہیں نہ تفاسیر کا اور نہ احادیث کے ذخیروں کا۔

طلوع اسلام نے آج تک جو کچھ قرآن کریم کے متعلق لکھا ہے اسے سامنے رکھیے اور جو کچھ مودودی صاحب نے کہا اسے ایک مرتبہ پھر پڑھ ڈالئے اور اس کے بعد یہ سوچئے کہ طلوع اسلام کے مسلک اور مودودی صاحب کے مسلک میں ذرا بھی فرق ہے؟

(ب)۔

دین کی جزئیات | اب آگے بڑھئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآنی اصولوں کی جو جزئیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائیں کیا وہ قیامت تک کے لئے غیر متبدل رہیں گی یا ان میں بھی تغیر و تبدل ہو سکتا ہے؟ طلوع اسلام کا مسلک یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جزئیات اپنے زمانے کے تقاضوں کے پیش نظر متعین فرمائی تھیں اگر بعد کے زمانے کے تقاضے ان میں کسی تبدیلی کے متقاضی ہوں، تو قرآنی نظام حکومت جو علی منہاج نبوت قائم ہو وہ ان میں ضروری تغیر و تبدل کر سکتا ہے۔ یہ بڑا اہم سوال ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو جس قدر ہنگامہ آرائی پیدا کی جا رہی ہے، وہ بیشتر طلوع اسلام کے اسی مسلک کی بناء پر ہے اب دیکھئے کہ مودودی صاحب جن

کی جماعت اس ہنگامہ آرائی میں پیش پیش ہے اس باب میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ نفہیات حصہ دوم ص ۳ پر لکھتے ہیں۔

یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ شارع نے غایت درجہ کی حکمت اور کمال درجہ کے علم سے کام لے کر اپنے احکام کی بجا آوری کے لئے زیادہ تر ایسی ہی صورتیں تجویز کی ہیں جو تمام زمانوں اور تمام مقامات اور تمام حالات میں اس کے مقاصد کو پورا کرتی ہیں لیکن اس کے باوجود بکثرت جزئیات ایسی بھی ہیں جن میں تغیر حالات کے لحاظ سے احکام میں تغیر ہونا ضروری ہے جو حالات عہد رسالت اور عہد صحابہ میں عرب اور دنیا کے اسلام کے تھے، لازم نہیں کہ بعینہ وہی حالات ہر زمانہ اور ہر ملک کے ہوں لہذا احکام اسلامی پر عمل کرنے کی جو صورتیں اُن حالات میں اختیار کی گئی تھیں ان کو ہر ہر تمام دمانوں اور تمام حالات میں قائم رکھنا اور مصالح اور حکم کے لحاظ سے ان کی جزئیات میں کسی قسم کا رد و بدل نہ کرنا ایک طرح کی رسم پرستی ہے جس کو روح اسلامی سے کوئی علاقہ نہیں پس معلوم ہوا کہ جزئیات میں دلائل النص اور اشارۃ النص تو دیکھنا بصرۃ النص کی پیروی بھی تفقہ کے بغیر درست نہیں ہوتی اور تفقہ کا اقتضایہ ہے کہ انسان ہر مسئلہ میں شارع کے مقاصد و مصالح پر نظر رکھے اور انہی کے لحاظ سے جزئیات میں تغیر احوال کے ساتھ ایسا تغیر کرتا رہے جو شارع کے اصول تشریح پر مبنی اور اس کے طرز عمل سے اقرب ہو۔

آپ نے غور کیا کہ مودودی صاحب کس قدر واضح الفاظ میں بتاتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی جو جزئیات متعین فرمائیں وہ اُس خاص زمانہ کے حالات کے مطابق تھیں اب تغیر حالات سے اُن میں مناسبت تغیر و تبدل کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہوتا ہے۔ وہ اپنے مضمون ”تجدید و احیائے دین“ میں ایک مجدد کے فرائض کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اس کا کام

اجتہاد فی الدین بھی ہوگا۔

یعنی دین کے اصولِ کلیہ کو سمجھنا اپنے وقت کے تمدنی حالات اور ارتقاءِ تمدن کی سمت کا اسلامی نقطہ نظر سے صحیح اندازہ لگانا اور یہ یقین کرنا کہ اصولِ شرع کے تحت تمدن کے پرانے متواتر نقشہ میں کس طرح رد و بدل کیا جائے جس سے شریعت کی روح برقرار رہے اس کے مقاصد پر ہے ہوں اور تمدن کے صحیح ارتقاء میں اسلام دنیا کی لامتناہی کمر کے۔
(ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۷۷ء ص ۱۹۹)

مودودی صاحب نے اپنے مضمون ”نشانِ راہ“ میں اسی اجمال کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

مدینہ طیبہ سے مماثلت پیدا کرنے کا مفہوم کہیں یہ سمجھ لیا جائے کہ ہم ظاہر اشکال میں مماثلت پیدا کرنا چاہتے ہیں اور دنیا اس وقت تمدن کے جس مرتبہ پر ہے اس سے رجعت کر کے اُس تمدنی مرتبہ پر واپس جانے کے خواہش مند ہیں جو عرب میں ساڑھے تیرہ سو برس پہلے تھا اتباعِ رسول کا یہ مفہوم ہی سرے سے غلط ہے اور اکثر دیندار لوگ غلطی سے اس کا یہی مفہوم لیتے ہیں ان کے نزدیک سلفِ صالح کی پیروی اس کا نام ہے کہ — تمدن و حضارت کی جو حالت اُن کے مہد میں تھی اس کو ہم بالکل متفقہ طور پر FOSSILIZED صورت میں قیامت تک باقی رکھنے کی کوشش کریں اور ہمارے اس ماحول سے باہر کی دنیا میں جو تغیرات واقع ہو رہے ہیں ان سب سے آنکھیں بند کر کے ہم اپنے دماغ اور اپنی زندگی کے ارد گرد ایک حصار کھینچ لیں جس کی سرحد میں وقت کی حرکت اور زمانے کے تغیر کو داخل ہونے کی اجازت نہ ہو اتباعِ کا یہ تصور جو دورِ انحطاط کی کئی صدیوں سے دیندار مسلمانوں کے دماغوں پر مسلط رہا ہے،

در حقیقت روح اسلام کسب بالکل منافعی ہے۔ اسلام کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ ہم جیتے جاگتے آثارِ قدیمہ بن کر رہیں اور اپنی زندگی کو قدیم تمدن کا ایک تاریخی ڈرامہ بنائے رکھیں۔ وہ ہمیں رہبانیت اور قدامت پرستی نہیں سکھاتا اس کا مقصد دنیا میں ایک ایسی قوم پیدا کرنا نہیں جو تغیر و ارتقاء کو روکنے کی کوشش کرتی رہے۔ بلکہ اس کے برعکس وہ ایک ایسی قوم بنا چاہتا ہے جو تغیر و ارتقاء کو غلط راستوں سے پھیر کر صحیح راستوں پر چلانے کی کوشش کرے۔ وہ ہم کو قالب نہیں دیتا بلکہ روح دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ زمان و مکان کے تغیرات سے زندگی کے جتنے بھی مختلف قالب قیامت تک پیدا ہوں اُن سب میں یہ ہم روح بھرے چلے جائیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے دنیا میں ہمارا اصلی مشن یہی ہے کہ ہم کو "مُخْتَارُ امَّةٍ" جو بنایا گیا ہے تو یہ اس لئے نہیں کہ ہم ارتقاء کے راستے میں آگے بڑھنے والوں کے پیچھے عقب لشکرِ RESERVED GUARD کی حیثیت میں آگے رہیں بلکہ ہمارا کام امامت و رہنمائی ہے ہم مقدمۃ الجہش بننے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور ہمارے "مُخْتَارُ امَّةٍ" ہونے کا راز "أُخْرِجَتْ لِنَا مِّنْ قَوْمٍ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ" ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا اصلی اسوجہ جس کی پیروی ہمیں کرنی چاہیے یہ ہے کہ انہوں نے قوانینِ طبیعی کو قوانینِ شرعی کے تحت کر کے زمین میں خدا کی خلافت کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ ان کے عہد میں جو تمدن تھا انہوں نے اس کے قالب میں روح پھونکی پس نبی و اصحاب نبی کا صحیح اتباع یہ ہے کہ تمدن کے ارتقاء اور قوانینِ طبیعی کے اکتشافات سے اب جو مسائل پیدا ہوئے ہیں اُن کو ہم اسی طرح تہذیبِ اسلامی کا خادم بنانے کی کوشش کریں جس طرح صدرِ اقل میں کی گئی تھی۔ نجاست اور گندگی جو کچھ ہے وہ ان مسائل میں نہیں ہے بلکہ اس کا خزانہ تہذیب میں ہے جو ان مسائل سے

فردغ پارہی ہے۔ (نشانِ راہ ص ۵۵)

آپ غور کیجئے کہ اس باب میں مودودی صاحب کا مسلک اُس مسلک سے ذرا بھی مختلف ہے جسے طلوعِ اسلام پیش کرتا ہے لیکن اس کے باوجود طلوعِ اسلام کو منکرِ حدیث اور اپنے آپ کو متبعِ سنت قرار دیتے ہیں۔

نو پیش آمدہ امور | اب رہے وہ امور جو پہلی دفعہ ہمارے سامنے آئیں، سو ان کے متعلق مودودی صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جزئیات کے متعلق مزید شرعی احکام ہم کو صرف انہی حوادث اور انہی امور کے متعلق معلوم ہو سکتے ہیں جو رسول اللہ کے عہد میں پیش آئے تھے۔ باقی رہے وہ حوادث جو حضور کے بعد پیش آئے، تو ان کے متعلق شرع میں کوئی مزید حکم نہیں مل سکتا، بلکہ صرف اصول و کلیاتِ شرع ہی سے ایک حکم نکالا جاسکتا ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین اور ائمہ مجتہدین نے بعد کے حوادث پر چہنچہن کر شرعی احکام لگائے ہیں، وہ اسی طرح اصول و کلیات سے اخذ کئے ہوئے ہیں نہ کہ منصوص۔

اب مگر کوئی ایسا حادثہ پیش آتا ہے جو صحابہ یا ائمہ کے دور میں پیش نہیں آیا یا کوئی ایسی چیز ایجاد ہوتی ہے جو اُس دور میں موجود ہی نہ تھی تو اس کے متعلق متقین کے اجتہادی احکام میں کوئی حکم تلاش کرنا بے باہرہ غلط ہے۔ ایسے ہر حادثہ اور ایسی ہر چیز کے لئے ہم کو بھی اسی طرح اصول و کلیات کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جس طرح صحابہ اور ائمہ نے اپنے عہد کے حوادث میں کیا تھا۔ (تفہیمات حصہ دوم ص ۳۸۷)

ان تصریحات سے یہ حقیقت سامنے آگئی کہ مودودی صاحب کے نزدیک:-

(۱) جن اصولوں کی جزئیات رسول اللہ یا صحابہ کے عہد میں متعین ہو گئی تھیں، ان میں تغیرِ مال کے ساتھ ساتھ تغیر کیا جائے گا اور۔

(۲) جو نئے حوادث پیش آئیں گے ان کے متعلق دین کے اصولوں کی روشنی میں نئے احکام مستنبط کئے جائیں گے۔



رسول اللہ کی مختلف حیثیتیں | مندرجہ صدر اصول سے درحقیقت ایک اور اہم سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کیا رسول اللہ کا ہر ارشاد رسول کی حیثیت ہی سے تھا یا رسالت سے الگ رسول کی کوئی دوسری حیثیت بھی تھی؟ علوم اسلام کا مسلک یہ ہے کہ رسول اللہ کی ایک حیثیت رسالت کی تھی اس حیثیت میں وہ خدا کے احکام بندوں تک پہنچاتے تھے اس میں زندہ کسی سے مشورہ لے سکتے تھے اور نہ ہی اس میں اپنے ذاتی خیال، قیاس، رائے یا اجتہاد کا کوئی دخل ہوتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قیامت تک کے لئے زندہ اور پائندہ ہے اور اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری حیثیت بھی تھی۔ انہوں نے قرآن کے متعین کردہ نظام کو عملاً متشکل فرمایا۔ اس نظام میں آپ کی حیثیت امیرِ ملت کی تھی اُسی حیثیت میں آپ مختلف امور میں اپنی ذاتی بصیرت کے مطابق اجتہاد سے کام لیتے تھے اور صحابہؓ سے مشورہ بھی فرماتے تھے اور اس طرح دین کے اصولوں کی جزئیات متعین ہوتی تھیں ان جزئیات میں خود خلافتِ راشدہ کے زمانے میں عند الضرورت تغیر و تبدل ہوتا رہا اور اس کے بعد قرآنی نظامِ مملکت کو اس کی اجازت ہے کہ وہ تغیرِ حالات کے ساتھ ان جزئیات میں تغیر کر سکتے رہیں۔

اب دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دو حیثیتوں کے متعلق مودودی صاحب کا کیا عقیدہ ہے وہ تفہیمات جلد اول میں لکھتے ہیں:-

اب اس امر کی تحقیق کیجئے کہ نبی کی اطاعت جو اسلام میں فرض کی گئی ہے اور جس پر دین کا مدار ہے، یہ کس حیثیت سے ہے یہ اطاعت اس حیثیت سے ہرگز نہیں کہ نبی وہ خاص شخص مثلاً ابن عمر یا ابن مریم یا ابن عبد اللہ ہے اور یہ خاص شخص ہونے کی بناء پر اس کو حکم دینے اور منع کرنے کا ہلال کرنے اور حرام ٹھہرانے کا ذاتی حق حاصل ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے بار بار اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ وہ اطاعت جو مومن پر فرض کی گئی ہے، جو اصل ایمان ہے اور جس سے کسی مومن کو سرتابی کیا معنی پھیر موانع کاف کا بھی حق نہیں وہ دراصل نبی بحیثیت انسان کے اطاعت نہیں ہے بلکہ نبی بحیثیت نبی کے اطاعت ہے۔ اُس علم، اُس ہدایت، اُس حکم اور اُس قانون کی اطاعت ہے جسے اللہ کا نبی اللہ کی طرف سے اُس کے بندوں تک پہنچاتا ہے۔

دست ۹۶-۹۷

اسی طرح وہ رسائل و مسائل میں لکھتے ہیں:-

در اصل سنت اُس طریق عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث کیا تھا۔ اس سے شخصی زندگی کے وہ طریقے خارج ہیں جو نبی نے بحیثیت ایک انسان ہونے کے یا بحیثیت ایک ایسا شخص ہونے کے جو انسانی تاریخ کے خاص دور میں پیدا ہوا تھا اختیار کئے۔ تمدن و معاشرت کے معاملات میں ایک چیز وہ اخلاقی اصول ہیں جن کو زندگی میں جاری کرنے کے لئے نبی صلعم تشریف لائے تھے۔ اور دوسری چیز وہ عملی صورتیں ہیں جن کو نبی صلعم نے ان اصولوں کی پیروی کے لئے خود اپنی زندگی میں اختیار کیا۔ یہ عملی صورتیں کچھ تو حضور کے شخصی مزاج اور طبیعت کی پسند پرستی تھیں کچھ اُس مسلک کی معاشرت پر جس میں آپ پیدا ہوئے تھے اور کچھ اُس زمانہ کے حالات پر جس میں آپ مبعوث ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی تمام اشخاص اور

تمام اقوام اور تمام لوگوں کے لئے سنت بنا دینا مقصود نہ تھا۔ (ص ۳۱۷-۳۱۸)
 آپ نے دیکھا کہ یہاں کیسے واضح الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ ایک تو وہ اصول تھے جنہیں
 جاری کرنے کے لئے رسول اللہ تشریف لائے اور دوسری وہ عملی شکل تھی جس کی رد سے
 رسول اللہ نے اُن اصولوں کو جاری فرمایا۔ وہ اصول تو ہمیشہ کے لئے غیر متبدل ہیں لیکن ان
 کی عملی صورتیں جو اُس زمانے کے حالات اور طرز معاشرت کو پیش نظر رکھ کر اختیار کی گئی تھیں،
 ہمیشہ ہمیشہ کے لئے واجب الاتباع اور غیر متبدل نہیں ہیں۔ یہی نہیں کہ یہ چیزیں واجب الاتباع
 نہیں بلکہ مودودی صاحب تو یہاں تک بھی کہتے ہیں کہ:-

اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کے اتباع پر اسرار کرنا ایک سخت
 قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریف دین ہے جس سے بڑے نتائج پہلے بھی
 ظاہر ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے۔ (در مسائل و مسائل ہفتہ)

(درجہ)

طلوع اسلام کا کہنا یہ ہے کہ دین کے جو اصول قرآن میں دیئے گئے ہیں، اُن کی عملی جزئیات
 متعین کرنے کے لئے رسول اللہ صلعم صحابہ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ لہذا یہ جزئیات
 برہنہ دہی و حجت نہ تھیں۔ جو بات مشورہ سے طے ہو وہ مشورہ سے بدلی بھی جاسکتی ہے۔
 رسول اللہ کی یہ حیثیت امیر مملکت کی حیثیت تھی۔ اس لئے قرآنی نظام مملکت میں امیر مملکت
 کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ باہمی مشاورت سے ہر قضاے حالات کے مطابق ان
 جزئیات میں تغیر و تبدل کر لے۔ اس نکتہ کے متعلق کہ رسول اللہ صلعم کو بحیثیت امیر مملکت
 مشورہ کرنے کا حکم تھا۔

مودودی صاحب لکھتے ہیں:-

قرآن کہتا ہے کہ مسلمانوں کے اجتماعی معاملات باہمی مشاورت سے انجام پانے چاہئیں اور نبی صلعم کو بحیثیت صدر ریاست کے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے **وَمَا يَرْصُدُ فِي الْأُمُورِ فَإِذَا تَوَفَّتْ قُلُوبُكُم مَّا عَلَى اللَّهِ** اور ان سے معاملات میں مشورہ کرو۔ پھر مشورہ کے بعد جب تم عزم کرو تو اللہ کے بھروسے پر عمل کرو۔

(ترجمان القرآن بابت دسمبر ۱۹۵۲ء ص ۵۸)



اللہ و رسول کی اطاعت کے قرآن کی مراد | طلوع اسلام کا کہنا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے،

اس سے مراد یہ ہے کہ یہ اطاعت اُس نظام کی ہے جو قرآنی قوانین کو نافذ کرے اور اللہ اور رسول کی نافرمانی اُس نظام کی نافرمانی ہے۔ اب دیکھئے کہ مودودی صاحب اس باب میں کیا فرماتے ہیں۔ سورہ مائدہ میں ہے کہ **إِنَّمَا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَابُ وَالْحَقُّ عَلَى اللَّهِ وَرُسُلُهُ** اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں۔ اور زمین میں اس لئے لڑو کہ تم پھرتے ہو۔ کہ فساد مبرا کریں۔ یہاں اللہ اور اس کے رسول سے کیا مراد ہے۔ اس کی بابت وہ کہتے ہیں :-

فدا اور رسول سے لڑنے کا مطلب اُس نظام صالح کے خلاف جنگ کرنا ہے جو اسلام

کی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہو۔ (تفہیم القرآن جلد اول ص ۲۶۵)

آپ نے دیکھا کہ اللہ اور رسول سے مراد مودودی صاحب کے نزدیک بھی اسلامی نظام حکومت ہے۔

احادیث | احادیث کے متعلق طلوع اسلام کا کہنا یہ ہے کہ خدا کی طرف سے جس قدر وحی نازل ہوئی وہ سب قرآن کے اندر محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا، وہ حضور کے اپنے ارشادات تھے، کلام اللہ نہیں تھا۔ اس بارے میں مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

قرآن کے کلام اور محمد صلعم کے اپنے کلام میں زبان اور اسلوب کا اتنا نمایاں فرق ہے کہ کسی ایک انسان کے دو اس قدر مختلف اسٹائل کبھی ہونہیں سکتے۔ یہ فرق صرف اُسی زمانہ میں واضح نہیں تھا جب کہ نبی مسلم اپنے ملک کے لوگوں میں رہتے بہتے تھے بلکہ آج بھی حدیث کی کتابوں میں آپ کے سیکڑوں اقوال اور خطبے موجود ہیں ان کی زبان اور اسلوب قرآن کی زبان اور اسلوب سے اس قدر مختلف ہیں کہ زبان و ادب کا کوئی رمز آشنا تھا یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے کلام ہو سکتے ہیں۔ (ترجمان القرآن بابت ستمبر ۱۹۵۷ء ص ۳۸)

رسائل و مسائل میں دجائ سے متعلق احادیث پر بحث کرتے ہوئے مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:-

ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضور سے احادیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں جن کے بارے میں آپ خود شک میں تھے۔ یہ باتیں آپ نے علم وحی کی بنا پر نہیں فرمائی تھیں، بلکہ اپنے گمان کی بنا پر فرمائی تھیں۔ اور آپ کا گمان وہ چیز نہیں ہے جس کے صحیح ثابت ہونے سے آپ کی نبوت پر کوئی حرف آتا ہو یا جس پر ایمان لانے کے لئے ہم مکلف کئے گئے ہیں۔ (ص ۵۵-۵۶)

یہ تو رہی مودودی صاحب کے نزدیک حدیث کی حقیقت۔ اب سوال یہ ہے کہ جو حدیثیں

ہم تک پہنچی ہیں کیا ان سے دین کے متعلق کوئی یقینی علم بھی حاصل ہو سکتا ہے؟ اسکے متعلق مودودی صاحب فرماتے ہیں:-

احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچتی ہوئی آئی ہیں جن سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمانِ صحت ہے نہ کہ علمِ یقین اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس خطرہ میں ڈال کر گمراہ نہیں کر سکتا کہ جو امور اس کے دین میں اتنے اہم ہوں کہ ان سے کفر و ایمان کا فرق واقع ہوتا ہے انہیں صرف چند آدمیوں کی روایت پر منحصر کر دیا جائے ایسے امور کی نوعیت ہی اس امر کی متقاضی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صاف صاف اپنی کتاب میں بیان فرمائے اللہ کا رسول انہیں اپنے پیغمبرِ آدمیوں کا اصل کام سمجھتے ہوئے ان کی تبلیغ عام کرے اور وہ بالکل غیر مشتبہ طریقہ سے ہر ہر مسلمان تک پہنچا دیئے گئے ہوں۔ (رسائل و مسائل ص ۱۷)

یہ بعینہ وہی چیز ہے جسے طلوع اسلام پیش کرتا چلا آ رہا ہے دوسرے مقام پر مودودی صاحب لکھتے ہیں:-

قولِ رسول اور وہ روایات جو حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں لازماً ایک ہی چیز نہیں ہیں اور نہ ان روایات کو استناد کے لحاظ سے آیاتِ قرآنی کا ہم پر قرار دیا جاسکتا ہے آیاتِ قرآنی کے منزل من اللہ ہونے میں تو کسی شک کی گنجائش ہی نہیں برخلاف اس کے روایات میں اس شک کی گنجائش موجود ہے کہ جس قول اور فعل کو نبی صلعم کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ واقعی حضور کا ہے یا نہیں۔ (رسائل و مسائل ص ۱۷)

طلوع اسلام بھی یہی کہتا ہے کہ ہم احادیث کے عجوبوں کے متعلق یقین کے ساتھ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ جن چیزوں کو رسول اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ دراصل رسول اللہ کی ہیں

بھی یا نہیں اس لئے یہ چیزیں دین کا مدار قرار نہیں پاسکتیں کیونکہ دین کے متعلق خود اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا ہے کہ اسے لاریب خبیہ ہونا چاہیے، یعنی ایسا کہ جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔

اسی طرح مودودی صاحب ذرا آگے چل کر کہہ سکتے ہیں :-

اصل واقعہ یہ ہے کہ کوئی روایت جو رسول اللہ کی طرف منسوب ہو اس کی نسبت کا صحیح

اور معتبر ہونا بجلئے خود زیر بحث ہوتا ہے۔ (ایضاً ص ۲۹)

اس چیز کا فیصلہ کہ کون سی حدیث رسول اللہ کی ہو سکتی ہے اور کون سی نہیں، مودودی صاحب کے نزدیک اس شخص کی ذاتی بصیرت ہے جو مزاج شناسِ رسالتاب ہو لیکن اس کے متعلق وہ خود ہی کہتے ہیں کہ یہ چیز کسی دوسرے شخص کے لئے سند نہیں قرار پاسکتی چنانچہ وہ کہتے ہیں :-

اس باب میں اختلاف کی بھی کافی گنجائش ہے کیونکہ ایک شخص کا ذوق اور اس کی بصیرت

لازمًا دوسرے شخص کے ذوق اور بصیرت سے بالکل مطابق نہیں ہو سکتا، اگرچہ

ماخذ دونوں کا ایک ہی ہو لہذا کسی شخص کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ صرف وہی چیز شرعی

ہے جس کو میری بصیرت شرعی کہہ رہی ہے اور دوسرے شخص کی بصیرت جس کو شرعی کہتی

ہے، وہ قطعاً و یقیناً غلط ہے۔ — تعلیمات حصہ دوم ص ۳۳

اسی بناء پر طلوع اسلام کا کہنا یہ ہے کہ اس امر کا فیصلہ کہ کون سی چیز شرعی ہے اور کون سی

شرعی نہیں صرف مسلمانوں کا اسلامی نظام کر سکتا ہے۔ مودودی صاحب اصح الکتاب

بعد کتاب اللہ یعنی بخاری شریف کے متعلق فرماتے ہیں :-

یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے کہ بخاری میں جتنی احادیث درج ہیں ان کے مضامین کو

بھی جو ان کا توں بلا تنقید قبول کر لینا چاہیئے۔ (ترجمان القرآن، اکتوبر و نومبر ۱۹۵۲ء)

آپ سندرجہ صدر اقتباسات کو غور سے دیکھئے اور پھر خود ہی فیصلہ کیجئے کہ حدیث کے متعلق جو مسلک طلوع اسلام پیش کرتا ہے اس میں اور مودودی صاحب کے پیش کردہ مسلک میں کوئی بھی فرق ہے؟ لیکن اس کے باوجود وہی مودودی صاحب ہیں کہ وہ طلوع اسلام کو منکر حدیث قرار دے کر اسے (معاذ اللہ) خدا اور رسول کا بدترین دشمن قرار دیتے ہیں اور خود سب سے بڑے متبع سنت بن کر خدا اور رسول کے اطاعت گزار بنتے ہیں دنیا میں اس قسم کی دیدہ دلیریاں کم ہی دیکھنے میں آئی ہوں گی۔

امیر جماعت اسلامی کی تضاد بیانیائیں | ممکن ہے یہاں بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ جب اس باب میں طلوع اسلام

اور مودودی صاحب کا مسلک ایک ہی ہے تو پھر ان دونوں میں فرق کہاں پیدا ہوتا ہے؟ فرق پیدا ہوتا ہے اس باب میں کہ طلوع اسلام جو کچھ ایک جگہ کہتا ہے، وہی کچھ دوسری جگہ کہتا ہے آج جو کہتا ہے عوی کل کہتا ہے لیکن مودودی صاحب کا یہ حال ہے کہ وہ ہر مقام پر موقع اور مصلحت کے لحاظ سے الگ الگ بات کہتے ہیں۔ آج کچھ، کل کچھ، یہاں کچھ، وہاں کچھ۔ ممکن ہے آپ کو اس پر تعجب ہو۔ اور مودودی صاحب کے متبعین کو اس پر غصہ بھی آئے لیکن طلوع اسلام جو کچھ کہتا ہے، دلیل اور سند کے ساتھ کہتا ہے عوی نہی کسی کے خلاف التزام عام نہیں کر دیتا۔ جو کچھ اس نے کہا ہے، اس کا ثبوت لیجئے اور دیکھئے کہ مودودی صاحب کس قدر متضاد باتیں کہتے چلے جاتے ہیں۔

رسول اللہ کی دو حیثیتیں | حدیث کے معاملہ میں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی حیثیت درمالت کی تھی یا دو الگ الگ حیثیتیں تھیں۔ علامہ اسلم جبرائیل پوری نے اپنی کتاب تعلیمات قرآن میں تحریر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں الگ الگ تھیں۔ ایک حیثیت رسالت جس میں آپ خدا کی وحی انسانوں تک پہنچاتے تھے اور دوسری حیثیت بشری جس میں آپ اپنی ذاتی حیثیت سے معاملات سرانجام دیتے تھے۔ موردی صاحب نے اس کتاب پر تنقید کرتے ہوئے لکھا۔

یہ تفریق جو انہوں نے محمد بن عبد اللہ بحیثیت انسان اور محمد رسول اللہ بحیثیت مبلغ کے درمیان کی ہے قرآن مجید سے ہرگز ثابت نہیں ہے۔ قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی حیثیت بیان کی گئی ہے اور وہ رسول و نبی ہونے کی حیثیت ہے جس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب رسالت سے سرفراز کیا..... اُس وقت سے لے کر حیات جسمانی کے آخری سانس تک آپ ہر آن اور ہر حال میں خدا کے رسول تھے۔ آپ کا ہر فعل اور ہر قول رسول خدا کی حیثیت سے تھا..... حتیٰ کہ آپ کی نجی اور خاندانی اور شہری زندگی کے سارے معاملات بھی اس حیثیت کے تحت آ گئے تھے۔

(تفہیمات، حصہ اول، ص ۱۴۱)

اس کے بعد خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ موردی صاحب پر لوگوں نے اعتراض کر دیا کہ انکی ڈاڑھی سنت کے مطابق نہیں ہے اس کے جواب میں وہ لکھتے ہیں کہ:-

سنت کے متعلق لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنی زندگی میں کیا ہے وہ

سب سنت ہے..... سنت اُس طریق عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری

کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث کیا تھا اس سے شخصی زندگی کے

وہ طریقے خارج ہیں جو نبی نے بحیثیت ایک انسان ہونے کے یا بحیثیت ایک ایسا شخص ہونے کے جو انسانی تاریخ کے خاص دد میں پیدا ہوا تھا اختیار کئے.... جو اور آپ نے عادت کئے ہیں انہیں سنت بنالینا اور تمام دنیا کے انسانوں سے مطالبہ کرنا کہ وہ سب ان عادات کو اختیار کریں، اللہ اور اس کے رسول کا ہرگز یہ منشا نہ تھا۔

یہ دین میں تحریف ہے۔ (در مسائل و مسائل حضرت ۳۰۰)

آپ نے غور فرمایا کہ جب علامہ اسلم صاحب نے یہ لکھا کہ رسول اللہ صلعم کی ایک حیثیت رسالت کی تھی اور ایک بشریت کی تو مودودی صاحب نے فرمایا کہ یہ غلط ہے رسول اللہ کی ایک ہی حیثیت تھی۔ آپ کا ہر فعل اور ہر قول رسول خدا کی حیثیت سے تھا۔ حتیٰ کہ آپ کی نجی زندگی کے سارے معاملات بھی اسی حیثیت کے تحت آگئے تھے لیکن خود مودودی صاحب پر اعتراض ہوا کہ ان کی ڈاڑھی سنت کے مطابق نہیں تو انہوں نے فرمادیا کہ رسول اللہ کا یہ حکم یا عمل انسان کی حیثیت سے تھا رسول کی حیثیت سے نہیں تھا۔ اس لئے یہ سنت میں داخل ہی نہیں یہیں تک ہی نہیں انہوں نے علامہ اسلم صاحب جبر و جبری کے جواب میں کہا تھا کہ ”قرآن مجید سے ہرگز ثابت نہیں کہ رسول کی دو حیثیتیں تھیں، لیکن

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

قرآن نے اس مسئلہ کو نہایت واضح الفاظ میں صاف کر دیا ہے وہ کہتا ہے کہ ذاتی حیثیت میں تو وہ نبی ویسا ہی ایک بشر ہے جیسے تم بشر ہو، البتہ نبی ہونے کی حیثیت سے اس میں اور تم میں عظیم الشان فرق ہے۔ (تفہیمات حصہ اول ص ۵۹)

یعنی ایک جگہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید سے ہرگز ثابت نہیں کہ رسول اللہ کی دو حیثیتیں تھیں اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ قرآن نے اس مسئلہ کو نہایت واضح الفاظ میں صاف کر دیا ہے

کہ رسول کی دو حیثیتیں ہیں۔ یعنی جب ضرورت پڑی تو کہہ دیا کہ قرآن سے یہ ہرگز ہرگز ثابت نہیں اور جب دوسرے وقت پر موقع آیا تو کہہ دیا کہ قرآن نے نہایت واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ رسول کی دو حیثیتیں تھیں۔ ظاہر ہے کہ یا تو یہ چیز قرآن سے پرلے درجے کی جہالت ہے اور یا بدترین قسم کا مذاق۔ بہر حال صورت کچھ بھی ہو، موقع اور محل کے لئے دونوں قسم کی باتیں قرآن کی طرف منسوب کر دی گئیں۔ اس قسم کا کھلا ہوا تضاد تو شاید مرزا غلام احمد کے ہاں بھی نہ ملے۔ اور آگے بڑھیے۔

علامہ اسلم حیراجپوری نے لکھا تھا کہ رسول اللہ پر جو وحی نازل ہوئی تھی وہ سب قرآن میں محفوظ ہے۔

تمام وحی قرآن میں محفوظ ہے

قرآن سے باہر وحی نہیں ہے اس کے جواب میں مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔
 یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ کتاب کے سوا اور کوئی وحی نبی پر نازل نہیں ہوتی۔۔۔۔۔
 ہر وہ بات جس پر نطقِ رسول کا اطلاق کیا جاسکتا ہے، وحی ہے۔۔۔۔۔ رسول کی ہر بات خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔
 (تفہیمات حصہ اول، ص ۲۴۲-۲۴۳)

اس سے ظاہر ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک وحی کا کچھ حصہ قرآن میں داخل ہے اور کچھ احادیث میں۔ یہ دوسرا حصہ بھی قرآن کی طرح مِلَّةٌ مَعَهُ خدا کی طرف سے ہوتا تھا خود رسول اللہ کا اپنا کلام نہیں ہوتا تھا لیکن یہی مودودی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

قرآن کے کلام اور محمد صلعم کے اپنے کلام میں زبان اور اسلوب کا اتنا نمایاں فرق ہے کہ کسی ایک انسان کے دواں قد مختلف اشیا کل کہیں ہو نہیں سکتے۔۔۔۔۔ آج بھی حدیث کی کتابوں میں آپ کے سیکڑوں اقوال اور خطبے موجود ہیں جن کی زبان اور اسلوب قرآن کی زبان اور اسلوب سے اس قدر مختلف ہیں کہ زبان و ادب کا کوئی ریزا آشنا قادیہ کہنے

کی جڑات نہیں کر سکتا کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے کلام ہو سکتے ہیں۔

(ترجمان القرآن، ستمبر ۱۹۵۲ء، ص ۳۸۵)

یعنی ایک جگہ کہا گیا کہ احادیث بھی اُسی طرح سے خدا کی طرف سے وحی ہیں جس طرح قرآن کریم خدا کی طرف سے وحی ہے لیکن دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ قرآن اور حدیث کے اسلوب اور انداز سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ احادیث اُس کلام نہیں جس کا کلام قرآن ہے۔ خود فرمایا آپ نے کہ یہ کس قدر کھلا ہوا تضاد ہے۔

بات صرف اسلوب و انداز تک ہی محدود نہیں اس سے آگے بھی ابھی ابھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ :-
ہر وہ بات جس پر نطقِ رسول کا اطلاق کیا جاسکتا ہے وحی ہوگی اور آپ کا ہر فعل اور ہر قول رسول خدا کی حیثیت سے تھا۔
لیکن دوسری جگہ ارشاد ہے کہ :-

ان امور کے متعلق جو باتیں حضور سے احادیث میں منقول ہیں، وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں جن کے بارے میں آپ خود شک میں تھے یہ باتیں آپ نے علم وحی کے مطابق نہیں فرمائی تھیں بلکہ آپ نے اپنے گمان کی بناء پر فرمائی تھیں۔

(رسائل و مسائل، ص ۵۵، ۵۶)

یعنی ایک جگہ یہ کہا گیا کہ رسول کا ہر قول وحی تھا اور منجانب اللہ تھا اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ یہ احادیث رسول اللہ کے قیاسات تھے جن میں آپ کو خود بھی شک تھا۔

ذرا سوچئے کہ اس قسم کی کھلی ہوئی متضاد باتیں کس قسم کا انسان کر سکتا ہے۔

رسول اللہ کو بحیثیت امیر کے اُمت سے مشورہ کا حکم | اور آگے بڑھے علامہ اسلم جلیج پوری نے لکھا کہ رسول اللہ کو بحیثیت امیر

خدا کی طرف سے حکم تھا کہ اُمت سے مشورہ کیا کریں اس پر مودودی صاحب نے فرمایا کہ:-

اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ آپ کی حیثیت دوسرے امراء کی سی ہے۔

دوسرے امراء کے لئے تو یہ قانون مقرر کیا گیا ہے کہ وہ مشورہ سے کام کریں **وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ** ^{۲۶} لیکن رسول اللہ کو جہاں مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے وہیں یہ بھی کہہ دیا

گیا ہے کہ جب آپ کسی بات کا عزم کر لیں تو خدا پر بھروسہ کر کے عمل کا اقدام کریں **وَإِذَا خَا**

عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ^{۲۷} آپ کی امارت آپ کی رسالت سے الگ نہ تھی بلکہ آپ

رسول خدا کی حیثیت ہی سے امیر تھے۔ (تفہیمات حصہ اول ص ۲۴۴)

یعنی مودودی صاحب کے نزدیک رسول اللہ کی امارت کی حیثیت رحالت کی حیثیت

سے الگ نہیں تھی آپ کو مشاورت کا جو حکم دیا گیا تھا وہ بحیثیت امیر ریاست نہیں تھا،

بلکہ بحیثیت رسول ہی تھا۔ قرآن کی آیت **وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ** ^{۲۶} عام امراء کے لئے تھی۔

اور **وَإِذَا خَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ** ^{۲۷} کا حکم رسول اللہ کے لئے خاص تھا لیکن دوسری جگہ

مودودی صاحب فرماتے ہیں:-

اس باب میں قرآن جو کچھ کہتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اجتماعی معاملات باہمی مشورہ

سے انجام پانے چاہیں **وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ** ^{۲۶} اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت

صدر ریاست کے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ**

وَإِذَا خَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ^{۲۷} اور ان سے معاملات میں مشورہ کرو پھر مشورہ

کے بعد جب تم عزم کر لو تو اللہ کے بھروسہ پر عمل کرو یہ دونوں آیتیں مشورہ کو لازم

کرتی ہیں اور صدر ریاست کو ہدایت کرتی ہیں کہ جب وہ مشورہ کے بعد کسی فیصلے پر پہنچ جائے تو اللہ کے بھروسے پر اسے نافذ کرے۔ (ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۵۲ء ص ۲۷۰)

آپ نے خود کیا کہ ایک جگہ یہ فرمایا گیا کہ مشورہ کی ایک آیت (وامرہ شورى بینہم ۳۸) تو عام امراء کے لئے تھی اور دوسری آیت (فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ۱۵۸) رسول اللہ کے لئے لیکن دوسری جگہ ارشاد ہے کہ یہ دونوں آیتیں مشورہ کو لازم کرتی ہیں اور صدر ریاست کو ہدایت کرتی ہیں کہ جب وہ مشورہ کے بعد کسی فیصلے پر پہنچ جائے تو اللہ کے بھروسے پر اسے نافذ کرے یعنی جب علامہ اسلام پر اعتراض کیا تو کہہ دیا کہ رسول اللہ کے لئے یہ خاص حکم تھا کہ آپ جب کسی فیصلے پر پہنچ جائیں تو اسے اللہ کے بھروسے پر نافذ کر دیں لیکن جب کراچی کے وکلاء کی محفل میں تقریر کی تو اس وقت یہ فرما دیا کہ یہ آیت ہر صدر ریاست کے لئے ہے۔ اس قسم کا تلاعب بالذہن بھی کم ہی دیکھنے میں آیا ہو گا۔

دین میں حرام اور حلال کا سوال بڑا بنیادی ہے اس سے یہ اہم سوال

حرام اور حلال

پیدا ہوتا ہے کہ حرام صرف وہی چیزیں ہیں جنہیں قرآن نے حرام قرار

دے دیے ہیں یا وہ چیزیں بھی جنہیں روایات میں حرام قرار دیا گیا ہے رستہ محمد صبیح صاحب نے حلال و حرام کی تحقیق پر ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے بتایا کہ قرآن نے صرف چار

لے طلوع اسلام میں اس کتاب پر بصرہ شائع ہو چکا ہے جس میں صبیح صاحب کے اس خیال سے اختلاف

کیا گیا ہے کہ جس چیز کو قرآن نے حلال قرار دیا ہے اس کا کھانا ہر حال فرض ہے حلال کے ساتھ طیب کے قرآنی امثال نے یہ بتا دیا کہ وہ حلال چیزیں کھانی جائیں گی جو خوش گوار بھی ہوں اور من سے طہیت کو

کراہت نہ آتی ہو۔

چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ترجمان القرآن بابت فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۵۱ میں بڑے طنز یہ انداز میں لکھا گیا ہے کہ :-

اس میں تحقیق یہ پیش کی گئی ہے کہ قرآن میں صرف مردار، خون، مُؤذک گوشت اور خیر اللہ کے نام پر ذبح ہونے والے جانوروں کو حرام قرار دیا گیا ہے لہذا دندے، مکتے، گدھے، مینڈک، چوہے وغیرہ سب حلال ہیں..... کتاب کے مباحث طریقت پرستوں اور انگریزوں کے منکرینِ حدیث حضرات کے پسینہ ہیں۔

یعنی یہ مسلک منکرینِ حدیث کا ہے کہ حلال اور حرام صرف کتاب اللہ میں ہے ورنہ متبعینِ حدیث کا مسلک یہ ہے کہ جن چیزوں کو احادیث میں حرام بیان کیا گیا ہے وہ بھی اسی طرح حرام ہیں :-
ترجمان القرآن میں تو یہ لکھا ہے لیکن مودودی صاحب اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں کہ :-

فقہائے اسلام میں سے ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ حیوانی غذاؤں میں سے یہی چار چیزیں حرام ہیں یعنی مردار، بہتا ہوا خون، مُؤذک گوشت یا جسے خیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے (اور ان کے سوا ہر چیز کا کھانا جائز ہے یہی مسلک حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا تھا..... ان تمام مختلف احوال اور ان کے دلائل پر غور کرنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ دراصل شریعتِ الہی میں قطعی حرمت ان چار چیزوں کی ہے جن کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے۔ (ص ۵۹۲-۵۹۳)

یعنی ایک جگہ یہ لکھا جاتا ہے کہ شریعت میں یہی چار چیزیں قطعی طور پر حرام ہیں فقہائے اسلام کے ایک گروہ کا بھی یہی عقیدہ ہے اور یہی مسلک حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا بھی تھا لیکن جب یہی بات محمد صبیح صاحب لکھتے ہیں تو ان کا یہ کہہ کر مذاق اڑایا جاتا ہے

کہ یہ منکر حدیث کی باتیں ہیں یعنی وہی بات جب مودودی صاحب کہیں تو وہ اطاعتِ خدا بھی ہو اور اتباعِ سنت بھی ہر شربِ نقیہ بھی ہو اور مسلکِ صحابہ بھی لیکن جب وہی بات کوئی فرقِ مخالف کہے تو منکر حدیث قرار پا جائے۔

میں جو چپ بیٹھوں سٹری کہہ لاؤں
شیخ چپ بیٹھے تو کل ٹھہرے!

حرام اور حلال کے متعلق مودودی صاحب کی اس تفسیر میں بھی ایسی متضاد باتیں لکھی ہیں جنہیں دیکھ کر انسان حیرت میں رہ جاتا ہے لیکن اس کی تشریح کا یہ موقع نہیں۔

اسلاف پر تنقید
طلويع اسلام کے خلاف سب سے بڑا جرم یہ عائد کیا جاتا ہے کہ یہ ان معتقدات و رسومات پر تنقید کرتا ہے جو ہمارے اسلاف سے منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں لیکن ان ہی اسلاف کے متعلق مودودی صاحب کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے مثلاً

بوشبہ یہ قول حسن بصری اور قتادہ اور عیسیٰ وغیرہم سے منقول ہے مگر یہ لوگ خدا کی طرف سے کب مبعوث ہوئے تھے کہ ان کے اقوال کو ترک کر دینے سے انسان کافر ہو جائے۔۔۔۔۔ یہ سلف کون سے انبیاء تھے جن پر ایمان لانے کی مسلمانوں کو تکلیف دی گئی ہے۔۔۔۔۔ مجتہد خواہ کتنا ہی باکمال ہو زمان و مکان کے تعینات سے بالکل آزاد نہیں ہو سکتا نہ اُس کی نظر تمام ازمنا و احوال پر وسیع ہو سکتی ہے نہ اُس کے تمام اجتہادات کا تمام زمانوں میں اور تمام حالات کے مطابق ہونا غیر ممکن ہے۔

(تنقیحات جس ۱۳۳ - ۱۳۷، ۱۳۶)

غور کیجئے کہ یہ لفظ آدمی بات نہیں جو طلوع اسلام کہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود طلوع اسلام اسلاف کا منکر اور یہ حضرات اسلاف کے نام لیوا ہیں۔

کیا تمام امت منافق تھی؟ | طلوع اسلام نے اتنی سی بات کہہ دی کہ قرآن کریم نے قربانی کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ اس کا مقام کعبہ ہے اور یہ جو ہم ہر شہر اور ہر قریہ میں قربانیاں دیتے ہیں یا حج کے موقع پر جانور کاٹ کاٹ کر یوں بھی پھینک دیتے ہیں اس کی سند قرآن سے نہیں ملتی اس کے خلاف مودودی صاحب غیظ و غضب کی ایک پوری دنیا اپنے جلو میں لئے ہوئے اٹھے اور گر جتے ہوئے فرمایا کہ:-
آخر یہ امت ساری کی ساری منافقوں پر ہی تو مشتمل نہیں رہی ہے کہ حدیثوں پر حدیثیں قربانی کی مشروعیت پر گھڑی جائیں اور ایک نیا طریقہ ایجاد کر کے رسول خدا کی طرف منسوب کر دیا جائے اور پوری امت آنکھیں بند کر کے اسے قبول کر بیٹھے۔

(تفہیمات حصہ دوم ص ۴۴)

لیکن انہی مودودی صاحب نے اپنی محمدیت کا مہرہ آگے بڑھایا ہے تو اس کی تہمید یوں شروع کی کہ حضرت عثمان کے عہد ہی میں مجاہدیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھسنے کا راستہ مل گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ۔

جاہلیت مشرکانہ نے عوام پر حملہ کیا اور توحید کے راستے سے ہٹا کر ان کو مذلت کی بے شمار راہوں میں بھٹکا دیا۔ ایک صریح بت پرستی نہ ہو سکی باقی کوئی قسم شرک کی ایسی نہ رہی جس نے مسلمانوں میں رواج نہ پایا ہو۔ پرانی جاہل قوموں کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے، وہ اپنے ساتھ بہت سے مشرکانہ تصورات لئے چلے آئے اور یہاں ان کو صرف اتنی

تکلیف کرنی پڑی کہ پرانے معبودوں کی جگہ مقابلہ دیا۔ اسے کام لیں اور پرانی عبادات کی رسموں کو بدل کر نئی رسمیں ایجاد کریں۔

(ترجمان القرآن، دسمبر ۱۹۳۶ء و جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۲۸۳-۲۸۵)

کوئی ان صاحب سے پوچھے کہ یہ امت ساری کی ساری منافقوں پر مشتمل تھی کہ اس قسم کے مشرکانہ تصورات، معتقدات اور رسومات اسلام میں داخل ہونے لگے اور پوری امت آنکھیں بند کر کے اسے قبول کرتی رہی اگر مودودی صاحب کے ارشاد کے مطابق امت نے اس قسم کی مشرکانہ عبادات و اعمال کو قبول کر لیا تھا تو کیا اس کا امکان نہ تھا کہ یہ امت قربانی کی رسم کو بھی اپنے ہاں رائج کر لیتی۔

لیکن طلوع اسلام اگر قربانی کی رسم کے متعلق اتنا سا کہہ دے تو عوام کو یہ کہہ کر بھڑکا دیا جائے کہ دیکھو! یہ امت کو صاف قرار دے رہا ہے لیکن اگر مودودی صاحب پوری امت کے متعلق یہ ارشاد فرمائیں کہ وہ مشرکانہ تصورات و عبادات کو ایک ایک کر کے قبول کرتی گئی تو بدستور مجتہد کے مجتہد رہیں۔

جب میں چلوں تو سایہ بھی میرا ساتھ ہے جب تم چلو زمین چلے آسمان چلے!

غرضیکہ کہاں تک سمجھتے جاتیے۔ ہم اگر چاہیں تو مودودی صاحب کے اسی قسم کے تضادات کی ایک تصنیف پیش کر سکتے ہیں لیکن اس کی سر درست ضرورت نہیں آپ نے اتنے اقتباسات سے ہی یہ اندازہ لگایا ہو گا کہ یہ صاحب کس طرح دین کے سے اہم معاملہ میں بھی مختلف مواقع پر متضاد باتیں کہتے چلے جاتے ہیں اور انہیں کوئی نہیں پوچھتا کہ دین سے ایسا مذاق کیوں ہو رہا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ایک تو عوام کا حافظہ ہی کمزور ہوتا ہے دوسرے جب انسان اپنے

گرد عقیدت مندوں کا حلقہ قائم کر لے تو پھر کوئی شخص تنقید کی جرأت کر ہی نہیں سکتا اس کے بعد جواب کے جی میں آئے، کہتے چلے جائیے۔ ہر طرف سے سجان الشادیرم رجا کی آوازیں و جہ فریب نفس بنتی چلی جائیں گی لیکن آپ سوچیے کہ اپنے تھوڑے سے فائدے کے لئے کتنا بڑا نقصان ہے جو سادہ لوح مسلمانوں کو پہنچایا جاتا ہے۔

ہیں افسوس ہے کہ یہ مقالہ اس وقت شائع ہو رہا ہے جب کہ مودودی صاحب گرفتار ہو چکے ہیں اس لئے ممکن ہے یہ کہا جائے کہ جب وہ اس پوزیشن ہی میں نہیں کہ اس کا جواب دے سکیں تو وہ اپنی مدافعت کس طرح کر سکتے ہیں؟ لیکن قارئین کو یاد ہو گا کہ مودودی صاحب اور اُن کے رفقاء میں آج تک اس کی جرأت و ہمت نہیں ہوئی کہ وہ طلوع اسلام کے کسی اعتراض کا بھی جواب دے سکیں۔ اگرچہ وہ اپنی اس کمزوری اور عجز کو ہمیشہ اس پندار کے نقاب میں چھپاتے رہے ہیں کہ ہم ایسے ذلیل لوگوں کے منہ نہیں لگنا چاہتے۔ اس لئے اگر وہ باہر بھی ہوتے تو وہ ان اعتراضات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے ہم نے اس مقالہ کو اس لئے شائع کیا ہے کہ جو سادہ لوح مسلمان نہایت دیانت داری سے سمجھ کر ان حضرات کے ساتھ شامل ہیں کہ یہ بہت بڑے شیعہ منت اور اسلاف کے عقیدت مند ہیں اُن پر ان کی اصلی حقیقت آشکارا ہو جائے اور وہ کسی دھوکا میں نہ رہیں۔

ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کے جواب میں جماعت اسلامی کی طرف سے یہ کہا جائیگا (جیسا یہ اکثر کہا کرتے ہیں) کہ مودودی صاحب کی عبارات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے اور اقتباسات بھی صحیح نہیں دیئے جاتے۔ ہم آپ سے صرف اتنا کہیں گے کہ جو شخص یہ بات کہے اس سے کہنے کہ ہم نے جو حوالے اور پر دیئے ہیں، وہ کتابیں لے آئے اور اس کے بعد کچھ بتائے کہ کہاں الفاظ کو توڑا مروڑا گیا ہے اور کہاں اقتباسات کو غلط پیش کیا گیا ہے آپ اس کا شدت سے مطالبہ کیجئے آپ دیکھیں گے کہ وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی دلیل بھی پیش نہیں کر سکیں گے۔

سید ابوالاعلیٰ مردودی منکر حدیث ہیں

مولانا ظفر احمد عثمانی، صدر جمعیت علمائے اسلام کا فتویٰ

(نومبر ۱۹۵۳ء)

کراچی سے ایک صاحب نے حسب ذیل فتویٰ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، صدر جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے پاس بھیجا یہ بتائے بغیر کہ عبارات کس کی ہیں۔

استفتا کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے عقائد خود اس کے الفاظ میں حسب ذیل ہیں۔

۱) یہ حقیقت یقیناً ناقابل انکار ہے کہ شارع نے غایت درجہ کی حکمت اور کمال درجہ کے علم سے کام لے کر اپنے احکام کی بجا آوری کے لئے زیادہ تر ایسی ہی صورتیں تجویز کی ہیں جو تمام زمانوں اور تمام مقامات اور تمام حالات میں اس کے مقاصد کو پورا کرتی ہیں لیکن اس کے باوجود کج فہم جوئیات ایسی بھی ہیں جن میں تغیر حالات کے لحاظ سے احکام میں تغیر ہونا ضروری ہے جو حالات عہد رسالت ہو اور عہد صیبریہ میں عرب اور دنیا نے اسلام کے تحفے لازم نہیں کہ بعینہ وہی حالات ہر زمانے اور ہر ملک کے ہوں۔ لہذا احکام اسلامی پر عمل کرنے کی جو صورتیں ان حالات میں اختیار

کر لی گئی تھیں اُن کو جو ہر تمام زمانوں اور تمام حالات میں قائم رکھنا اور مصالح و حکم کے لحاظ سے اُن کے جزئیات میں کسی قسم کا رد و بدل نہ کرنا ایک طرح کی رسم پرستی ہے جس کو روح اسلامی سے کوئی علاقہ نہیں.....

پس معلوم ہوا کہ جزئیات میں ولانۃ النقص اور اشارة النقص تو درکنار مصلحتۃ النقص کی پیروی بھی تفقہ کے بغیر درست نہیں ہوتی اور تفقہ کا اقتضایہ ہے کہ انسان ہر مسئلہ میں شارع کے مقاصد و مصلح پر نظر رکھے اور انہی کے لحاظ سے جزئیات میں تغیر احوال کے ساتھ ایسا تغیر کرتا رہے جو شارع کے اصول تشریع پر مبنی اور اُس کے طرز عمل سے اقرب ہو۔

(۲) اہل رعایت نے جو خدمت اپنے ذمہ لی تھی وہ دراصل یہ تھی کہ قابل اعتماد ذرائع سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے متعلق جتنا مولد اُن کو بہم پہنچے اسے جمع کر دیں چنانچہ یہ خدمت انہوں نے انجام دی۔ اس کے بعد یہ کام اہل روایت کا ہے کہ وہ نفس مضامین پر غور کر کے ان روایات سے کام کی باتیں اخذ کریں..... اسلئے یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے کہ بخاری میں جتنی احادیث درج ہیں۔ اُن کے مضامین کو بھی جوں کا توں بلا تنقید قبول کر لینا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی جان لینے کی ہے کہ کسی روایت کے سند صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا نفسِ مضمون بھی ہر لحاظ سے صحیح اور جوں کا توں قابل قبول ہے۔

(۳) سنت کے متعلق عموماً لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنی زندگی میں کیا ہے وہ سب سنت ہے لیکن یہ بات ایک بڑی حد تک درست ہونے کے باوجود ایک حد تک غلط بھی ہے۔ دراصل سنت اُس طریقِ عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری رکھنے کے لئے اللہ نے اپنے نبی کو مبعوث کیا تھا اس شخص کی زندگی کے وہ طریقے خارج ہیں جو نبی نے بحیثیت ایک انسان ہونے کے یا بحیثیت ایک شخص ہونے کے جو انسانی تاریخ کے خاص دور میں پیدا ہوا تھا اختیار

کہتے..... جو آپ نے حادثہ کے ہیں انہیں سنت بنا دینا اور تمام دنیا کے انسانوں سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ سب ان عادات کو اختیار کریں اللہ کا اور اس کے رسول کا ہرگز یہ منشاء نہ تھا یہ تحریف ہے جو دین میں کی جا رہی ہے۔

(۳) ان امور و افعال کی تفصیل کے متعلق جو مختلف باتیں حضور سے منقول ہیں وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں جن کے بارے میں آپ خود شک میں تھے۔

حوالہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا عقائد رکھنے والا شخص

(۱) صحیح معنی میں مسلمان اور شیخ سنت کہلائے گا یا منکر حدیث؟

(۲) اگر منکر حدیث کہلائے گا تو اسلام میں اس کا کیا مقام ہے؟ اور

(۳) ایسا شخص دائرۃ اسلام سے خارج اور طہر و بدین ہے یا نہیں؟

مولانا عثمانی صاحب نے اس فتویٰ کا حسب ذیل جواب دیا۔

الجواب

(۱) بظاہر یہ شخص منکر حدیث ہے۔

(۲) دائرۃ اسلام سے تو خارج نہیں مگر گمراہ اور مشبہ ع ہے ایسے شخص سے مسلمانوں کو دور

رہنا چاہیے اور اس کی باتوں پر ہرگز اعتماد نہ کرنا چاہیے۔ اس کو جابلِ اجمل سمجھنا چاہیے۔

(نقل و تحفظ از خط احمد عثمانی عفا اللہ عنہ از ڈھاکہ ۲۱ رجب)

۱۳۴۲ھ ۶ اپریل ۱۹۲۲ء

یہ عبارات سید العلامہ علی صاحب موردی امیر جماعت اسلامی کی ہیں اور ان کا حوالہ حسب ذیل ہے۔

(۱) تقیہات حصہ دوم ص ۳۲۷-۳۲۸

(۲) ترجمان القرآن بابت اکتوبر نومبر ۱۹۵۲ء ص ۱۱۷-۱۱۸

(۳) رسائل و مسائل ص ۳۱۰

(۴) رسائل و مسائل ص ۵۵

مولانا عثمانی صاحب نے اپنے جواب کے علاوہ اُن اقتباسات پر بھی نوٹ لکھے ہیں جن میں سے بعض بہت دلچسپ ہیں مثلاً اقتباس ۸ میں جہاں مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ تحریف ہے جو دین میں کی جا رہی ہے اس پر مولانا صاحب نے لکھا ہے ”اس کو تحریف کہنا پاگل پن ہے“۔
اقتباس ۱۲ میں جہاں مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ ان امور کے بارے میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم خود شک میں تھے اس کی بابت مولانا عثمانی صاحب لکھتے ہیں ”جو شخص رسول کی شان میں ایسی باتیں کہتا ہے وہ جاہل ہے یہ خود شک میں ہے رسول کی شان اس سے پاک ہے۔“

بہر حال آپ نے یہ دیکھ لیا کہ محدث جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے نزدیک مودودی صاحب منکر حدیث ہیں۔ گمراہ اور متبذع ہیں جاہل اچھل ہیں اور ان کا یہ فتویٰ ہے کہ ایسے شخص سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہیے اور اس کی باتوں پر ہرگز اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔
اب رہا یک منکر حدیث کے متعلق جماعت اسلامی کا فیصلہ کیا ہے جو جماعت اسلامی کے جنرل سکریٹری میاں طفیل محمد نے پنجاب کی تحقیقاتی عدالت میں حسب ذیل بیان دیا۔

عدالت کے سوال کے جواب میں گواہ نے بتایا کہ اسے اہل قرآن کے مذہبی نظریات کا پتا نہیں لیکن اگر ایسی صورت ہو کہ وہ حدیث و سنت میں یقین رکھتے ہوں تو پھر ان کو مسلمان نہیں کہا جائے گا گواہ نے کہا کہ اس نے چکرالویوں کے بارے میں سن تو رکھا ہے مگر اُسے اُن کے مذہبی نظریات کا پتا نہیں ہے انہوں نے کہا کہ پاکستان میں چالیس بچاس ہزار کے قریب احمدی ہیں۔

میں یہ فرض کیجئے کہ پاکستان میں اہل قرآن کی کافی بڑی تعداد موجود ہے ایسی صورت میں کیا آپ اُن کے بارے میں بھی اس قسم کے مطالبات کرنا اپنا مذہبی فرض سمجھیں گے جیسا کہ احمدیوں کے بارے میں؟

جہاں اُس وقت تک جب تک کہ وہ ختم نبوت کے عقیدے پر ہم سے متفق نہ ہو جائیں،
ہم ان سے ذمیوں کا سا سلوک کریں گے اور ان سے وہی سلوک کریں گے جو اسلامی قانون
کے مطابق تجویز کیا گیا ہے۔ (امروز، لاہور، باب ۱۶، اکتوبر ۵۳ء)

اس سے آپ خود فیصلہ فرمایا لیجئے کہ جماعت اسلامی کے اپنے عقیدہ کی رو سے مودودی صاحب
کی کیا پوزیشن ہے اس کے ساتھ ہی اسے بھی سمجھ لیجئے کہ مودودی صاحب کا فیصلہ یہ ہے کہ
جو مسلمان مسلمان نہ رہے یعنی مرتد ہو جائے تو اُس کی سزا قتل ہے یعنی اس پورے معاملہ کا
صغریٰ کبریٰ یوں قائم ہوا (۱) مولانا عثمانی کے فتویٰ کی رو سے مودودی صاحب منکر حدیث ہیں
(۲) میان طفیل محمد کے بیان کے مطابق منکر حدیث مسلمان نہیں رہتا (۳) اور مودودی صاحب
کے فیصلے کے مطابق جو مسلمان مسلمان نہ رہے اُس کی سزا قتل ہے۔

جماعت اسلامی دے اس کے جواب میں حسبِ عادت یہ کہیں گے کہ فتویٰ میں مودودی
صاحب کی عبارت کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ ہم نے ان عبارات کو اصل کتابوں سے ملا
کہ خود دیکھ لیا ہے اور ان کے حوالے بھی دے دیے ہیں جس شخص کو اپنا اطمینان کرنا ہو وہ ان
عبارات کو خود دیکھ لے اور آگے اور پیچھے سے پوری عبارت ملا کر اپنا اطمینان کر لے کہ انہیں
کہیں توڑ مروڑ کر پیش نہیں کیا گیا ہے۔



باب ششم

مودودی صاحب اور فقہ

فقہ حنفی

شد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیرِ
(اکتوبر ۱۹۵۲ء)

ہم نے اس حقیقت کو کئی بار دہرایا ہے کہ جو لوگ مذہب کو اپنی انتخابی مہوں کی آرٹینا کر
پاکستان میں نظامِ شریعت کا مطالبہ کرتے ہیں، ان کی تکنیک یہ ہے کہ وہ کسی د کسی طرح اکثریت
کو اپنے ساتھ رکھیں کیونکہ دو پراخترہ کے جمہوری قاعدوں کی رو سے انتخاب میں وہی جماعت
کامیاب ہو سکتی ہے جس کے ساتھ اکثریت ہو یا اس مہم میں اسلامی جماعت سب سے پیش پیش
ہے یہ جماعت آج تک کتاب و سنت اور قرآن و حدیث کو اسلامی دستور کا مدار علیہ قرار دیتی
کبھی تجدیدِ ملت کیلئے کتاب اللہ اور چلی آرہی تھی ان کے اس دعویٰ میں قرآن کا نام تو
سنتِ رسول اللہ ہی تنہا ماخذ تھیں محض برائے وزن بیت ہوتا تھا اصل زور حدیث
پیدا جاتا تھا یہ لوگ حدیث کو وحیِ متلو قرار دے کر اسے قرآن کے ہم پایہ ٹھہراتے تھے اور اس
کا مسلسل اعادہ کرتے چلے آتے تھے کہ قانون صرف کتاب و سنت کے اندر ہے۔ چنانچہ
سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنے مضمون ”تجدید و احیائے دین“ کا حاتمہ ان الفاظ

پر کیا تھا۔

لہذا کتاب اللہ اور سنت رسول ہی وہ تنہا ماخذ ہے جس سے اس دور میں تعبیر ملت کا کام کرنے کے لئے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے اور اس رہنمائی کو اخذ کر کے اس وقت کے حالات میں شاہراہِ عمل تعمیر کرنے کے لئے ایسی متعلّق قوتِ اجتہاد یہ درکار ہے جو مجتہدینِ سلف میں سے کسی ایک کے علوم اور منہاج کی پابند نہ ہو اگرچہ استفادہ ہر ایک سے کرے اور ہرگز کسی سے بھی نہ کرے۔

(ترجمان القرآن، حصہ ۳۴، دسمبر ۱۹۴۲ء و جنوری ۱۹۴۳ء)

اسی طرح وہ اپنے پمفلٹ ”اسلامی قانون“ میں لکھتے ہیں:-

اسلامی قانون میں جو چیز اٹل ہے وہ تین اجزاء پر مشتمل ہے (۱) قطعی اور صریح احکام جو قرآن یا ثابت شدہ احادیث میں دیئے گئے ہیں۔ (۲) اصولی احکام جو قرآن یا ثابت شدہ احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ (۳) حدود جو قرآن و سنت میں اس غرض کے لئے مقرر کی گئی ہیں کہ ہم اپنی آزادی عمل کو ان کے اندر محدود رکھیں..... اسلامی قانون کا یہ اٹل اور قطعی واجب الاطاعت حصہ ہی دراصل وہ چیز ہے جو اسلامی تہذیب و تمدن کے حدود و اربعہ اور اس کی مخصوص امتیازی شکل و صورت کو متعین کرتا ہے۔ (ص ۲۲)

حتیٰ کہ وہ تفہیماتِ حصہ اول میں لکھتے ہیں کہ:-

تمام ائمہٴ بالا حواء کہتے ہیں کہ جس شخص پر کسی مسئلہ میں سنت رسول اللہ روشن ہو جائے اس کے لئے پھر کسی دوسرے شخص کا قول لینا حرام ہے خواہ وہ کیسے ہی بڑے مرتبہ کا شخص ہو۔ (ص ۲۵)

یہ اُس زمانہ کی باتیں ہیں جبکہ پورا فقیرِ عظیم ہندو گریز کے پتلا ستبد میں جکڑا ہوا تھا اور انہیں اپنا

آج اکثریت کا فیصلہ ہی تنہا ماخذ ہے

متہلئے ارتقا امامت و مجددیت (مذہبی پیشوائیت) میں نظر آ رہا تھا جبکہ پاکستان کے وجود پر ہوجانے اور امیر المومنین بن سکنے کا انہیں وہم و خیال بھی نہیں تھا جس کے لئے جمہوری نقطہ نظر سے انتخابی مہمیں لڑنے کی ضرورت تھی لیکن پاکستان بن جانے کے بعد جب انہوں نے انتخابی مہمیں لڑنے کا فیصلہ کیا اور اب جو اکثریت کو ساتھ رکھنے کی ضرورت پیش آگئی تو ”دین“ میں ضروری تبدیلی کمری گئی چنانچہ اب (ترجمان القرآن بابت جون جولائی ۱۹۵۲ء) اس سوال کے جواب میں کہ پاکستان میں کون سا قانون شریعت نافذ ہو گا یہ مکھ دیا گیا ہے کہ:-

اگر شریعت کو ملک کا دستور اور قانون بنانا ہے (جس سے کوئی مسلمان انکار کی جرأت نہیں کر سکتا) تو جمہوریت کے مسلم قاعدہ کے مطابق یہاں شریعت کی وہی تعبیر دستور اور قانون کی شکل اختیار کرے گی جسے مسلمانوں کی عظیم اکثریت مقبرہ ماننے سے اب یہ ظاہر ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کی عظیم اکثریت حنفی ہے اور اگر ان کے ساتھ اہل حدیث کو بھی شمار کیا جائے تو مجموعی تعداد نو سے فیصدی سے بھی زیادہ نکلے گی اس صورت میں لااعلا دستور تو شریعت کی اس تعبیر کے مطابق ہی بنے گا جس پر حنفی اور اہل حدیث متفق ہوں اور لازماً ملکی قانون حنفی تعبیر شریعت پر بنی ہوگا۔ (ص ۱۳)

پہلے تو یہ دیکھئے اس نئے مسلک میں کس ساوگی اور پرکاری سے یہ کوشش کی گئی ہے کہ سرحدست اہل حدیث کو بھی ساتھ چپکائے رکھا جائے اس کے لئے ارشاد ہے کہ مسلک کے دستور کی تعبیر توضیفوں اور اہل حدیث کے اتفاق سے طے پائے گی لیکن ملکی قانون فقہ حنفی کے مطابق ہوگا۔ حالانکہ دستور اور قانون کا ایک مجتہدی بھی اس حقیقت سے بے خبر نہیں کہ کسی مملکت کا دستور ایک اصول کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا قانون اس اصول کے تابع وضع ہوتا ہے دستور میں اس امر کی صراحت کی جاتی ہے کہ ملک کے قانون کا ماخذ یا منبع کیا ہوگا۔ قانون کے

مسئلہ سی خنفیوں اور اہلحدیث کا اختلاف جزئی مسائل میں نہیں بلکہ اصول میں ہے۔ اندریں حالات، یہ کس طرح ممکن ہے کہ پاکستان کا دستور تو خنفی اور اہلحدیث کی متفق علیہ تعبیر کے مطابق بنے اور اس کا قانون خالص فقہ خنفی کے مطابق ہو۔ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ اس قسم کی باتیں کہنے کی جرأت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ سمجھتے ہیں کہ بیچارے مولویوں میں کون ہے جو دستور اور قانون کے اس قسم کے بایک فرق کو محسوس کر سکے گا۔ اب آگے

جمہوریت کا اصول مسلم ہے | بڑھئیہ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ جمہوریت کا اصول

مسلم ہے یعنی کسی مملکت کا آئین اور قانون دہی ہونا چاہیئے۔ جو اس مملکت کی اکثریت فیصلہ کرے۔ ظاہر ہے کہ اکثریت کا منشا معلوم کرنے کے لئے نظام جمہوریت میں ایک مشینری موجود ہوتی ہے جس کی رُو سے مملکت کے نمائندے ایک جگہ بیٹھ کر قانون بناتے ہیں۔ اسے مجلس قانون ساز یا پارلیمنٹ وغیرہ کہا جاتا ہے اس مجلس کے فیصلے (جو اکثریت آرا سے طے پاتے ہیں) مملکت کا قانون بن جاتے ہیں۔ پاکستان میں اس قسم کی مجلس قانون ساز (کانسٹی ٹیوٹ آف لی) آج بھی موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ آئین جمہوریت کے مطابق دہی قانون پاکستان کا مملکتی قانون قرار پائے گا جسے یہ مجلس منظور کرے گی جب مودودی صاحب کی جماعت کے نزدیک جمہوریت کا قاعدہ مسلم ہے تو انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ خواہ مخواہ شور مچاتے پھریں کہ ملک کا قانون فلاں قسم کا ہونا چاہیئے اگر اس قسم کا قانون نہ بنا تو وہ قابل قبول نہیں ہو گا ایک طرف جمہوریت کے قاعدہ کو مسلم ماننا اور دوسری طرف جمہوریت کو عبور کرنا کہ وہ اُن کی مرضی کے مطابق قانون بنائے ایک ایسا مسلک ہے جسے کسی جمہوری نظام میں بھی مناسب تصور نہیں کیا جاسکتا۔

ہیں حیرت ہے کہ جمہوریت کے قاعدہ کو ایک ایسا شخص مسلم قرار دے رہا ہے جو ایک ایسی جماعت کا امیر ہے جس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اقامتِ دین کے لئے وجود میں آئی ہے۔ یہ ظاہر

ہے کہ جمہوریت کا قاعدہ مغرب کی لادینی سیاست کی تخلیق سے جن کے پاس غلط اور صحیح اور حق و باطل کے پرکھنے کا کوئی مستقل معیار نہیں ان کے نزدیک۔ اگر کیا اٹھوں اراکین یہ فیصلہ کر دیں کہ خدا کا وجود نہیں ہے تو انہیں اس اراکین کو ماننا پڑے گا کہ خدا نہیں ہے۔ ہم پوچھتے ہیں اسلامی جماعت کے امیر سے کہ کیا اسلام بھی اس قسم کے قاعدہ کو مسلم تسلیم کرتا ہے؟ اگر محترم امیر جماعت اسلامی اجازت دیں تو ہم انہیں اتنا یاد دلانے کی جرأت کریں کہ آئین پاکستان کا جو سودہ خود انہوں نے مرتب فرمایا ہے اس میں یہ شق موجود ہے:-

امیر کو حق ہو گا کہ وہ مجلس شوریٰ کی اکثریت کے ساتھ اتفاق کرے یا اقلیت کے ساتھ اور امیر کو یہ حق بھی ہو گا کہ پوری مجلس سے اختلاف کر کے اپنی لائے پر فیصلہ کرے۔

(دود شوریٰ خلع کے ص ۳۹)

کیا اصول جمہوریت اسی کو کہتے ہیں؟ اب جمہوریت کے مسلم قاعدہ کے مطابق مسلمانوں کی عظیم اکثریت کا وہ وزن کہاں چلا گیا جس کے زور پر خنثیت کو پاکستان کا قانون بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ حیرت ہے کہ یہ حضرات دین کے اصولی امور میں بھی اس قسم کی متضاد باتیں کہہ دیتے ہیں اور کبھی نہیں سوچتے کہ ان کے سر پر کتنی بڑی ذمہ داری عاید ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بے حد ہمدردی کے قابل ہے وہ قوم جس میں اس قسم کے لوگ دینی امور میں سنبھل کر بیٹھ جائیں۔

دین میں اکثریت کا وزن | مودودی صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ ملک کا قانون فقہ حنفی کے مطابق ہونا چاہیئے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ملک کی اکثریت حنفی ہے پہلے اس دلیل پر غور کیجئے لیکن اس کے لئے پہلے ایک بنیادی حکم تمہیداً سمجھنا ضروری ہے۔ ایک ملک (SECULAR STATE) کہلاتی ہے۔ اس کا

اصول آئین یہ ہوتا ہے کہ جس بات کو مفید سمجھا جائے اسے اختیار کر لیا جائے جسے نقصان دہ سمجھا جائے اسے چھوڑ دیا جائے۔ ان کے نزدیک غلط اور صحیح کا معیار اکثریت کی رائے ہوتی ہے۔ نہ کہ خدا کی طرف سے دیئے ہوئے غیر متبدل اصول۔ دوسری اسٹیٹ دینی کہلاتی ہے جس میں مملکت کے فیصلے ہمیشہ خدا کی طرف سے دیئے ہوئے غیر متبدل اصول کے تابع ہوتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی مملکت دینی مملکت ہونی چاہیے۔ ایک مسلمان کا ایمان یہ ہے کہ اگر کسی چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں بھی خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی جائے تو اس کا مواخذہ ہوگا۔ جب مسلمانوں کی مملکت کے قانون کا سوال سامنے آئے گا تو دیکھنا یہ ہوگا کہ وہ قانون خدا کے حکم کے مطابق ہے یا اس کے خلاف۔ مودودی صاحب یہ نہیں فرماتے کہ فقہ حنفی کو اس لئے اختیار کیا جائے کہ وہ خدا کے احکام کے مطابق ہے وہ کہتے ہیں کہ اس فقہ کو اس لئے اختیار کیا جائے کہ ملک کی اکثریت اس کی شیع ہے آپ سوچئے کہ یہ مسلک ایک سیکولر اسٹیٹ کا ہو سکتا ہے یا دینی مملکت کا۔

یہ تصور کہ اکثریت ہمیشہ حق پر ہوتی ہے انسان کی بہت بڑی غلط فہمی پر مبنی ہے اور قرآن نے کھلے کھلے الفاظ میں اس کی تردید فرمائی ہے۔ جب رسول اللہ صلعم نے فرمایا:-

وَإِنْ قُطِعَ أَكْثَرُ مَنَ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْضَرُّونَ۔
(۱۱۷/۴)

اور اے رسول! اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کر لو جو دنیا میں اکثریت میں ہیں تو وہ تمہیں خدا کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔ وہ محض ظن کی پیروی کرتے ہیں اور شک دگمان میں قیاس آرائیاں کرتے رہتے ہیں۔

دین میں اکثریت و اقلیت کوئی معیار ہی نہیں۔ جب رسول اپنی آواز کو بلند کرتا ہے تو اس کے

حق میں صرف اس کا اپنا دھڑ ہوتا ہے اور پوری قوم کی اکثریت اس کے خلاف ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود رسول حق پر ہوتا ہے اور قوم کی اکثریت باطل پر۔

اکثریت کے وزن کے متعلق مودودی صاحب کی تصریحات

ہیں اس اصول کے متعلق زیادہ تفصیل سے کہنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ مودودی صاحب نے متعدد مقامات پر اسے صحیح تسلیم کیا ہے وہ اپنی کتاب سیاسی کشمکش حصہ سوم میں اقلیت و اکثریت کے عنوان کے تابع لکھتے ہیں۔

اکثریت و قلت کا سوال صرف قوموں ہی کے لئے پیدا ہوتا ہے جماعتوں کے لئے نہیں۔ جو جماعتیں کسی طاقتور نظریہ اور جاندار اجتماعی فلسفہ کو لیکر اٹھتی ہیں وہ ہمیشہ طویل التعداد ہی ہوتی ہیں اور قلت تعداد کے باوجود بڑی بڑی اکثریتوں پر حکومت کرتی ہیں۔

(صفحہ ۲۵۶)

یہاں تک تو صرف ایک اصولی بات کہی گئی اس کے بعد خود مسلمانوں کے متعلق سنئے جن کی عظیم اکثریت کے وزن پر آج حنفیت کو قانون مملکت بنانے کی کوشش فرمائی جا رہی ہے وہ عظیم اکثریت کس وزن کی حامل ہے سنئے فرماتے ہیں:-

ان دجہ سے وہ عظیم الشان تعداد جو ہم کو مردم شماری کے رجسٹروں میں نظر آتی ہے،

اسلامی انراض کے لئے قریب قریب بالکل بیکار ہو چکی ہے (صفحہ ۲۵۷)

اُس کے چل کر لکھتے ہیں۔

بعض لوگ اس دھوکے میں مبتلا ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت کا نام "سواد اعظم" ہے اور نبی صلعم نے تاکید فرمائی ہے کہ "سواد اعظم" کا ساتھ ہمیشہ دو۔ لہذا مسلمانوں کی اکثریت جس سیاسی پارٹی کی حامی اور جس قیادت کی متبع ہے، اس کے ساتھ رہنا ضروری

ہے۔ لیکن یہ ارشادِ نبوی کی سراسر غلط تعبیر ہے۔ نبی مصلح نے جس سوادِ اعظم کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے اُس سے ملادواصل اُن مسلمانوں کی اکثریت ہے جن کے اندر اسلامی شعور موجود ہو جو حق اور باطل کی تمیز رکھتے ہوں اور جن کو اسلام کی روح اور اس کے بنیادی اصولوں سے کم از کم اتنی واقفیت ہو کہ اسلام اور غیر اسلام میں فرق کر سکتے ہوں۔ (صفحہ ۲۸۸)

اس سے بھی واضح تر الفاظ میں:-

یہ انبؤ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے نو مونا نوے فی ہزار افراد نے اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں نہ ان کا اخلاقی نقطہ نظر اور نہ ذہنی رُویتِ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے اس لئے یہ مسلمان ہیں۔ نہ انہوں نے حق کو حق جان کر اسے قبول کیا ہے نہ باطل کو باطل جان کر اسے ترک کیا ہے۔ ان کی کثرت رائے کے ہاتھ میں باگیں دے کر اگر کوئی شخص یہ اُمید رکھتا ہے کہ گاڑی اسلام کے راستے پر چلے گی تو اس کی خوش فہمی قابلِ داد ہے۔ (صفحہ ۲۸۷)

دین کا خود کوئی تصور نہ
فی ذاتہ حق ہے نہ باطل

مودودی صاحب کے یہ ارشادات اُس زمانے کے ہیں جب ہندوستان میں مسلم لیگ کی تحریکِ زوروں پر تھی اور یہ حضرت اُس تحریک اور اُس کے مطالبہ پاکستان کی مخالفت کیا کرتے تھے ان سے کہا جاتا تھا کہ قوم کی اکثریت اس راہ پر چل رہی ہے اس لئے آپ بھی اس کا ساتھ دیجئے۔ اُس وقت آپ یہ فرماتے تھے کہ اس قوم کی اکثریت

کا وزن کیا ہے اور آج وہی موردی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ پاکستان میں فقہ حنفی اس لئے رائج کرنا چاہیے کہ یہاں کے مسلمانوں کی اکثریت اسے صحیح تسلیم کرتی ہے آپ کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کی یہ اکثریت انہی افراد پر مشتمل ہے جو بقول موردی صاحب کے پیدائشی طور پر مسلمان ہوئے ہیں اور جنہوں نے فقہ حنفی کو کسی غور و فکر کے بعد اختیار نہیں کیا، بلکہ وہ محض اس لئے حنفی ہیں کہ حنفی ماں باپ کے گھریں پیدا ہوئے مگر یہی وہ اکثریت ہے جس کے مسلک کے متعلق آج یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اسے ایک دینی مملکت کا دستور اور قانون بننا چاہیے۔ محض اس دلیل کی بناء پر کہ یہ اکثریت کا مذہب ہے یعنی یہاں اتفاق سے حنفی اکثریت میں ہیں تو حنفیوں کا مذہب عین اسلام قرار دیا جا رہا ہے اگر اجماع اکثریت میں ہوتے تو ان کا مسلک عین اسلام قرار پا جاتا۔ اگر شیعہ اکثریت میں ہوتے تو اسی دلیل کی بناء پر ان کا مذہب، مذہب حق قرار پا جاتا۔ اور اگر کل کو کمونسٹ اکثریت میں ہو جائیں تو ان کا مسلک ملک کا قانون قرار پا جانا چاہیے۔ یہ ہے دین کا وہ تصور جو جماعت اسلامی کے امیر کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے۔ یعنی دین کا کوئی خاص تصور یا فیصلے فی ذاتہ حق ہیں نہ باطل۔ حق وہ ہے جسے کسی زمانہ اور کسی ملک کی اکثریت اختیار کر لے اور باطل وہ جو اس دور کی اقلیت کا مسلک ہو اس دلیل کی بناء پر معلوم نہیں سید ابوالاعلیٰ موردی صاحب اویزش کر بلا کے متعلق کیا ارشاد فرمائیں گے کیونکہ وہاں تو امام حسینؑ اور ان کے ساتھی بالکل اقلیت میں تھے اور مسلمانوں کی عظیم ترین اکثریت یزید کے ہاتھ پر بیعت کر چکی تھی۔

فقہ حنفی کیا ہے؟ آئیے اب مختصراً یہ دیکھیں کہ فقہ حنفی کسے کہتے ہیں اور اس کے بعد یہ کہ اس سے پہلے خود موردی صاحب اس فقہ کے

متعلق کیا خیال رکھتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم دیگر چند مستثنیات کے، اصولی احکام دیتا ہے۔ ان اصولی احکام کی جزئیات اپنے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق متعین کی جاتی تھیں۔ سب سے پہلے ان جزئیات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمایا۔ ظاہر ہے کہ کسی اصول سے جزئیات کے فیصلے تک پہنچنے کے لئے غور و فکر کرنے اور قیاس کی ضرورت ہے۔ اسی کا نام تَفَقُّہ فی الدِّین (دین میں غور و فکر کرنا) ہے اور اس طرح مستنبط کردہ احکام کا نام فقہ ہے۔ رسول اللہ کے بعد اسلامی مملکت میں وسعت ہوتی گئی اور اس کے ساتھ ہی جدید مسائل سامنے آتے گئے جن کے لئے نئے نئے فیصلوں کی ضرورت لاحق ہوتی رہی صحابہؓ نے سنتِ رسول کی اتباع میں یعنی قرآنی اصولوں کی روشنی میں جزئی احکام کے تعین کے مسلک کی پیروی کرتے ہوئے، ان جدید مسائل کے لئے نئے نئے احکام نافذ فرمائے۔ ظاہر ہے کہ حالات کے بدلنے سے اس قسم کے فیصلوں میں بھی تبدیلی ہو سکتی تھی۔ نیز خود فیصلہ کرنے والے کی رائے کی تبدیلی سے بھی اس کے مستحضراتِ نفع میں تبدیلی کا امکان تھا چونکہ فقہ کا مدار خارجی حالات اور مجتہد کی عقل و فکر پر تھا، اس لئے اس قسم کے اختلافات میں کوئی قیاحت نہیں سمجھی جاتی تھی چنانچہ خلافتِ راشدہ میں بعض فیصلے ایسے ہوئے جو رسول اللہ کے فیصلوں سے مختلف تھے اور اس کے لئے دلیل یہی دی گئی کہ جن حالات میں رسول اللہ نے ایسا فیصلہ دیا تھا اب وہ حالات بدل چکے ہیں اس کے بعد خود ایک خلیفہ نے اپنے پیشتر و خلیفہ کے فیصلہ کے خلاف بھی فیصلے دیئے اور خود ایک ہی خلیفہ بھی مختلف حالات میں اپنے فیصلوں کو خود ہی بدلتا رہا۔ ان امور کی مثالیں کتبِ میر و تاریخ میں عام طور پر مل سکتی ہیں، خلافتِ راشدہ کے بعد دین میں لامرکزیت پیدا ہو گئی لیکن نئے نئے مسائل ہر روز سامنے آتے تھے ان مسائل کا فیصلہ کرنے کے لئے دو قسم کے مکتبِ خیال پیدا

ہم دیکھ گئے بعض لوگ اس خیال کے پیرو تھے کہ جو فیصلے رسول اللہ نے کئے ہیں وہی فیصلے ہمیشہ کے لئے اٹل ہیں اور اب کسی شخص کو حق حاصل نہیں کہ اپنے قیاس و عقل و فکر سے نئے احکام مستنبط کرے۔ یہ لوگ اہل حدیث کے نام سے متعارف ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فیصلوں کا کوئی مستند مجاہد امت کو دے کر نہیں گئے تھے اس لئے کہ یہ منشاءئے رسالت تھا ہی نہیں کہ حضور کے فیصلے جو لامحالہ اپنے زمانہ کے احوال و ظروف کے مطابق دیئے گئے تھے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اٹل اور قطعی تصور کر لئے جائیں لیکن مندرجہ بالا ضرورت کے ماتحت ان فیصلوں کو جمع کرنا شروع کر دیا گیا۔ ان مجموعوں کا نام کتب روایات ہے جنہیں لوگوں سے سن کر جامعین حدیث نے جنہیں قابل قبول سمجھا انہیں رکھ لیا اور جنہیں ایسا نہ سمجھا اسے مسترد کر دیا۔ ان روایات کے متعلق اہل حدیث نے یہ عقیدہ پیدا کیا کہ یہ قرآن کے ہم پاریہ ہیں اور خدا کی طرف سے وحی شدہ، لہذا ان ہی کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت ہے۔

دوسرا گروہ وہ تھا جس نے کہا کہ جو مسائل ہمارے سامنے آئیں گے ہم ان میں خود غور و فکر کریں گے اور اپنی رائے سے کسی فیصلہ پر پہنچیں گے ان لوگوں کو اہل الرائے کہا جاتا ہے۔ ان اہل الرائے حضرات میں امام ابو حنیفہ بہت زیادہ مشہور ہیں آپ نہ صرف میں پیدا ہوئے اور نہ انہیں وفات پا گئے۔ امام صاحب نے اپنی فقہ کو تنہا اپنی رائے سے مرتب نہیں فرمایا تھا۔ انہوں نے اپنے شاگردوں میں سے چند نامور اشخاص منتخب کئے اور ان پر مشتمل ایک مجلس مرتب کی ان میں قاضی ابویوسف اور امام محمد فاضل طور پر مشہور ہیں و حنفیوں کے ہاں انہیں صاحبین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، ایسی طرح قریب بیس برس کی مدت میں فقہی احکام کا ایک مجموعہ مرتب کیا گیا لیکن وہ مجموعہ اب کہیں موجود نہیں۔ اور نہ ہی امام صاحب کی کوئی اور تصنیف موجود ہے، امام صاحب کے مسائل کا جو ذخیرہ آج دنیا میں موجود ہے،

وہ حاصل امام محمد اور قاضی ابو یوسف کی تالیفات ہیں۔ انہوں نے کئی مسائل میں خود امام صاحب سے اختلاف بھی کیا ہے۔ قاضی ابو یوسف خلفائے عباسیہ کے عہد میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے اس طرح سے فقہ حنفی خود عباسی حکومت کا قانون قرار پائی اور رفتہ رفتہ دیگر ممالک میں بھی پھیل گئی کچھ وقت تک تو یہ شکل رہی کہ ایک فقیہ کو حق حاصل تھا کہ وہ اپنے اجتہاد کی بنا پر اپنے پیشتر فقہاء کے فیصلوں سے اختلاف کرے لیکن رفتہ رفتہ یہ خیال بدلتا گیا اور جب امت پر ہر طرف سے جہود اور تعطل طاری ہو گیا تو اس خیال کی جگہ اس عقیدہ نے لے لی کہ جو کچھ ائمہ سابقہ نے کر دیا ہے اس میں رد و بدل کی گنجائش نہیں اس طرح استنباط مسائل میں اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا اس مسلک کو تقلید کا مسلک کہتے ہیں یعنی خاص فقہ کی بلاچوں و چرا اور بلا غور و فکر پیروی کرنا۔ ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کی اکثریت فقہ حنفی کے مقلدین کی ہے ان کے برعکس اہل حدیث کو غیر مقلد (یا دہائی) کہا جاتا ہے حالانکہ یہ نسبت براہ حدیث کی طرف درست نہیں ہے (قرآن اور حدیث کے متعلق حنفی حضرات کا عقیدہ کیا ہے اس کے متعلق فقہ حنفی کے پیشوا اور مسلم امام ابو الحسن عبد اللہ الکفری کا قول ہے:-

ہر وہ آیت جو اس طریقے کی مخالف ہو جس پر ہمارے اصحاب ہیں وہ یا تو مؤول ہے

یا منسوخ ہے اور اسی طرح جو حدیث اس قسم کی ہو وہ مؤول یا منسوخ ہے۔

(بحوالہ تازیخ فقہ اسلامی ص ۲۲۱)

یعنی دین میں سند فقہ حنفی کے ائمہ ہیں۔ اور ہر وہ آیت یا حدیث جو ان کے فیصلوں کے خلاف جاتی ہو اس کی یا تو ایسی تاویل کی جائے گی جس سے وہ ان فیصلوں کے مطابق ہو جائے اور اگر وہ کسی تاویل سے بھی ان کے مطابق نہ بیٹھے تو اس کے متعلق سمجھ لینا چاہیے کہ

لے تفصیل کے لئے دیکھئے تازیخ الفقہ الاسلامی از علامہ محمد الحضری اور سیرۃ النعمان مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی۔

فقہ حنفی کے متعلق مردودی صاحب کی رائے | منسوخ ہے یہ ہے وہ فقہ جس کے متعلق

مردودی صاحب کی تجویز یہ ہے کہ

اسے مملکت پاکستان کا قانون بنا دیا جائے اس فقہ میں حدیث کا جو مقام ہے اس پر امام کرخؒ کا مذکورہ بالا قول واضح ہے۔ یعنی ان کے نزدیک اتباع اپنے امام کے فیصلہ کی ہے نہ کہ حدیث کی لیکن مردودی صاحب خود ہی یہ لکھ چکے ہیں کہ:-

جس شخص پر کسی مسئلہ میں سنت رسول روشن ہو جائے اس کے لئے پھر کسی دوسرے شخص کا قول لینا حرام ہے خواہ وہ کیسے ہی بڑے مرتبہ کا شخص ہو۔

(تفہیمات حصہ اول ص ۳۶)

فقہ حنفی میں کتنے ایسے احکام ہیں جو صاف صاف حدیثوں کے خلاف ہیں اس کے متعلق تفصیل سے لکھنے کی چند ضرورت نہیں مقلدوں اور غیر مقلدوں کے آئے دن کے مناظرے اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ خود مردودی صاحب فرماتے ہیں:-

امام ابو حنیفہؒ کی فقہ میں آپ بکثرت ایسے مسائل دیکھیں گے جو مرسل اور معضل اور منقطع احادیث پر مبنی ہیں یا جن میں ایک قوی الاسناد حدیث کو چھوڑ کر ضعیف الاسناد کو قبول کر لیا گیا ہے یا جن میں احادیث کچھ کہتی ہیں اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کچھ کہتے ہیں۔

(رسائل و مسائل، ص ۲۷۴-۲۷۵)

تقلید کے متعلق لکھتے ہیں:-

میرے نزدیک ایک صاحب علم کے لئے تقلید ناجائز و گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے۔

(رسائل و مسائل، ص ۲۷۴)

دوسرے مقام پر ہے :-

اسلام میں دراصل تقلید سوائے رسول اللہ کے اور کسی کی نہیں اور رسول اللہ کی تقلید بھی اس بناء پر ہے کہ آپ جو کچھ فرماتے اور عمل کرتے ہیں وہ اللہ کے اذن اور فرمان کی بناء پر ہے درناصل میں تو مطاع اور آمر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں۔
(رسائل و مسائل ص ۲۳۶)

مجتہد کی صحیح پوزیشن کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ :-

ہیں سے نبی اور مجتہد کا فرق واضح ہوتا ہے۔ نبی کی بصیرت براہ راست علم الہی سے مستفاد ہوتی ہے اس لئے اس کے احکام تمام ازمنہ و احوال کے لئے مناسب ہوتے ہیں مگر مجتہد خواہ کتنا ہی باکمال ہو زمان اور مکان کے تعینات سے بالکل آزاد نہیں ہو سکتا نہ اس کی نظر تمام ازمنہ و احوال پر وسیع ہو سکتی ہے لہذا اس کے تمام اجتہادات کا تمام زمانوں اور تمام حالات کے مطابق ہونا غیر ممکن ہے۔

(تفہیمات حصہ دوم ص ۳۲۲)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

انسان ہر حال نگزوریوں کا مجموعہ ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا مجتہد بھی غلطی کر سکتا ہے اور کر جاتا ہے۔
(تفہیمات حصہ اول ص ۳۲۲)

وہ خود بعض مسائل میں فقہ حنفی سے اختلاف رکھتے ہیں۔ چنانچہ رسائل و مسائل کے ص ۲۳۱ پر لکھتے ہیں کہ :-

نماز مجموعہ میں شرط مصر کے متعلق مجھے امام ملائے حنفیہ سے اختلاف ہے۔

انہوں نے بڑی شد و مد سے کہا ہے کہ فقہیات کو اصل دین سمجھنے کی ذہنیت بڑی افسوسناک

ذہنیت ہے چنانچہ وہ رسائل و مسائل کے مد ۲۸۲ پر رقم طراز ہیں۔
مجھے افسوس ہے کہ فقہیات کو اصل دین سمجھنے کی جس ذہنیت کے باعث مسلمان
مذہبوں میں جھگڑے کرتے رہے ہیں اور جس کی وجہ سے ان کا متحد ہونا اور اصل
دین کے لئے مل کر کام کرنا غیر ممکن ہو گیا ہے ذہنی ذہنیت بار بار بروئے کار آنے
چلی جا رہی ہے۔

مختور فرمائیے اب یہی مودودی صاحب یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ پاکستان کی اسلامی مملکت کا
قانون فقہ حنفی ہونا چاہیے، یعنی جس ذہنیت کا ردنا آج تک رویا جا رہا تھا اُسی ذہنیت کو
اب پوری کی پوری قوم پر بطور ملکی قانون مسلط کرنے کے مشورے دیئے جا رہے ہیں یہ وہی
فقہ ہے جسے ”مجدد شاستر“ کی اصطلاح سے تعبیر کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہ ”سیاسی کشمکش جتنے سو
میں لکھتے ہیں کہ اسلام کے حق میں جو چیز شدید تر رکاوٹ ہے وہ ہماری یہ جامد اور بے روح
مذہبیت ہے جسے آج کل اسلام سمجھا جا رہا ہے۔ اس سخت شدہ مذہبیت میں بنیادی نقص
یہ ہے کہ:-

اس میں اسلامی شریعت کو ایک ”مجدد شاستر“ بنا کر رکھ دیا گیا ہے اس میں صدیوں سے

اجتہاد کا دروازہ بند ہے جس کی وجہ سے اسلام ایک زندہ تحریک کے بجائے

محض جمہور گزشتہ کی ایک تاریخی تحریک بن کر رہ گیا ہے۔ (ص ۳۶)

یہ ہے ”مجدد شاستر“ جس کے متعلق اب تجویز فرمایا جا رہا ہے کہ اسے ملک کا قانون بننا

لے فقہیات اصل دین نہیں ہیں۔ یہی بات اگر ہم کہہ دیتے ہیں تو منکر حدیث اور منکر فقہ کا لیل ہم پر
چسپاں کر دیا جاتا ہے مگر ان لوگوں کی زبان کوئی نہیں پکڑتا۔

چاہیے تاکہ اکثریت ان کے ساتھ رہے

آپ نے دیکھ لیا کہ مودودی صاحب کے نزدیک
ایسا پرانا قانون اب کیسے حل سکیگا

طرح ایک منجمد شاستر کی حیثیت رکھتا ہے اور اس فقہ کو دین سمجھنے والی ذہنیت کس طرح دین
کی راہ میں شدید ترین رکاوٹ بنی ہوئی ہے لیکن جب یہی اعتراض ان پر کیا جاتا ہے کہ اس قدر
پرانے زمانے کے فقہی احکام آج کے حالات میں کس طرح کام دے سکتے ہیں تو وہ فوراً اپنا رخ بدلتے
ہیں اور ایک وعدہ آسکرٹک کے ساتھ فرماتے ہیں کہ کون کہتا ہے کہ یہ قانون پرانا ہو چکا ہے۔
تفصیل انہی کی زبان سے سنئے اور وسط حیرت میں ڈوب جائیے کہ جس فقہی قانون کے متعلق
ابھی ابھی یہ کچھ کہا جا رہا تھا اس کے متعلق اب کیا ارشاد ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

جن حضرات کی طرف سے یہ اعتراض درمصریوں کا پرانا قانون جدید زمانے کا ایک
موساٹمی ادا سٹیٹ کی ضروریات کے لئے کس طرح کافی ہو سکتا ہے آپس کیا جاتا
ہے، مجھے شبہ ہے کہ وہ اسلامی قانون کے متعلق ابتدائی اور سرسری واقفیت بھی
رکھتے ہیں یا نہیں؟ غالباً انہوں نے کہیں سے بس یہ اڑتی اڑتی خبر لی ہے کہ اس
قانون کے بنیادی احکام اور اصول ساڑھے تیرہ سو برس پہلے بیان ہوئے تھے۔
اس کے بعد یہ بات انہوں نے بطور خود فرض کر لی کہ اُس وقت سے یہ قانون
جوں کا توں اُسی حالت میں رکھا ہوا ہے۔ اسی بنا پر انہیں یہ اندیشہ لاحق ہو گیا
کہ اگر آج ایک جدید ریاست اسے اپنا ملکی قانون بنالے تو وہ اس کی وسیع ضروریات
کے لئے کیسے کافی ہو سکے گا۔ ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ جو بنیادی احکام و اصول ساڑھے
تیرہ سو برس پہلے دیئے گئے تھے ان پر اُسی وقت ایک ریاست قائم ہو گئی اور

روزمرہ پیش آنے والے معاملات میں تعبیر و قیاس و استحسان و اجتہاد کے ذریعے سے اس قانون کا ارتقا اول روز ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ پھر اسلامی اقتدار وسیع ہو کر بحر الکاہل سے بحر اوقیانوس تک آدھی سے زیادہ مہذب دنیا پر پھیل چکا تھا۔ اور جتنی ریاستیں بھی بعد کے بارہ سو سال میں مسلمانوں نے قائم کیں ان سب کا پورا نظم و نسق اُسی قانون پر چلتا رہا۔ ہر دور اور ہر ملک کے حالات و ضروریات کے مطابق اس قانون میں مسلسل توسیع ہوتی رہی ہے انیسویں صدی کی ابتداء تک اس ارتقاء کا سلسلہ ایک دن کے لئے بھی نہیں رکا ہے۔ خود آپ کے اس ملک میں بھی انیسویں صدی کے اوائل تک اسلام ہی کا دیوانی اور فقہی

لے ملاحظہ فرمائیے اول روز ہی سے یعنی جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد باسعادت ہی سے اس قانون کا ارتقا شروع ہو گیا تھا اور وہ ارتقاء وحی غیر متلو کے ذریعے سے نہیں بلکہ تعبیر و قیاس، استحسان و اجتہاد کے ذریعے سے شروع ہوا تھا اسی حقیقت کا اظہار جب ہم کرتے ہیں تو ہمیں مشرکہ حدیث کہا جاتا ہے۔

تھے لہذا اُس دور کی تمام لغتیں مثلاً بادشاہت و حکومت و جاگیر داریت وغیرہ بھی سب اسی قانون کی برکات ہوں گی جن کے ساتھ غفلتے ہوا تہ و بنو عباس و دیگر امروہ کی عیاشیوں کی شرمناک داستانیں، معیشی اور معاشرتی ناہمواریاں، باہمی خوں ریزیوں اور مظالم و مفاسد کی لرزہ خیز داستانیں بھی شامل کر لیجئے اور پھر یہ بھی کہ امام حسینؑ، محمد بن النفس الذکیہؑ، ابوحنیفہؒ، احمد بن حنبلؒ، عابد و سرسندیؒ وغیرہ اکابرین ملت نے اسی قانونی نظم و نسق کے خلاف بغاوت کرنے کے جرم میں قتل و قید کے مصائب برداشت کئے ہوں گے جو پورا کا پورا اسی قانون شریعت پر مشتمل تھا۔ انا ملکہ وانا السیہ

راجحون ۱۲

نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنا سر دے کر اس خطرے کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رکا ان کے بعد حضرت علیؓ کے بڑھے اور انہوں نے اسلام کے سیاسی اقتدار کو جاہلیت کے تسلط سے بچانے کی انتہائی کوشش کی مگر ان کی جان کی قربانی بھی اس انقلابِ معکوس کو نہ روک سکی۔ آخر کا خلافت علیؓ منہاج النبوۃ کا درختم ہو گیا اور ملکِ مخصوص (

نسے اس کی جگہ لے لی اور اس طرح حکومت کی اساس اسلام کے بجائے پھر جاہلیت پر قائم ہو گئی۔ (ترجمان القرآن ص ۳۳-۳۵ دسمبر ۱۹۳۱ء و جنوری ۱۹۳۱ء)

یعنی موردی صاحب فرما رہے تھے کہ اس بارہ سو سال کے عرصہ میں مسلمانوں نے جہاں جہاں اپنی ریاستیں قائم کیں ان کا پورا نظم و نسق اسلامی نظام پر چلتا رہا ہے اور اب یہ فرما رہے ہیں کہ اولاً تو حضرت عثمانؓ کے زمانہ ہی میں لیکن کامل طور پر حضرت علیؓ کے بعد حکومت کی اساس اسلام کے بجائے پھر جاہلیت پر قائم ہو گئی اب یہ سنیے کہ حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد اس جاہلیت نے اسلام کے ساتھ کیا کیا فرماتے ہیں۔

حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد جاہلیت نے سرحدِ برطان کی طرح اجتماعی زندگی میں اپنے ریشے بندرتک پھیلائے شروع کر دیئے۔ کیونکہ اقتدار کی کبھی اب اسلام کے بجائے اس کے ہاتھ میں تھی اور اسلام زورِ حکومت سے محروم ہونے کے بعد اس کے نفوذ و اثر کو بڑھنے سے نہ روک سکتا تھا۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ جاہلیت بے نقاب ہو کر سامنے نہ آئی تھی۔ بلکہ مسلمان "بن کر آئی تھی کھلے دہریے یا شکرین کفار سامنے ہوتے تو شاید مقابلہ آسان ہوتا۔ مگر وہاں تو آگے آگے توحید کا اقرار رسالت کا اقرار، مومن و مسلمہ پر عمل، قرآن و حدیث سے استشہاد تھا۔ اور اس

قانون جاری رہا۔ اب زیادہ سے زیادہ صرف سو سال کا وقفہ ایسا رہ جاتا ہے جس کے متعلق آپ کہہ سکتے ہیں کہ اُس زمانے میں اسلامی قانون پر عمل درآمد بند رہا اور اس کا ارتقاء کارہا لیکن اولاً تو یہ وقفہ کچھ اتنا زیادہ بڑا نہیں ہے کہ ہم تھوڑی سی محنت و کاوش سے اس کے نقصان کی تلافی نہ کر سکیں۔ دوسرے ہمارے پاس ہر صدی کی فقہی ترقیات کا پورا ریکارڈ موجود ہے جسے دیکھ کر ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ ہمارے اسلاف پہلے کتنا کام کر چکے ہیں اور آگے ہمیں کیا کام کرنا ہے۔ (اسلامی قانون ص ۲۵-۲۶)

یعنی ابھی ابھی مودودی صاحب فرما رہے تھے کہ چوتھی صدی ہجری سے علماء نے اجتہاد کو حرام قرار دے رکھا ہے جس کی وجہ سے اسلامی قانون منہج شاستر بن کر رہ گیا ہے لیکن اب فرماتے ہیں کہ بارہ سو سال سے مسلسل ہر دو دو اور ہر ملک کے حالات و ضروریات کے مطابق اس قانون میں مسلسل توسیع ہوتی رہی ہے اور اس ارتقاء کا سلسلہ ایک دن کے لئے بھی نہیں رُکا۔ ان دونوں باتوں میں سے ہر حال ایک ہی صحیح ہو سکتی ہے۔ دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ اس بارہ سو سال کے عرصہ میں چینی ریاستیں بھی مسلمانوں نے قائم کیں، ان سب کا پورا نظم و نسق اسی قانون پر چلتا رہا، یعنی بنو امیہ، بنو عباس، آل عثمان حتیٰ کہ ہندوستان میں مغلوں کی سلطنت تک پورا نظم و نسق اسلامی قانون ہی کے مطابق تھا۔ ہندوستان میں صرف ایک سو سال تک اس سلسلہ کا ارتقاء کر رہا ہے جسے نہایت آسانی سے پورا کیا جاسکتا ہے یعنی ان کے ارشاد کے مطابق اسلامی قانون وہ تھا جو مغلوں کے آخری دور میں ہندوستان میں رائج تھا اور جو آج بلا انقطاع افغانستان، ایران، عراق، شام، مصر اور حجاز وغیرہ میں ناقد العمل ہے۔ یہی وہ اسلامی قانون ہے جسے مودودی صاحب پاکستان میں رائج کرنا چاہتے ہیں۔ مودودی صاحب اور اُن کے ہمنا حضرات کو تو چھوڑیے ہم پاکستان کے سنجیدہ طبقہ سے

پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا ان کے نزدیک بھی اسلام کا منشاء مقصود وہی کچھ تھا جو سو سال پہلے تک ہندوستان میں پورا ہوتا رہا ہے اور جو آج باقی اسلامی ممالک میں پورا ہو رہا ہے۔ اگر آپ اس سے متفق ہیں کہ اسلام کا منشاء اسی قسم کی صورتِ حالات پیدا کرنا تھا تو بسم اللہ، پاکستان میں وہی قانون نافذ کر دیجئے اور اپنی حالت ویسی ہی بنالیجئے جیسی قدر کے زملے تک تھی یا جیسی آج افغانستان، عرب و عراق کی ہے اور اگر سمجھتے ہیں کہ یہ صورتِ حالات تو قطعاً ایسی نہیں جس پر مسلمان تو ایک طرف، ایک عام انسان بھی فخر کر سکے گا تو پھر سوچئے کہ یہ جدید قسم کی ملازم آپ کو کدھر لئے جا رہی ہے؟

مودودی صاحب نے فرمایا ہے کہ اس بارہ سو سال میں متنی ریاستیں بھی مسلمانوں نے قائم کیں ان سب کا پورا نظم و نسق اسلامی قانون

حضرت عمرؓ کے بعد ہی اسلام کے تمام شعبوں پر جاہلیت چھا چکی تھی

پر چلتا رہا لیکن ذرا سنئے کہ اس سے پہلے وہ خود کیا ارشاد فرما چکے ہیں وہ اپنے مضمون تجدیدِ احیائے دین میں اسلامی نظامِ حکومت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو تکمیل تک پہنچا دیا اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اس کام کو اُسی جامعیت کے ساتھ جاری رکھا۔

پھر عام قیادت حضرت عثمانؓ کی طرف منتقل ہوئی اور اب تیرہ سو سال تک وہ نقشہ بدستور جاری رہا جو بنی علیہ الصلوٰۃ نے قائم کیا تھا مگر ایک طرف حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز زیادہ سخت ہوتا جا رہا تھا اور دوسری طرف حضرت عثمانؓ جن پر اس کا عظیم کابار رکھا گیا تھا ان تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیشروں کو عطا ہوئی تھیں اس لئے جاہلیت کو اسلامی

کے پیچھے جاہلیت اپنا کام کر رہی تھی۔ ایک ہی جگہ میں اسلام اور جاہلیت کا اجتماع ایسی سخت چمپدگی پیدا کر دیتا ہے کہ اس سے عہدہ برآ ہونا ہمیشہ جاہلیتِ مرتجعہ کے مقابلہ کی نسبت ہزاروں گنا زیادہ مشکل ثابت ہو رہا ہے عربیوں کی جاہلیت سے لڑیے تو لاکھوں مجاہدین سر ہتھیلیوں پر لئے آپ کے ساتھ ہو جائیں گے اور کوئی مسلمان اعلانِ اسلام کی حمایت نہ کر سکے گا مگر اس مگر کتب جاہلیت سے لڑنے جائیے تو منافقین ہی نہیں، بہت سے اصلی مسلمان بھی اس کی حمایت پر کمر بستہ ہو جائیں گے اور اُنٹا آپ کو مورد الزام بنا ڈالیں گے جاہلی امارت کی مسند اور جاہلی سیاست کی رہنمائی پر مسلمان کا جلوہ افروز ہونا جاہلی تعلیم کے مدرسے میں مسلمان کا مُکمل ہونا جاہلیت کے سجادہ پر مسلمان کا مرشد بن کر بیٹھنا وہ زبردست دھوکا ہے جس کے فریب میں آئے سب ہی لوگ بچ سکتے ہیں۔

اس معکوس انقلاب کا سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہی تھا کہ اسلام کا نقاب اوڑھ کر تینوں قسم کی جاہلیتوں نے اپنی جڑیں پھیلائی شروع کر دیں اور ان کے اثرات بد روز بروز زیادہ پھیلتے چلے گئے۔

یہ تین قسم کی جاہلیتیں مودودی صاحب کے نزدیک جاہلیتِ خالصہ، جاہلیتِ مشرکانہ، جاہلیتِ راہبانہ تھیں۔ جاہلیتِ خالصہ نے اسلامی نظام کو کس طرح متاثر کیا اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں،

جاہلیتِ خالصہ نے حکومت اور دولت پر تسلط جمایا نام خلافت کا تھا اور اصل میں وہی بادشاہی تھی جس کو مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا۔ بادشاہوں کو الگ کہنے کی ہمت کسی میں باقی نہ تھی۔ اس لئے السلطان ظل اللہ کا بہانہ اختیار کیا گیا اور

اس بہانہ سے وہی مطاع مطلق کی حیثیت بادشاہوں نے اختیار کی جو اللہ کی ہوتی
 ہے اس شاہی کی سرپرستی میں امر اور حکام، ولایت، اہل لشکر اور متفرقین کی زندگیوں میں
 کم دیش خالص جاہلیت کا نقطہ نظر پھیل گیا اور اس نے اُن کے اخلاق اور معاشرت
 کو پوری طرح ماؤف کر دیا پھر یہ بالکل ایک طبعی امر تھا کہ اس کے ساتھ ہی جاہلیت
 کا فلسفہ ادب اور ہنر بھی پھیلنا شروع ہوا اور علوم و فنون بھی اسی طرز پر مرتب و معدون
 ہوں کہ چونکہ یہ سب چیزیں دولت اور حکومت کی سرپرستی چاہتی ہیں اور جہاں دولت
 اور حکومت جاہلیت کے قبضہ میں ہوں وہاں ان پر بھی جاہلیت کا تسلط ناگزیر ہے۔
 چنانچہ یہی وجہ ہے کہ یونان اور عجم کے فلسفے اور علوم و آداب نے اُس سوسائٹی میں
 راہ پائی جو اسلام کی طرف منسوب تھی اور اس کی داندانی سے کلاسیات کی بخشیں شروع
 ہوئیں اعتراضات کا مسلک نکلا، زندقہ اور الحاد پر پُر زورے نکالنے لگا اور عقائد کی موٹا گائیوں
 نے نئے نئے فرقے پیدا کر دیئے۔

یعنی مخدودی صاحب کی تحقیق کے مطابق چونکہ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد جاہلیت
 خالصہ مسلمانوں کے سیاسی اور معاشی نظام پر مسلط ہوئی ہے نہ فتنہ رفتہ حالت یہ ہو گئی کہ
 ان کی تمدنی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جو اسلامی بنیادوں پر قائم رہ گیا ہو اور اُس نے
 جاہلیت راہبانہ کے ساتھ مل کر سوسائٹی کے اچھے عناصر کو مارتیا کا انجکشن دیکر سُست
 کر دیا، بادشاہی کے جاہلی نظام کو مضبوط کیا، اسلامی علوم و فنون میں جمود اور تنگ خیالی
 پیدا کی اور ساری دینداری کو چند خاص مذہبی اعمال میں محدود کر کے رکھ دیا۔ (ایضاً ص ۳۳)۔
 اس کے ساتھ جاہلیت مشرکانہ نے پرانی عبادات کی رسموں کو بدل کر نئی رسمیں ایجاد
 کیں اس کام میں دنیا پرست علما نے ان کی بڑی مدد کی اور وہ بہت سی مشکلات

اُن کے راستے سے دور کر دیں جو شرک کو اسلام میں نصب کرنے میں پیش آسکتی تھیں“ (ایضاً ص ۳) اس کے بعد انہوں نے یہ لکھا تھا کہ ایک عہدہ کا کام یہ ہوگا کہ وہ احیائے نظام اسلامی کرنے جس کے معنی ہیں :-

جاہلیت کے ہاتھ سے اقتدار کی کنجیاں چھین لینا اور از سر نو حکومت کو عملاً اُس نظام پر قائم کر دینا جسے صاحبِ شریعت نے خلافتِ علی منہاجِ النبوت کے نام سے موسوم کیا ہے؟ (ایضاً ص ۴)

یعنی رسول اللہ نے حکومت کو اسلامی نظام پر قائم کیا یہ نظام اپنی اصلی شکل میں حضرت عمرؓ کے دور تک قائم رہا اس کے بعد اس میں جاہلیت نے راہ پانا شروع کر دی اور حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد اس پورے نظام کی جگہ نظامِ جاہلیت نے لے لی جو مسلمانوں کی زندگی کے ہر گوشہ پر مسلط ہو گئی اور یہی نظامِ جاہلیت آج تک قائم ہے۔ اور اب ایک عہدہ کا کام یہ ہے کہ اس نظامِ جاہلیت کو الٹ کر از سر نو نظامِ حکومت کی بنیاد اُسی منہاج پر رکھے کہ جس پر اُسے رسول اللہؐ نے متشکل فرمایا تھا۔ مودودی صاحب نے ان خیالات کا اظہار ۱۹۴۱ء میں فرمایا تھا لیکن آج وہی مودودی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس بارہ سو سال کے عرصہ میں مسلمانوں نے جتنی ریاستیں بھی قائم کیں اُن سب کا پورا نظم و نسق اُسی قانون پر چلتا رہا جو ساڑھے تیرہ سو برس پہلے بیان ہوئے تھے اور اب کرنے کا کام فقط اتنا ہے کہ اُسی نظام کو جو ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت کی وجہ سے منقطع ہو گیا تھا، پاکستان میں رائج کر دیا جائے اس طرح پاکستان صحیح اسلامی مملکت بن جائے گا۔

یہ تضاد کیوں | آپ یقیناً حیران ہوں گے کہ ایک ہی شخص اسلام کی اصل و اساس

کے متعلق اس قدر متضاد باتیں کس طرح کہہ سکتا ہے لیکن حالات پر نگاہ رکھنے والوں کے لئے اس کی وجہ معلوم کر لینا کچھ دشوار نہیں۔^{۹۴} مسلمانوں کی حکومت کی مسندیں مودودی صاحب کے تصور تک میں بھی نہیں آسکتی تھیں اُس وقت اُن کے سامنے مسلم لیگ کے مقابلہ میں اپنی جماعت سازی اور اس کی قیادت کے مقابلہ میں اپنی امارت کا خیال تھا چنانچہ وہ اپنے مذکورہ مضمون میں عہدِ دین سابقہ کی ناکامیوں پر تبصہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان سے پہلا سبق یہ ملتا ہے کہ:-

تجددِ دین کے لئے صرف علومِ دینیہ کا اہیاء اور اتباعِ شریعت کی روح کو تازہ کر دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ایک جامع اور ہمہ گیر اسلامی تحریک کی ضرورت ہے جو تمام علوم و فنون و صناعات اور تمام شعبہ ہائے زندگی پر اپنا اثر پھیلا دے اور تمام امکانی قوتوں سے اسلام کی خدمت لے اور دوسرا سبق جو اس سے قریب المآخذ ہے یہ ہے کہ اب تجدید کا کام نئی اجتہادی قوت کا طالب ہے۔ بعض وہ اجتہادی بصیرت جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ یا اُن سے پہلے کے عہدین و عہدِ دین کے کارناموں میں پائی جاتی ہے اس وقت کے کام سے عہدہ بڑا ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔

(ایضاً ص ۹۷-۹۸)

لیکن اب سوال حکومت کی کرسیوں کا اگیا اور ان کے حصول کا طریقہ اصول جمہوریت کے مطابق یہی ہے کہ اکثریت کو ساتھ رکھا جائے اب مسلمانوں سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تمہارے آباد اجداد بارہ سو برس سے نظامِ جاہلیت پر کاربند چلے آ رہے تھے اب اُن سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اس بارہ سو سال میں تمہارے آباد اجداد نے جہاں جہاں بھی ریاستیں قائم کیں اُن کا پورا نظم و نسق اسلامی قانون کے عین مطابق تھا اور وہی نظم و نسق میں رائج

کرنا چاہتا ہوں یہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اس بارہ سو سال میں اسلام اپنی اصلی حالت پر قائم نہیں رہا اور مسلمانوں کی سلطنتوں کا نظم و نسق اسلامی نظام کے مطابق نہیں تھا اور نہ ہی آج ہے، یہ سب فتنہ پرداز ہیں۔ خدا اور رسول کے منکر اور تمہارے اسلاف کی توہین کرتے ہیں۔

اصل حقیقت اصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے قصور سے عرصہ بعد ہی اسلام اپنی اصلی پیٹری سے اتر گیا تھا اور اس کے بعد اس میں رفتہ رفتہ تمام غیر اسلامی عناصر داخل ہو گئے تھے۔ ہمارا تمام لٹریچر اُسی دور کا پیدا شدہ ہے جس میں اسلام غیر اسلامی (عجمی) عناصر سے بدلا جا چکا تھا۔ ہماری تاریخ، ہماری احادیث، ہماری تفاسیر سب اُسی دور کی تخلیق ہیں۔ یہی حالت ہمارے قانون (فقہ) کی بھی ہے۔ اس کی توتدوین ہی خالص ملوکیت کے زمانہ میں ہوئی تھی اور پھر اس کے بعد آج اس کا بھی علم نہیں کہ جناب ابو حنیفہؒ اور اُن کے شاگردوں نے کیا فیصلے کئے تھے اور آج جس چیز کا نام فقہ حنفی ہے وہ کون کون سے عناصر کا مجموعہ ہے۔ اندرین حالات ان میں سے کسی چیز کے متعلق بھی یہ فرض کر لینا کہ وہ بالکل اسلام کے مطابق ہے۔ بنیادی غلطی ہے۔ اس تمام طومار میں صرف اللہ کی کتاب ایسی ہے جو اپنی اصل شکل میں اس وقت تک قائم ہے اور چونکہ مطایح حقیقی صرف خدا ہے اس لئے ہمیں اس تمام ذخیرہ پر قرآن کی روشنی میں تنقیدی نگاہ ڈالنی چاہیے اور اس طرح کھرے کو کھوٹے سے الگ کر دینا چاہیے۔ کسی انسان کے قول یا اس کی طرف منسوب شدہ اقوال کو تنقید کی حد سے بالا قرار دے دینا قرآن کے بنیادی ذہن کے خلاف ہے۔

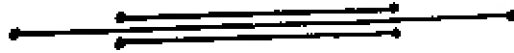
یہی وہ مسلک تھا جو خود امام اعظم نے اختیار کیا چنانچہ اور تو اور وہ تو صحابہؓ کے متعلق بھی یہ کہتے کہ میں ان کے اقوال میں سے جس کو چاہتا ہوں لیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں۔ باقی رہے دیگر مجتہدین تو ان کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ:-

جب ابراہیم شعبی، حسن ابن سیرین (اور بھی کئی مجتہدین کے نام لٹے ہیں) تک معاملہ پہنچتا ہے تو مجھے یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ جس طرح ان لوگوں نے اجتہاد کیا ہے اسی طرح میں بھی کروں۔

(تاریخ فقہ اسلامی ص ۳۲)

لہذا خود امام اعظمؒ کی تقلید بھی اسی میں ہے کہ جس طرح انہوں نے خود اجتہاد کیا تھا ہم بھی خود اجتہاد کریں۔ جس طرح ان کے دور میں نئے نئے حالات پیش آتے تھے اور ان کے لئے انہیں نئے نئے استنباطات کرتے پڑتے تھے، اُسی طرح ہمارے دور میں بھی نئے نئے حالات پیدا ہو رہے ہیں اور ہمیں بھی ان کے متعلق خود فیصلے کرنے چاہئیں لہذا صحیح اسلامی نظام یہ ہے کہ ہم دہم سے مراد ہر دور کے مسلمانوں کی ہئیت اجتماعیہ (قرآن کریم کو اپنے نظام کا محور قرار دیں اور اس کے اصول کی روشنی میں اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق خود جزئیات متعین کریں۔ ان جزئیات کے تعین میں ہم ان کوششوں کو بھی سامنے رکھیں گے جو اس سے پہلے اسی نہج و اسلوب پر ہوتی رہی ہیں۔ ان میں جو چیزیں ایسی ہوں گی جن میں کسی تغیر کی ضرورت نہیں انہیں علیٰ حالہ رہنے دیا جائے گا۔ دوسروں میں مناسب تبدیلیاں کر دی جائیں گی اور نئے امور کے لئے فیصلے کئے جائیں گے۔ اور اس ساری کوشش کی اصل و بنیاد یہ ہوگی کہ کوئی

شے قرآنِ کریم کے اصول سے نہ ہٹے۔ یہ ہے اسلامی نظام کی صحیح روح۔ یہی رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا اسی کے مطابق اُس خلافت کے دور میں عمل رہا جو علیٰ منہاج النبوة قائم تھی اور اُسی کے مطابق پھر سے اسلامی نظام قائم ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں نے جتنی جلدی اس حقیقت کو سمجھ لیا اتنی ہی جلدی ان کا قدم اُس صراطِ مستقیم پر اٹھ جائے گا جو اُن کے اللہ نے اُن کے لئے تجویز کی تھی اور جس کا نتیجہ حال کی شادابیاں اور مستقبل کی کامرانیوں ہیں۔



بابِ ستم

پرلیٹ ہڈ (مُلازم)

پریسٹ ہڈ

فروری ۱۹۵۳ء

جب کسی سے یہ کہا جائے کہ اسلام میں پریسٹ ہڈ (ملائیت) نہیں ہے تو اس سے ملا کو بے حد غصہ آجائے اس کا یہ غصہ ہے بھی قابل فہم۔ اس لئے کہ پریسٹ ہڈ ختم ہو جانے سے خود ملا بھی ختم ہو جاتا ہے اور اپنی ہستی کو قائم رکھنے کا جذبات انسان اور حیوان سب کے اندر جبلی طور پر پایا جاتا ہے۔ یہ تقاضا ایسا بنیادی ہے کہ اور تو اور ابلیس نے بھی خدا سے کہہ دیا تھا کہ مجھے قیامت تک کے لئے زندہ رکھا جائے اس لئے ملا اسے کس طرح آسانی سے برداشت کر سکتا ہے کہ اسلام میں پریسٹ ہڈ باقی نہ رہے وہ تو سارا زور اس میں لگائے گا کہ اسلام باقی رہے یا نہ رہے پریسٹ ہڈ ضرور باقی رہے مسلمانوں کی ساری تاریخ ملا کی اسی کوشش زبوں حاصل کی داستان ہے چونکہ ہمارے زمانہ میں یہ خیال روز افزوں عام ہو رہا ہے کہ اسلام میں پریسٹ ہڈ کی گنجائش نہیں اور مسلمانوں کی تباہی کا باعث ملا ہے اس لئے ملا نے بھی اپنی مدافعت کے لئے ہر حربہ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے پاکستان میں ملائیت کے منظم ادارے کے مرنخیل سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی ہیں چنانچہ وہ اپنی خاص جرنلٹ ٹیکنیک

کے ذریعہ ملازم کے جواز کی دلیلیں بہم پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں انہوں نے اگلے دنوں کراچی کی بار ایسوسی ایشن کے ایک اجتماع میں تقریر کی جو ترجمان القرآن بابت دسمبر ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں شائع ہوئی ہے وہ اپنی تقریر کے دوران میں فرماتے ہیں :-

حال ہی میں ایک نرالہ انداز فکر پیدا ہوا ہے کہ اسلام میں پریسٹ ہڈ نہیں ہے۔ قرآن اور سنت اور شریعت پر کوئی ملاکا اجارہ نہیں ہے کہ بس وہی ان کی تعبیر کرنے کا عجز ہو جس طرح وہ تعبیر احکام اور اجتہاد و استنباط کرنے کا حق رکھتا ہے، اُسی طرح ہم بھی یہی حق رکھتے ہیں۔ اگر جہالت کی اس طغیانی کو یوں بڑھنے دیا گیا تو بعید نہیں کہ کل کوئی اٹھ کر کہے کہ اسلام میں ڈاکٹر کیل ہڈ نہیں ہے اس لئے ہر شخص قانون پر بولے گا چاہے اُس نے قانون کا ایک لفظ نہ پڑھا ہو اور پرسوں کوئی دوسرے صاحب اٹھیں اور فرمائیں کہ اسلام میں انجیئر ہڈ نہیں ہے اس لئے ہم بھی انجیئرنگ پر کلام کریں گے چاہے ہم اس فن کی الف بے سے بھی واقف نہ ہوں اور پھر کوئی تیسرے صاحب اسلام میں ڈاکٹر ہڈ کا انکار کر کے مریضوں کا علاج کرنے کھڑے ہو جائیں بغیر اس کے کہ ان کو علم طب کی ہوا بھی لگی ہو۔

آپ غور کیجئے کہ مودودی صاحب نے ایک غلط تشبیہ کو کس طرح دلیل بنا کر پیش کر دیا ہے اور اس کے بعد خوش ہو گئے ہیں کہ ہم نے اسلام میں پریسٹ ہڈ

غلط تشبیہ

کا وجود ثابت کر دیا ہے ظاہر ہے کہ وکالت ڈاکٹری اور انجیئر

فنی پیشے ہیں اور ان کے لئے ان خاص فنون کا علم ضروری ہے سوال یہ ہے کہ کیا دین بھی اسی قسم کی فنی چیز ہے جس کے لئے خاص قسم کی ٹیکنیکل تعلیم کی ضرورت ہے ہم پوچھتے

یہ ہیں کہ دین کی وہ کون سی ٹیکنیکل تعلیم تھی جسے صحابہ کرام نے حاصل کیا تھا جس کے بعد وہ دین کے معاملہ میں بات کرنے کے قابل ہو گئے تھے کیا انہوں نے اُن اٹھارہ فنی علوم میں سے کسی ایک کی بھی تحصیل کی تھی جو آج ہمارے دینی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں اور جن کی تحصیل کے بعد اس طالب علم کو "عالم" بننے کی سند عطا ہوتی ہے کیا قرآن میں کہیں ایک جگہ بھی یہ لکھا ہے کہ جب تک یہ اٹھارہ علوم نہ پڑھے جائیں گے قرآن سمجھ میں نہیں آئے گا حقیقت یہ ہے کہ ان کو فن بنانے کے لئے ملانے خود ہی یہ اٹھارہ علوم وضع کئے اور اس کے بعد اس کا اعلان کر دیا کہ ان علوم کے مجموعے کا نام دین ہے دین کے متعلق یہ بنیادی تصور ہی باطل ہے اس لئے اس غلط بنیاد پر اٹھی ہوئی عمارت بننا علی الفاسد ہے جہاں تک ہدایت کا تعلق ہے قرآن کا سمجھنا بہت آسان ہے۔ یہ خود قرآن کا دعویٰ ہے وہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ وَلَقَدْ كَسَبْنَا الْقُرْآنَ لِلْعَرَبِ ۝۵۴ کہ ہم نے ہدایت و سنائی کے لئے قرآن کو آسان بنا دیا ہے لیکن ملا کا یہ کہنا ہے کہ اللہ میاں دمعاذ اللہ غلط کہتے ہیں۔ قرآن بہت مشکل ہے اور اس کے سمجھنے کے لئے ان اٹھارہ علوم کی ضرورت ہے جو انسانوں کو دین اور دنیا دونوں میں ناکام بنا دیتے ہیں۔ دین انسانی زندگی کے روزمرہ کے معاملات سے بحث کرتا ہے اور دوسرے کے معاملات فنی علوم کے محتاج نہیں ہوا کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے یہ حکم دیا کہ ان معاملات کو باہمی مشاورت سے طے کیا کر دو۔ قرآن نے کہیں نہیں کہا کہ یہ مشورہ ان لوگوں سے لیا کرو جن کی پیٹھ پر ان اٹھارہ علوم کی کتابوں کے پتھر لکھے ہوئے ہوں۔ قرآن نے مشاورت کے لئے کوئی حد و نہایت نہیں کھینچی۔ اسے ملت کے لئے عام کر دیا لیکن ملّا نے اسے اُن علما تک محدود کر دیا جو ان اٹھارہ علوم کے حامل ہوں اسی کا نام پریسٹ ہڈ

جس طرح ہر شخص قانون پڑھ کر وکیل اور جج بن سکتا ہے اور ہر شخص انجینئرنگ پڑھ کر اور طب پڑھ کر ڈاکٹر بن سکتا ہے اسی طرح ہر شخص قرآن اور سنت کے علم پر

وقت اور عنّت صرف کر کے مسائلِ شریعت میں کلام کرنے کا جواز ہو سکتا ہے۔

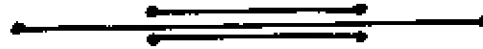
ہم پوچھنا یہ چاہتے ہیں کہ کیا آج سارے پاکستان میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جو مولویوں جیسی وضع قطع نہ رکھتا ہو لیکن اُس نے وقت اور عنّت صرف کر کے قرآن اور سنت کا علم حاصل کر رکھا ہو اگر کوئی ایسا شخص ہے تو ہم دوسرا سوال یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ لوگوں نے آج تک دستور سازی کے سلسلہ میں جس قدر اجتماعات کئے ہیں اُن میں کسی ایسے مشر کو بھی دعوت دی ہے؟ آپ نے اندازہ لگایا کہ ان حضرات کے نزدیک شریعت کا علم ان اٹھارہ علوم میں ہی محصور نہیں اس کے لئے ایک خاص وضع قطع کی بھی شرط ہے۔ یہی وہ پریسٹ ہڈ کی ذہنیت ہے جس کے خلاف آج علم اور عقل اس طرح احتجاج کر رہے ہیں اور جس احتجاج کو سن کر ملا کے منہ میں جھاگ آ جاتے ہیں اگر مودودی صاحب خود اس ذہنیت کا تماشا دیکھنا چاہیں تو ذرا اپنی ڈاڑھی منڈوا دیں اور پھر دیکھیں کہ یہ کتنی علماء جو کس وقت انہیں اس طرح سر آنکھوں پر اٹھائے اٹھائے پھر رہے ہیں (حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کے پاس دینی علوم کی کوئی سند بھی نہیں ہے) اپنے کسی مشورہ میں انہیں عالم کی حیثیت سے شریک ہونے کی اجازت دیتے ہیں؟ آپ دیکھیں، وڈاکروں اور انجینروں میں ڈاڑھی والے بھی دیکھیں گے اور ڈاڑھی منڈائے بھی لیکن مولویوں کی صف میں کبھی ڈاڑھی منڈا نظر نہیں آئے گا۔ اور ڈاڑھی والے سے وہ پوچھیں گے بھی نہیں کہ تم نے کسی دینی درس گاہ میں باضابطہ تعلیم بھی پائی ہے؟

خود ان اکتیس علماء کی فہرست کو اٹھا کر دیکھئے جنہوں نے کراچی میں اسلامی دستور کا خاکہ مرتب فرمایا تھا اور جو آجکل دستور کے متعلق تنقیدی بحث کے لئے پھر کراچی میں جمع ہیں، کئی لوگ ایسے ہیں جن کے پاس کسی دینی درس گاہ کی باضابطہ سند نہیں ہے۔

لیکن اس کے باوجود دودین میں د AUTHORITY کا درجہ رکھتے ہیں اس کے برعکس اس فہرست میں کسی ایک ڈاڑھی منڈے کا بھی نام نہیں ہے۔

دوسری بات پوچھنے کے قابل یہ ہے کہ یہ اجتماع اس لئے ہوا تھا کہ کانسٹی ٹیوشن کے متعلق اپنی سفارشات مرتب کرے۔ سوال یہ ہے کہ ان میں سے کتنے حضرات ایسے تھے جنہوں نے کانسٹی ٹیوشن کے متعلق اسی طرح تعلیم حاصل کی ہے جس طرح انجینئر، انجینئرنگ کے متعلق اور ڈاکٹر، ڈاکٹری کے متعلق تعلیم حاصل کر کے انجینئر یا ڈاکٹر بنتا ہے۔ ایک انجینئر، انجینئرنگ کی تعلیم کے بغیر تو انجینئر نہیں بن سکتا بلکہ یہ مولوی صاحبان کانسٹی ٹیوشن کی کوئی تعلیم حاصل کئے بغیر کانسٹی ٹیوشن کے ممبر ضرور بن سکتے ہیں۔

یہ ہے وہ پریسٹ ہڈ جسے ماڈرن ازم کے نقاب میں عام کیا جا رہا ہے۔



پریسٹ ہڈ

(مُلا کا مَبْلَغِ علم)

(اپریل ۱۹۵۳ء)

دودودی صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ قانون سازی صرف علماء حضرات کا کام ہے۔

لیکن یہی دودودی صاحب اس سے قبل انہی علماء حضرات کے متعلق فرما چکے ہیں کہ

انہیں معلوم ہی نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اس کی تفصیل خود ان کی زبان سے

سنیے یہ تمام اقتباسات طلوع اسلام بابت اپریل ۱۹۵۳ء میں شائع ہوئے تھے یعنی

جو کچھ نیچے لکھا جا رہا ہے وہ سب دودودی صاحب کی تحریریں ہیں۔

آپ کے ہاں امامت کا معیار حد سے زیادہ پست ہو چکا ہے جو منصب مسلمانوں

کی اجتماعی زندگی میں سب سے زیادہ اہم تھا وہ اب سب سے زیادہ خیر اہم ہے جس

منصب کے لئے بہتر سے بہتر آدمی منتخب کرنے کا حکم تھا اب اس کے لئے بدتر سے

بدتر آدمی چھانٹا جاتا ہے مسلمانوں کے ذہن میں اب امام کا تصور یہ ہے کہ جو شخص دنیا

کے کسی اور کام کا نہ ہو اس کو مسجد کا امام ہونا چاہیے۔ دس پانچ روپیہ تنخواہ اور دونوں

وقت کی روٹی مقرر کر دی اور کسی نیم خواندہ ملاک کو رکھ لیا یہ گویا مسجد کی امامت کا اشلٹام ہو گیا۔ امامت کو اس درجہ پست کر دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری مسجدیں، وہی مسجدیں جنہوں نے کبھی ہماری قوم کے قصر فلک بوس کی تعمیر کی تھی آج ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جو بے علم، تنگ نظر، پست حوصلہ اور ذنی الاخلاق ہیں کیلئے۔ ان لوگوں سے امید رکھتے ہیں کہ یہ اُردو میں خطبے دے کر آپ کی دینی و دینی رہنمائی کر سکیں گے؟

اس گمراہ کو چھوڑ کر اگر آپ نے جمعہ کی امامت کے لئے کسی دوسرے گمراہ کا انتخاب کرنا چاہا تو لا محالہ اس کے لئے آپ کو علماء ہی کے طبقے کی طرف رجوع کرنا ہو گا اور یا مستشرقین یا اس طبقے کے سوا داغظم کا جو حال ہے اسے بیان کرنا گویا اپنی ٹانگ کھولنا اور آپ ہی لاجوں مرنا ہے۔ ان حضرات کو اگر آپ نے علم فہم زبان میں سن مانے خطبے دینے کا موقع دیا تو یقیناً جلنے کے آئے دن مسجدوں میں سر پھٹول ہوگی اسلئے کہ ان میں ہر شخص اپنا ایک الگ مشرب رکھتا ہے اور اپنے مشرب میں وہ اتنا سخت ہے کہ دوسرے مشرب والوں کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کرنا اُس کے نزدیک گناہ سے کم نہیں۔ پھر اللہ نے اُس کی زبان میں ایک ڈنک

مولوی کی زبان کا ڈنک

کوئی بات نہیں کر سکتا۔ وہ جس ماحول سے تعلیم و تربیت پا کر آتا ہے اور جس ماحول میں زندگی بسر کرتا ہے، وہاں دین کے مہمات اور قوم کے مصالح کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ تمام لچسپیاں سمٹ کر چند چھوٹی چھوٹی نزاعی باتوں میں جمع ہو گئیں ہیں اس لئے

لے ہر مولوی اپنے ادا اپنے ہم نواؤں کیلئے اس قسم کی گفتگوں رکھ لیتا ہے۔ طلوع اسلام۔

لا محالہ وہ جب زبان کھولے گا، انہی مسائل کو کھولے گا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے گھر میں گالم گلوچ اور جوتی پیناڑ ہوگی اور آخر کار ہر مشرب کے مسلمان اپنے جیسے الگ الگ قائم کرنے لگیں گے یہ تو مذہبی ذہنیت رکھنے والوں کا حال ہوا۔ رہے نئے تعلیم یافتہ حضرات جو ان مسائل سے دلچسپی نہیں رکھتے تو ان پر ایک دوسری مصیبت نازل ہوگی وہ ہر جمعہ کو رسول اللہ کے منبر پر سے وہ موضوع اور ضعیف روایتیں اور لاطائل کہانیاں اور احکام اسلامی کی غلط تفسیریں سنیں گے جن کو سن کر غیر مسلموں کا مسلمان ہونا تو درکنار، ذمی ہوش مسلمانوں کا مسلمان رہنا بھی مشکل ہے۔

مذہبی دھڑے بندیوں کے علاوہ اب مسلمانوں میں سیاسی دھڑے بندی کا بھی زور ہو رہا ہے جہاں کہیں مولوی قسم کے مسٹروں یا مسٹر قسم کے مولویوں کو امامت و خطابت کا موقع مل گیا ہے وہاں وہ نہایت منہ پھٹ اور بے لگام طریقے سے اپنے سیاسی مسلک کی تائید اور مسلک مخالف کے لوگوں کی تذلیل و تضحیک و تفسیق کرنے لگے ہیں۔ یہ ایک اور فتنہ ہے جو اگر کچھ زیادہ بڑھ گیا تو مسلمانوں کے لئے مل کر نماز پڑھنا بھی مشکل ہو جائے گا۔ مسجدوں میں وہ کچھ ہونے لگے گا جو پولنگ اسٹیشنوں پر ہوا کرتا ہے اور بالآخر ہر سیاسی مسلک کے لوگوں کی مسجدیں الگ ہو کر رہیں گی۔ (تفہیمات حصہ دوم ص ۲۵۸-۲۵۹)

علماء کی عام حالت یہ ہے کہ وہ زمانے کے موجودہ رجحانات اور ذہنتوں کی نئی ساخت کو سمجھنے کی قطعاً کوشش نہیں کرتے جو

مولوی کا علم

چیزیں مسلمانوں کی نئی نسلوں کو اسلام سے بیگانہ کر رہی ہیں ان پر اظہارِ نفرت تو ان سے جتنا جی چاہے کر لیجیے لیکن اس زہر کا تریاق بہم پہنچانے کی زحمت وہ نہیں اٹھا سکتے۔ جدید حالات نے مسلمانوں کے لئے جو پیچیدہ عملی اور علمی مسائل پیدا کر دیئے

ہیں ان کو حل کرنے میں ان حضرات کو ہمیشہ ناکامی ہوتی ہے اس لئے کسان مسائل کا حل اجتہاد کے بغیر ممکن نہیں اور اجتہاد کو یہ اپنے اوپر حرام کر چکے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات اور اُس کے قوانین کو بیان کرنے کا جو طریقہ آج ہمارے علماء اختیار کر رہے ہیں وہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو اسلام سے مانوس کرنے کے بجائے الٹا متنفر کر دیتا ہے اور بسا اوقات ان کے ملاحظہ سن کر یا ان کی تحریروں کو پڑھ کر بے اختیار دل سے یہ دعا نکلتی ہے کہ خدا کرے کسی غیر مسلم یا بھٹکے ہوئے مسلمان کے چشم و گوش تک یہ صدرائے بے ہنگام نہ پہنچی ہو۔

(تنقیدات ص ۲۸)

انیسویں صدی کے آغاز میں سلطان سلیم نے اس کمزوری کو محسوس کیا اور انتظام سلطنت کی اصلاح، علوم جدیدہ کی اشاعت، طرز جدید پر عسکری تنظیم اور جدید مغربی آلات حرب کی ترقی شروع کی لیکن جاہل صوفیوں اور تنگ نظر علماء نے جو دین کے علم اور اس کی روح سے قطعاً بے بہرہ تھے مذہب کے نام پر اصلاحات کی مخالفت کی یوروپین طرز پر فوج کی تنظیم کو بے دینی سے تعبیر کیا جدید فوجی وردیوں کو تشبہ بالنصاری قرار دیا۔ سنگین تک کے استعمال کی اس لئے مخالفت کی گئی کہ کافروں کے اسلحہ استعمال کرنا ان کے نزدیک گناہ تھا۔ سلیم کے خلاف یہ کہہ کر نفرت پھیلانی گئی کہ وہ کفار کے طریقے رائج کر کے اسلام کو خراب کر رہا ہے شیخ الاسلام عطاء اللہ آفندی نے فتویٰ دیا کہ ایسا بادشاہ جو قرآن کے خلاف عمل کرتا ہو، بادشاہی کے لائق نہیں آخر ۱۸۵۷ء میں سلیم کو معزول کر دیا گیا یہ پہلا موقع تھا کہ مذہبی پیشواؤں نے اپنی جہالت اور تاریک خیالی سے اسلام کے مانع ترقی ہونے کا غلط

مولوی کا جمود

تخلیل پیدا کیا۔

زمانے کے حالات تیزی کے ساتھ بدل رہے تھے دوسرے مسلمانوں کی نسبت ترکوں پر ان تغیرات کا زیادہ اثر پڑ رہا تھا وہ یورپ کے مقابلے میں بالکل سینہ بسینہ کھڑے تھے اور برسرِ بیکار تھے مغربی قوموں کے ساتھ ان کے سیاسی، تمدنی اور تجارتی تعلقات نہایت گہرے تھے اور خود ان کی ماتحت یورپین اور عیسائی قومیں سرعت کے ساتھ مغرب کے اثرات قبول کر رہی تھیں۔ مگر ترکوں کے مذہبی پیشواؤں نے جو تفقہ اور اجتہاد سے بالکل عاری اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے قطعاً ناواقف تھے، ان تغیرات کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں اور ترکی قوم کو غور کیا کہ سات سو برس قبل کی فضا سے ایک قدم آگے نہ بڑھیں سلیم کے بعد محمود نے اصلاح کی کوششیں کیں اور علماء اور مشایخ نے پھر مخالفت کی یہی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے بعد ۱۸۲۶ء میں محمود اس قابل ہو سکا کہ جدید عسکری تنظیم کو رائج کر سکے۔ مگر علماء اور درویش برابر یہی تبلیغ کرتے رہے کہ یہ اصلاحات بدعت ہیں۔ ان سے اسلام کو خراب کیا جا رہا ہے۔ سلطان بے دین ہو گیا ہے اور طرزِ جدید کی فوج میں بھرتی ہونا مسلمانوں کے لئے خرابیِ ایمان کا موجب ہے۔

(تنقیحات، ص ۷۷)

ایک طرف ترکی قوم میں اتنے بڑے انقلاب کی ابتداء ہو رہی تھی۔ دوسروں طرف ترکوں کے علماء اور مشایخ تھے جو اب بھی ساتویں صدی کی فضاوں سے نکلنے پر آمادہ نہ تھے۔ اُن کے جمود اُن کی تاریک خیالی، اُن کی رجعت پسندی اور زمانے کے ساتھ حرکت کرنے سے اُن کے طبعی انکار کا اب بھی وہی حال تھا جو سلطان سلیم کے زمانہ میں تھا وہ اب بھی کہہ رہے تھے کہ چوتھی صدی کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے، حالانکہ ان کی آنکھوں

کے سامنے الحاد کا دروازہ کھل رہا تھا وہ ابھی تک فلسفہ کلام کی وہی کتابیں پڑھنے پڑھانے میں مشغول تھے جن کو پچھنک کر زمانہ پانچ سو برس آگے نکل چکا تھا۔ وہ اب بھی اپنے وعظوں میں قرآن کی وہی تفسیریں اور وہی ضعیف حدیثیں سنارہے تھے جن کو سن کر سو برس پہلے تک کے لوگ تو نہ روہنتے تھے مگر آج کل کے دماغ ان کو سن کر صرف ان منسٹرین و محدثین ہی سے نہیں بلکہ خود قرآن و حدیث سے بھی منحرف ہو جاتے ہیں۔

وہ ابھی تک اصرار کر رہے تھے کہ ترکی میں وہی فقہی قوانین نافذ کئے جائیں جو شامی اور کنز الدقائق میں لکھے ہوئے ہیں، خواہ اس اصرار کا نتیجہ یہی کیوں نہ ہو کہ ترک ان قوانین کے اتباع سے بھی آزاد ہو جائیں جو قرآن اور سنت رسول میں مقرر کئے گئے ہیں۔

(مقیقات منک)

مغلوں کے زمانہ میں عام طور پر جو حالت طبقہ متوسط کی تھی وہی علماء کی بھی تھی۔ ان میں بیشتر وظیفہ خواہ تھے کسی نہ کسی بادشاہ یا امیر یا درباری سے وابستہ ہو جانا ان کے وظیفے کھا کر اس کی منشا کے مطابق دین اور دینی قوانین کی تعبیر کرنا، اپنے ذاتی مفاد کو دین کے تقاضوں پر مقدم رکھنا ان کا شعار تھا۔

(ترجمان القرآن، دسمبر ۱۹۵۱ء جنوری ۱۹۵۲ء)

بِسْمِ

تَضَادَاتُ

تضادات

(مارچ ۱۹۵۲ء)

معاهدات کے متعلق تضاد بیانیاں | اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ کسی قوم کی اخلاقی سطح کتنی بلند ہے تو دیکھنا یہ چاہیے کہ دوسری قوموں کے ساتھ معاهدات کے معاملہ میں اس کی روش کیسا ہے۔ بین الاقوامی معاهدات کے متعلق ایک مسلک تو وہ ہے جسے یونان کے مدبر و مفکر سولن نے ذیل کے الفاظ میں بیان کیا ہے اور جس پر ایلسی سیاست کا عمل درآمد ہو رہا ہے اور آج بھی ہے یعنی۔

معاہدہ محکمی کا یا لاپے جو اپنے سے کمزور کو پھانسی لیتا ہے اور اپنے سے طاقتور کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

اس کے برعکس دوسری روش وہ ہے جو قرآن نے بیان کی ہے اور جس کی رو سے اس نے امت مسلمہ کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ :-

وَالْمُؤْمِنُونَ بِعَهْدِهِمْ قُلُوبًا ۖ

وہ لوگ جو معاہدہ کرنے کے بعد اسے پوری طرح بناتے ہیں۔

اور وَلَا يَنْفِضُونَ الْمِيثَاقَ ۖ ۱۳ وہ کبھی عہد و پیمان کو نہیں توڑتے قرآن نے معاهدات کی

پابندی کے لئے کس شدت سے تاکید کی ہے اس کے متعلق کسی تفصیل سے لکھنے کی ضرورت نہیں دہی اس کی تفصیل اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اس وقت اس مختصر سی تمہید کے بعد میں کچھ اور عرض کرنا ہے۔

گزشتہ نومبر ۱۹۵۱ء میں کراچی میں اسلامی جماعت کا اجتماع ہوا اس میں امیر جماعت سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اپنی افتتاحی تقریر میں اپنی جماعت کے موقف اور اس کے مختلف اہم فیصلوں کی تائید میں بہت کچھ بیان دیا اسی ضمن میں معاہدات کے متعلق بحث سامنے آگئی تو انہوں نے فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ اصول اخلاق کے لحاظ سے بہت بڑا فرق ہے ان معاہدات میں جو دو فریق اپنی آزاد مرضی اور مساویانہ طریقے سے باہم ملے کریں اور ان معاہدات میں جو ایک فریق کی کمزوری یا عبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر دوسرے فریق حاصل کر لے۔ اخلاق کی نگاہ میں یہ دو الگ الگ نوعیتوں کے معاہدے ہیں اور ان دونوں کا حکم ہرگز یکساں نہیں ہو سکتا۔ جو معاہدے فریقین کی آزادانہ رضامندی سے مساویانہ طریقے پر ملے ہوئے ہیں وہ یقیناً وزن اور قیمتی معاہدے ہیں۔ ان کی پوری کی پوری پابندی ہونی چاہیے۔ ان کی خلاف ورزی حرام ہے ان میں کسی قسم کے رد و بدل کا ایک فریق کو حق نہیں پہنچتا لیکن جو معاہدہ فریقین کی آزادانہ رضامندی سے مساویانہ طریقے پر ملے نہ ہوا ہو، بلکہ جس کو ایک فریق نے اپنے زور سے حاصل کیا ہو اور دوسرے نے اپنی کمزوری یا عبوری کی بناء پر مانا ہو، وہ اخلاقی حیثیت سے کوئی وزن اور قیمت نہیں رکھتا۔ اس کا قیام و بقا اخلاق پر نہیں بلکہ فریقین کے حالات پر منحصر ہے جب تک وہ حالات باقی رہیں جن میں اس نوعیت

کا معاہدہ ہوا تھا، صرف اُسی وقت تک ایسا معاہدہ نافذ العمل رہ سکتا ہے اور جب حالات بدل جائیں، جب ظالم کا نذر ٹوٹ جائے اور مظلوم کی کمزوری یا عبوری باقی نہ رہے ایسے معاہدے کو آپ سے آپ ٹوٹ جانا چاہیئے زیادہ سے زیادہ جو اخلاقی ذمہ داری مظلوم فریق پر عائد ہوتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ حالات بدل جانے پر وہ پہلے ظالم فریق کو معاہدے پر نظر ثانی کرنے کی دعوت دے لیکن اگر اس کے دعوت دینے کے باوجود ظالم فریق نہ مانے تو مظلوم فریق کو پورا حق پہنچتا ہے کہ اُس کا معاہدہ اُس کے منہ پر مار دے یا معاہدے میں انصاف کے مطابق ترمیم کر دے اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ:

یہ جو کچھ عرض کر رہا ہوں یہ کوئی میرا سن گھڑت اخلاقی اصول نہیں ہے بلکہ شریعت اسلامی میں اس کی بنیاد موجود ہے۔ اسلامی قانونِ سود کے معاہدے کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اس میں ایک فریق اپنی برتر مالی پوزیشن کی بناء پر سود کی شرط عائد کرتا ہے اور دوسرا فریق اپنی مالی کمزوری اور اپنے حالات کی عبوری سے اس شرط کو قبول کرتا ہے جیسا طرح اسلامی قانونِ بیعِ مغلطہ کو بھی تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اس میں ایک فریق دوسرے کو پریشان حال دیکھ کر اس کی کینٹورا روپے مالیت کی چیز کے پانچ روپے دام لگاتا ہے اور دوسرا فریق اپنی مصیبت سے محبور ہو کر ان داموں اپنی چیز بیچ دیتا ہے یہ اصول صرف شخصی معاملات تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ بین الاقوامی معاملات میں بھی اس کی نظیریں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر صلح حدیبیہ کے معاہدے کو لیجیے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کفارِ مکہ کے درمیان طے ہوا تھا اس معاہدہ میں نجد کے دوسری شرائط کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مدینہ سے جو لوگ بھاگ کر مکہ آجائیں گے انہیں تو کفارِ مکہ واپس نہ کریں گے مگر مکہ سے جو لوگ بھاگ کر مدینہ جائیں گے انہیں

انہیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس کر دیں گے۔ یہ صریح طور پر ایک غیر معقول اور غیر منصفانہ شرط تھی جو کفارِ مکہ کے اصرار پر مانی گئی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس مجبوری سے اس کو قبول کیا تھا کہ کفارِ مکہ اس کے بغیر آپ کو اور مسلمانوں کو زیارتِ کعبہ کا حق دینے کے لئے تیار نہ تھے حالانکہ عرب کے قدیم ترین مسئلہ قاعدے کے مطابق نہ حرمِ کعبہ اہلِ مکہ کی جائیداد تھا اور نہ انہیں کسی کو ان کی زیارت سے روکنے کا یا اس پر کوئی شرط عائد کرنے کا حق تھا اس لئے ان کی یہ شرط قطعی غیر منصفانہ تھی اور ایک صاحبِ حق کی مجبوری سے بالکل ناجائز قاعدہ اٹھا کر منوائی گئی تھی اب دیکھئے کہ قرآن اس شرط کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے۔ جہاں تک مردوں کا تعلق تھا قرآن نے اس کو باقی رہنے دیا مگر جب کچھ عورتیں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئیں اور کفارِ مکہ نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تو قرآن میں صاف حکم آگیا کہ ان عورتوں کو واپس نہ کیا جائے یہ صریح طور پر بین الاقوامی معاہدے کی ایک طرفہ مہم تھی اور اس کے جواز کی اس کے سوا اور کوئی بنیاد نہ تھی کہ جس معاہدے کو ایک فریق نے دوسرے فریق کی مجبوری سے ناجائز قاعدہ اٹھا کر تسلیم کرایا ہو اس کی اخلاق حیثیت ہرگز وہ نہیں ہے جو فریقین کی مساویہ اور آزادانہ مرضی سے طے کئے ہوئے معاہدوں کی ہوتی ہے اس طرح کے ایک معاہدے میں مظلوم فریق کو حق پہنچتا ہے کہ اگر پورا معاہدہ ظالمانہ ہو تو موقع پا کر اسے ظالم کے منہ پر مار دے۔ اور اگر معاہدہ کی کچھ شرطیں ناقابلِ برداشت ہوں تو انصاف کو ملحوظ رکھ کر ان میں مناسب ترمیم کر دینے پر ایک مستقل اصول ہے جو قرآن کے اس فیصلے

سے مستبظ ہوتا ہے۔

اس وقت ہیں اس سے بحث نہیں کہ مودودی صاحب نے معاہدات کی جو تقسیم کی ہے وہ کیسی ہے اور اس میں جس اخلاقی اصول کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی حیثیت کیا ہے اس وقت صرف یہ دیکھنا ہے کہ مودودی صاحب نے اصول یہ بیان فرمایا ہے کہ معاہدہ کرنے کے بعد اگر ضرورت کے حالات تبدیل ہو جائیں تو اسے حق حاصل ہے کہ وہ معاہدہ کی جس شق کو غیر منصفانہ سمجھے اس میں ایک طرف ترمیم کر لے اس سے نقص عہد کا جرم عائد نہیں ہوتا اس کے لئے انہوں نے ”خدا کے حکم اور رسول اللہ کے عمل“ سے تائیدی شہادت بھی پہنچائی ہے جس کے متعلق ہم آگے چل کر عرض کریں گے۔ ۱۹۵۱ء کی بات ہے۔

سابقہ فیصلہ

۱۹۴۸ء میں مودودی صاحب نے مسئلہ کشمیر کے متعلق جو خیالات کا اظہار فرمایا تھا ان میں بنیادی نکتہ یہ تھا کہ حکومت پاکستان کی یہ روش کہ اس نے ہندوستان کے ساتھ صلح کا معاہدہ بھی کر رکھا ہے اور کشمیر میں جنگی کارروائی بھی جاری ہے شریعت اسلامی کے بحیر خلاف ہے اس باب میں انہوں نے اپنے بیان میں کہا تھا :-

”یہ بحث کسی دوسرے وقت کی جانے لگی اس وقت صرف اتنا کہہ دینا کافی ہو گا کہ معاہدات کا قیام و توثیق کسی قانون کی رو سے ہوتا ہی نہیں اس کا سارا دار مدار اخلاقی منابط کی رو سے ہوتا ہے۔ جسے ”ہین الاقوامی“ قانون کہا جاتا ہے اس کی حیثیت درحقیقت قانون کی نہیں ہوتی کیونکہ قانون اُسے کہتے ہیں جسے کوئی قوت نافذہ منولہ سکے۔ جب تک ہین الاقوامی قانون کے پیچھے اس قسم کی قوت نافذہ نہ ہو اس وقت تک ہین الاقوامی معاہدات کی حیثیت قانون کی نہیں ہو سکتی۔ ان کی حیثیت محض اخلاقی پابندی کی ہوتی ہے۔“

اسلام نے ہمیں سکھایا ہے یا تو کسی قوم سے معاہدہ نہ کر دیا۔ اگر معاہدہ کرتے ہو تو پھر پوری ایمانداری کے ساتھ اس کی پابندی کرو۔ اور جب دیکھو کہ فریق ثانی اپنے معاہدوں کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو اس کا معاہدہ کھلم کھلا اس کے منہ پر مار دو۔ پھر تم آؤ لو کہ اس کے خلاف جو کارروائی کرنا چاہو کرو۔

وَمَا تَخَافُ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةٍ فَانْصِرْ إِلَيْهِمْ وَعَلَى سَوَاءٍ إِنْ أَمَلَهُ
لَا يُجِبُ الْخَائِشِينَ - ۹۲۸

اور اگر کسی قوم سے تمہیں خیانت کا اندیشہ ہو تو برابر ہی کے ساتھ ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو (یعنی اس طرح کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ تمہارا اور ان کا معاہدہ باقی نہیں رہا حقیقت یہ ہے کہ اللہ فاتحوں کو پسند نہیں کرتا۔

(ترجمان القرآن بابت ۹۲۸)

یہاں مودودی صاحب نے معاہدات کی کوئی قسمیں نہیں گنائیں مطلق معاہدہ کے متعلق یہ اصول بیان فرمایا ہے کہ یا تو اس کی پوری پوری پابندی کرو اور یا اسے فریق مقابل کے منہ پر دسے مارو۔ یہ نہیں کہ اس کی کسی ایک شق میں از خود یک طرفہ تبدیلی کر لو۔ اس کے بعد انہوں نے (ترجمان القرآن بابت ۹۲۸ء میں) اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں لکھا تھا۔

اسلام کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ جب کسی قوم کے ساتھ کچھ شرائط ہو جائیں (خواہ وہ مرغوب ہوں یا نہ ہوں) تو اس کے بعد ان شرائط سے سرِ مو بھی تجاوز نہ کیا جائے بلا لحاظ اس کے کہ فریقین کی اعتباری حیثیت اور طاقت اور قوت (RELATIVE POSITION) میں کتنا فرق آجائے۔

اس سے پہلے بھی انہوں نے اپنی کتاب ”الچہاد فی الاسلام“ میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا۔

اس سے بھی پہلے اسلامی قانون نے جنگ اور صلح دونوں حالتوں میں وفائے عہد کی سخت تاکید کی ہے حقیقت اخلاقیات اسلام کے قواعدِ اعلیٰہ

میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کو سخت سے سخت ضرورت کی حالت میں بھی اپنے عہد پر قائم رہنا چاہیے۔ بدعہدی سے خواہ کتنا ہی بڑا فائدہ پہنچا ہو اور وفائے عہد سے کتنا ہی شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، اسلام ہمہ صورت اپنے پیروں کو تاکید کرتا ہے کہ اس فائدے کو چھوڑ دیں اور اس نقصان کو برداشت کریں یہ کلیہ جس طرح انفرادی شخصی زندگی پر حاوی ہے اُسی طرح اجتماعی و قومی زندگی پر بھی حاوی ہے..... اسلام اس معاملہ میں فرد اور جماعت، رعیت اور حکومت، شخص اور قوم میں کوئی امتیاز نہیں کرتا اور بدعہدی کو ہر حال میں ہر غرض کے لئے ناجائز قرار دیتا ہے۔

(ص ۱۵۱)

اس ضمن میں انہوں نے یہ حدیث بھی نقل فرمائی ہے کہ:

رسول اللہ نے فرمایا جس کا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو اُس میں کوئی تغیر و تبدل نہ کرے تا وقتیکہ اس کی مدت گزر نہ جائے۔ یا پھر خیانت کا خوف ہو تو براہِری کو ملحوظ رکھ کر اس کو ختم معاہدہ کا نوٹس دیدے۔ (ص ۱۸۳)

یہ دونوں باتیں آپ کے سامنے آگئیں۔ پہلے شریعت کا فیصلہ یہ تھا کہ:

(۱) اسلام کے قواعدِ اعلیٰہ میں سے یہ ہے کہ انسان کو سخت سے سخت ضرورت کی حالت میں بھی اپنے عہد پر قائم رہنا چاہیے۔

نا بدعہدی ہر حال میں ہر غرض کے لئے ناجائز ہے۔

(vi) شرائط معاہدہ مرغوب ہوں یا نہ، اُن میں سرِ مو تجاوز نہیں کیا جاتا، خواہ فریقین کی اعتباری حیثیت میں کتنا ہی فرق آجائے؟

(vii) رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو جائے تو اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ کرے مادِ حقیقہ اس کی مدت نہ گزر جائے۔

اور اب ارشاد ہوتا ہے کہ

(viii) معاہدہ فریقین کی آزادانہ رضا مندی سے مساویہ نہ طریق پر طے نہ ہوا ہو، اس کا قیام و بقا اخلاق پر نہیں بلکہ فریقین کے حالات پر منحصر ہے حالات بدل جانے پر اس میں یک طرفہ ترمیم بھی کی جاسکتی ہے۔

اور اس کے لئے بھی (برہم خویش) خدا کا حکم اور رسول کا عمل بطور تائید پیش کر دیا جاتا ہے

ایسے اہم معاملہ میں اس قسم کے متضاد احکام اور دونوں احکام شریعت اہم اس باب میں کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ البتہ سود و سودی صاحب نے اپنے فتوے کی تائید میں خدا اور اس کے رسول کے خلاف جو بہتان تراشا ہے کہ صلح حدیبیہ میں پہلے یہ شرط داخل کر لی کہ جو لوگ مکہ سے بھاگ کر مدینہ جائیں گے انہیں واپس کر دیا جائے گا اور اس کے بعد اس میں از خود یہ ترمیم کر لی کہ واپس صرف مردوں کو کیا جائے گا عورتوں کو نہیں۔ اس کے متعلق صرف اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اول تو

معاہدہ صلح میں یہ جو شرط تھی کہ جو مسلمان مکہ سے واپس چلا جائے گا وہ پھر مکہ کو واپس کر دیا جائے گا اس میں صرف مرد داخل تھے۔

(سیرۃ النبی از شبلی، حصہ اول ص ۳۳۳)

اور اگر مودودی صاحب کو اس پر بھی اصرار ہو کہ نہیں، معاہدہ میں عورتیں بھی شامل تھیں تو ہم انہیں چیلنج دیتے ہیں کہ وہ قرآن سے یہ ثابت کر دیں کہ اس نے جن مہاجرات کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اگر اپنے ایمان میں عکس ہوں تو انہیں اُن کے کافر شوہروں کی طرف نہ لوٹایا جائے وہ عورتیں معاہدہ حدیبیہ کے بعد اور اس کی مدتِ نفاذ کے اندر مکہ سے مدینہ آئی تھیں۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا لَنْ تَفْعَلُوْا فَاَنْتُمْ اَنْتَ الَّذِي تَقُوْذُهَا النَّاسُ وَالْحِجَابَةُ ۚ

تضادات

رسول کی حیثیت

(مئی ۱۹۵۲ء)

قرآن حکیم تمام آسمانی کتابوں میں سے صراحت کے ساتھ اس کا اعلان کرتا ہے کہ حاکم مطلق بجز اللہ کے اور کوئی نہیں..... اس لئے کسی انسان پر کسی دوسرے انسان کی اطاعت فرض نہیں ہے قرآن کے نزول کا اصل مقصد ہی ہے کہ انسان کی گردن سے غیر اللہ کی اطاعت کا قلاوڑ نکال دے اور اللہ یعنی مطاع حقیقی کا بندہ بنانے کے بعد اس کو رائے اور ضمیر کی پوری پوری آزادی عطا کر دے۔ چنانچہ انسانی غلامی کے خلاف سب سے بڑھ کر جس کتاب نے جہاد کیا ہے وہ قرآن ہی ہے..... یہ مقدمہ ذہن نشین کر لینے کے بعد اس امر کی تحقیق کیجئے کہ نبی کی اطاعت جو اسلام میں فرض کی گئی ہے اور جس پر دین کا مدار ہے یہ کس حیثیت سے ہے یہ اطاعت اس حیثیت سے ہرگز نہیں کہ وہ نبی خاص شخص مثلاً ابنِ عمر یا ابنِ مریم یا ابنِ عبد اللہ ہے۔ قرآن نے اس مسئلہ کو نہایت واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے وہ کہتا ہے کہ ذاتی حیثیت میں تو نبی ویسا ہی ایک بشر ہے جیسے تم ہو۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ بار بار اپنے نبی سے اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ وہ اطاعت جو مومن پر فرض کی گئی ہے دراصل نبی بحیثیت انسان کی اطاعت نہیں ہے بلکہ نبی بحیثیت نبی کی اطاعت ہے۔ یعنی اُس علم، اس ہدایت، اُس حکم اور اُس قانون کی اطاعت ہے جسے اللہ کا نبی (اللہ کی طرف سے اُس کے بندوں تک پہنچاتا ہے)..... اسلام آیا ہی اس لئے ہے کہ غیر اللہ کی بندگی اور انسان پر انسان کی خداوندی کا قلع قمع کر دے۔ اور اگر کوئی انسان خدا کا نہیں خود اپنا کوئی خیال پیش کرے تو مسلمان پر اس کی اطاعت فرض نہیں وہ آزادی کے ساتھ خود سوچنے اور رائے قائم کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس کو آزادانہ اتفاق کرنے کا بھی اختیار ہے اور آزادانہ اختلاف کرنے کا بھی۔ اس معاملہ میں علماء اور ائمہ اور حکام تو دیکھنا کہ خود نبی کی رائے سے بھی اختلاف کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں (ابوالاعلیٰ مودودی صاحب، ترجمان القرآن بابت دسمبر ۱۹۵۳ء) لیکن یہ تفریق جو انہوں نے (علامہ اسلم جبراجپوری نے) محمد ابن عبد اللہ بحیثیت انسان اور محمد رسول اللہ بحیثیت مُسَلَّم کے درمیان کی ہے،

دوسرا بیان

قرآن مجید سے ہرگز ثابت نہیں قرآن میں آنحضرت کی ایک ہی حیثیت بیان کی گئی ہے اور وہ رسولِ دینی ہونے کی حیثیت ہے جس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب رسالت سے سرفراز کیا اُس وقت سے لے کر حیاتِ جسمانی کے آخری سال تک آپ ہر آن اور ہر حال میں خدا کے رسول تھے آپ کا ہر فعل اور ہر قول رسولِ خدا کی حیثیت سے تھا.... حتیٰ کہ آپ کی نجی اور شہری زندگی کے سارے معاملات بھی اسی حیثیت کے تحت آ گئے تھے..... قرآن کریم میں کوئی خفیف سے خفیف اشارہ بھی ایسا نہیں ملتا جس کی بنا پر آنحضرت کی حیثیت رسالت اور حیثیت انسان اور حیثیت امارت میں کوئی فرق کیا گیا ہو۔

د ابوالاعلیٰ صاحب مودودی، تفسیرات چھترہ اول، ص ۲۴

پھر سن لیجئے کہ بات کیا ہوئی؟

(۱) اسلام میں جو نبی کی اطاعت فرض کی گئی ہے اور جس پر دین کا مدار ہے وہ اس حیثیت سے ہرگز نہیں کہ وہ نبی خاص شخص مثلاً محمد ابن عبد اللہ ہے وہ اطاعت نبی بحیثیت نبی کی ہے۔

(۲) محمد ابن عبد اللہ بحیثیت انسان اور محمد رسول اللہ بحیثیت مبلغ کی تفریق قرآن مجید سے ہرگز ثابت نہیں قرآن میں آنحضرت کی ایک ہی حیثیت بیان کی گئی ہے۔ وہ رسولِ دینی کی حیثیت ہے۔

(۳) قرآن نے اس مسئلہ کو نہایت واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے وہ کہتا ہے کہ ذاتی حیثیت میں تو نبی دیا ہی ایک بشر ہے جسے تم ہو۔

(۴) قرآن کریم میں کوئی مخفی سے خفیف اشارہ بھی ایسا نہیں ملتا جس کی بناء پر آنحضرت کی حیثیت رسالت اور حیثیت انسانی میں کوئی فرق کیا گیا ہو۔

(۵) نبی کی ذاتی رائے سے اختلاف کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔

(۶) نبی کی ذاتی رائے ہوتی ہی نہیں، کیونکہ اُس کا ہر قول اور ہر فعل رسولِ خدا کی حیثیت سے ہوتا ہے۔

نیز یہ بھی اگر کوئی انسان خدا کا نہیں، خود اپنا کوئی خیال پیش کرے تو مسلمان پر اس کی اطاعت فرض نہیں یہ آئادی کے ساتھ خود سوچنے اور رائے قائم کرنے کا حق رکھتا ہے۔

درجہ ان القرآن بابت دسمبر ۱۹۳۶ء

اور یہ بھی فقہائے اسلام میں بہ متفقہ مسئلہ ہے کہ دادا کی موجودگی میں جس پوتے کا باپ مر گیا ہو وہ وارث نہیں ہوتا بلکہ وارث اُس کے چچا ہوتے ہیں۔

اگرچہ ابھی تک مجھے قرآن و حدیث میں کوئی ایسا صریح حکم نہیں ملا جسے فقہاء کے اس متفقہ فیصلے کی بناءً قرار دیا جاسکے لیکن بجائے خود یہ بات کہ فقہائے امت سلف سے خلف تک اس پر متفق ہیں اس کو اتنا قوی کر دیتی ہے کہ اس کے خلاف کوئی رائے دینا مشکل ہے۔
(ترجمان القرآن بابت ماریج ۱۹۵۳ء)



اچھے یتیم پوتے کی وراثت کے متعلق تفصیلی بحث طلوع اسلام کی شائع کردہ کتاب ”قتل مرتد، غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت“ میں دیکھئے جس میں مودودی صاحب کے فقہی مبلغِ علم کو بے نقاب کیا گیا ہے۔

تضادات ۳

(آئین سازی کے ضمن میں)

[”جلسہ آئین ساز کی منعقد کردہ ”بنیادی اصولوں کی کمیٹی“ کی دوسری رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے جنوری ۱۹۵۳ء میں لکھا گیا تھا“]

آپ ہماری کتاب: ”قرآنی دستور پاکستان“ میں دیکھیں گے کہ ہم کتاب کے ساتھ سنت کی پوزیشن کے متعلق کتنا کچھ لکھ چکے ہیں اور کتنی مرتبہ یہ بتا چکے ہیں کہ کسی اسلامی مجلس مقتضی میں علماء کی جداگانہ مجلس کا وجود کس طرح دین اور سیاست کی اس ثنویت کے مرادف ہے۔ جسے قرآن مثلاً نے کے لئے آیا تھا لیکن جسے بعد میں مسلمانوں نے عیسائیت کی پاپائیت اور پندروں کی برہمنیت اور ایمان کی عبوسیت سے مستعار لیکر اپنے ہاں داخل کر لیا وہ کون سا مسلمان ہے جس کے دل میں نبی اکرم کی عزت و عظمت نہ ہو جو حضور کی عظمت تو مسلمان کے ایمان کا جزو ہے لیکن جس مقصد کے لئے مولوی صاحبان کتاب کے ساتھ سنت کا لفظ ضرور لاتے ہیں وہ ابتداء سنت کی آڑ میں خود امریت کا تسلط ہے۔ اس حقیقت کو ہم پہلے بھی کئی بار بے نقاب کر چکے ہیں۔ اس وقت صرف اُس کے نمایاں خطوط کو دوبارہ پیش کیا جاتا ہے۔

عزائم جب جماعتِ اسلامی کے امیر سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اپنی پارٹی کا خاکہ پیش کیا تھا تو اس ضمن میں لکھا تھا کہ :-

یہ پارٹی اسلام کے اصولوں پر ایک نئے اجتماعی نظام اور ایک نئی تہذیب کی تعمیر کا پروگرام لے کر لٹھے اور عامہ خلائق کے سامنے اپنے پروگرام کو پیش کر کے زیادہ سے زیادہ سیاسی طاقت فراہم کرے اور بالآخر حکومت کی مشین پر قابض ہو جائے۔ (ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۳۷ء بحوالہ جماعتِ اسلامی پر ایک نظر)

اس پارٹی کی حکومت کے متعلق مودودی صاحب نے لکھا تھا کہ یہ اسٹیٹ فاشسٹی اور اشتراکی حکومتوں سے ایک گونہ مماثلت رکھے گی۔ (اسلام کا نظریہ سیاسی) ان عزائم اور مقاصد کو لے کر یہ جماعت وجود میں آئی اب اس کے بعد کتاب و سنت کی اُس سپر کا جائزہ لیجئے جس کی آرمیں مودودی صاحب اپنا آمرانہ نظام قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے مسلک کا تجزیہ حسب ذیل ہے۔

- (۱) شرعی نظام کتاب و سنت پر مبنی ہوگا۔
- (۲) کتاب اللہ صرف عمل احکام دیتی ہے جن کی تفصیل سنتِ رسول کے اندر ملتی ہے لہذا شرعی نظام کے تفصیلی احکام کتبِ احادیث میں مل سکتے ہیں۔
- (۳) کتبِ احادیث میں صحیح اور غلط، مستند اور ضعیف ہر قسم کی روایات ملتی ہیں ان میں سے صحیح روایات ہی شرعی نظام کے احکام بن سکتی ہیں۔
- (۴) یہ بات صرف ایک مزاج شناس رسول ہی بتا سکتا ہے کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی غلط نیز اگر کسی معاملہ میں کوئی حدیث نہ ملے تو یہی مزاج شناس رسول بتا سکتا ہے کہ اگر رسول اللہ اس وقت موجود ہوتے تو اس معاملہ

میں آپ کا فیصلہ کیا ہوتا؟

اس تجزیہ سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ کتاب و سنت سے مراد درحقیقت مزاج شناس رسول اللہ کے اپنے فیصلے ہوں گے جنہیں وہ سنت رسول اللہ کا لیل لگا کر نافذ کرے گا تاکہ اُن پر تنقید کرنے والوں پر رسالت مآب کی توہین اور ان سے انکار کرنے والا معصیت رسول کے جرم کا مرتکب گردان کر مستحق عقوبت قرار دیدیا جائے اور اس طرح کسی کو جرأت نہ ہو کہ ان فیصلوں کے خلاف لب کشائی کرے۔

یہ ہے وہ تکنیک جس کی رو سے مودودی صاحب اقتدار حاصل کر کے خدا اور رسول کے نام پر اپنی آمریت کا سکہ چلانا چاہتے ہیں۔ پاکستان کی بدبختی ہے کہ اس کے اربابِ حل و عقد (جن میں وزیرِ نظر پورٹ کے مرتب کنندگان بھی شامل ہیں) اس جماعت کے پروپیگنڈے سے خائف نظر آ رہے ہیں اور اسی وجہ سے انہوں نے علماء کی مجلس کی تجویز رپورٹ میں شامل کر دی ہے کہ دیا جائے گا کہ ان مجالس علماء کی حیثیت محض مشاورتی ہے لیکن جب آپ ایک مرتبہ اس بدد کے اونٹ کو خیمہ کے اندر اپنی گردن داخل کر لینے کی اجازت دیدیں گے تو کچھ عرصہ کے بعد آپ دیکھیں گے کہ اونٹ خیمہ کے اندر ہو گا اور عرب خیمہ کے باہر۔ یا آپ کو ان سے اس قسم کی مفاہمت کرنی پڑے گی جیسی ہماری دورِ ملوکیت میں ہر بادشاہ کو مذہبی پیشواؤں کے ساتھ کرنی پڑتی تھی۔ جب آپ کسی بل کا مسودہ ان علماء کے پاس بھیج دیں گے اور وہ اس کے متعلق نکھ دیں گے کہ وہ شریعت کے خلاف ہے تو اس کے بعد یا تو آپ کو ان کی بات ماننی پڑے گی وخواہ وہ عقل و فکر سے دور اور خدا اسلام کے بھی خلاف کیوں نہ ہو (اور یا آپ اسے مسترد کر کے اپنا اصلی مسودہ پاس کر لیں گے۔ اس دوسری شکل میں ان حضرات کی ذریت سارے ملک میں شور مچا دے گی کہ مجلسِ مقننہ کی

یہ تو اس زمانہ کی بات تھی مگر اب مودودی صاحب کا ارشاد ہے کہ چونکہ پاکستان میں جنتیوں کی اکثریت ہے اس لئے یہاں وہی قانون نافذ کرنا چاہیے جو یہاں اور بدائع، عالمگیری اور تاتارخانیہ، شامی اور کنز الدقائق میں لکھا ہوا ہے وہی مودودی صاحب جو کبھی کہا کرتے تھے کہ میں نہ گروہ علماء کو سراپا خیر سمجھتا ہوں اور نہ ہی جدید تعلیم یا نئے طبقہ کو۔ (ترجمان القرآن، ص ۱۱۱) ۳۵۵ھ اور جن کا فیصلہ یہ تھا کہ:-

”پہلے مذہبی خیال کے لوگ نوجوان ترکوں پر کفر اور فسق کے فتوے لگا رہے ہیں۔ مگر ان کو خبر نہیں کہ نوجوان ترکوں سے زیادہ گناہگار تو ترکی کے علماء اور مشائخ ہیں“

(تنقیحات، ص ۵۳)

اب بڑھ بڑھ کر یہ کہہ رہے ہیں کہ شرعی نظام کے بارے میں اُن اکتیس علماء کا مطالبہ کیوں نہیں مانا جاراہو؟ ۱۹۵۱ء میں کراچی میں جمع ہوئے تھے۔

آپ غور فرمائیے کہ جن لوگوں کے سیاسی حروب کا یہ حال ہوا اگر اُن کے کسی مشورہ کو مجلسِ مفتیانے نہ ملا تو وہ کن کن حرکتوں پر نہ اُتر آئیں گے۔

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں شرعی نظام سے مقصد یہ ہے کہ ہم قرآنِ کریم کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں اپنے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اپنے لئے جزئی قوانین خود مرتب کریں اس کے لئے علماء کی کسی جماعت کی ضرورت نہیں۔ قرآن سہل عربی زبان کی کتاب ہے اور اس کے سمجھنے کے لئے انسانی فکر اور اپنے زمانہ کے تقاضوں پر نگاہ کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے معلم کے پرانے ذخیروں کی ضرورت لایفک نہیں ان کی حیثیت مشاورتی ہے۔ چنانچہ اس باب میں مودودی صاحب نے فرمایا تھا:-

قرآن اور سنت کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں

سے نہیں..... قرآن کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں۔ ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر
(تنقیحات، ص ۲۳۲-۲۳۳)

جہاں تک عقل اور فکر کا تعلق ہے، اس کے متعلق بھی مودودی صاحب کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔
وہ ترجمان القرآن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”انسانت خواہ وہ آگ کی طرف لے جانے والی ہو یا جنت کی طرف، بہر حال اُس
گمراہ کا حصہ ہے جو سمیع و بصیر و فواد کو تمام انسانی گروہوں سے بڑھ کر استعمال کریں۔
یہ انسان کے حق میں اللہ کا بنایا ہوا اٹل ضابطہ ہے اور اس میں کوئی رورعایت
نہیں ہے۔“ (بحوالہ اسلامی جماعت پر ایک نظر)

لہذا جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ہم قرآن کو سامنے رکھ کر
اپنے سمیع و بصیر و فواد سے کام لیں اور اس طرح پاکستان کو اُس تباہی سے بچالیں جس کی
طرف اسے علمائے کرام کا یہ گمراہ فضا اور رسول کے نام کی سپریم کشاں کشاں لئے جانے
کی فکر میں ہے۔

۳۔ تفہیم القرآن (مودودی صاحب کی تفسیر قرآن)

”اس مضمون کا صحیح مقام تو باب چہام — مودودی صاحب اور قرآن — تھا لیکن چونکہ یہ تنقید طلوع اسلام دہائی مارچ ۱۹۵۴ء میں اُس وقت شائع ہوئی جب باب چہام کی کتابت ہو چکی تھی، اس لئے اسے اس جگہ درج کیا جاتا ہے اس تفسیر میں بھی بہت سے تضادات ہیں جن کی نسبت سے اسے یہاں جگہ دی گئی ہے یہ تنقید تفہیم القرآن مبدل اول و طبع اول پر شائع ہوئی تھی۔“

مودودی صاحب کی تحریروں کے متعلق طلوع اسلام میں بہت کچھ شائع ہو چکا ہے۔ زیرِ نظر تفسیر اُن کے رسالہ ترجمان القرآن میں بالاقساط شائع ہوتی رہی ہے جسے اب الگ جلد میں بھی شائع کیا گیا ہے۔ اس میں ترجمہ بھی ہے اور تفسیری حواشی بھی۔ انہوں نے اپنے ترجمہ قرآن کی خصوصیت بتانے کے لئے یہ لکھا ہے کہ انہوں نے ”ترجمہ کا طریقہ چھو بکر آزاد ترجمانی کا طریق اختیار کیا ہے“ اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ:-

پہلی چیز جو ایک لفظی ترجمہ کو پڑھتے وقت محسوس ہوتی

ہے وہ روانی عبارت، زور بیان، بلاغت زبان اور

ترجمہ کی خصوصیت

تاثيرِ کلام کا فقدان ہے۔ قرآن کی سطروں کے نیچے آدمی کو ایسی بے جان عبارت ملتی ہے جسے پڑھ کر نہ اُس کی روح و جذبہ میں آتی ہے نہ اُس کے دل نگہنے کھڑے ہوتے ہیں۔ نہ اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں، نہ اُس کے جذبات میں کوئی طوفان برپا ہوتا ہے نہ اُسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی چیر عقل و فکر کو تسخیر کرتی ہوئی قلب و جگر تک اترتی چلی جا رہی ہے۔ (دیباچہ ص ۸)

یعنی مودودی صاحب نے بتایا یہ ہے کہ اُن کے آزاد ترجمہ سے یہ اثرات مرتب ہو جائیں گے جو دوسروں کے لفظی ترجموں سے نہیں ہوتے۔ مودودی صاحب کا یہ بلند آہنگ دعویٰ کہان تک پورا ہوا ہے اس کا اندازہ ان کا ترجمہ پڑھنے سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ فاتحہ کے ترجمہ کو لیجئے جو حسب ذیل ہے :-

تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے، رحمن و رحیم ہے، مدد و جزا کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبارت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں یہی سیدھا راستہ دکھا۔ اُن لوگوں کا راستہ جس پر تو نے انعام فرمایا جو مستوجب نہیں ہوئے، جو بے شک نہیں ہیں۔

آپ اس ترجمہ کو پڑھیے اور خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ وہ دعائی عبارت و زریہ بیان، بلاغتِ زبان اور تاثيرِ کلام (جس کا مودودی صاحب کے بیان کے مطابق دوسرے ترجموں میں فقدان تھا) ان کے ترجمہ میں کس حد تک جایا ہوتا ہے اور اسے پڑھ کر کس طرح آپ کی روح و جذبہ میں آتی ہے آپ کے دل نگہنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ آپ کے جذبات میں طوفان برپا ہو جاتا ہے اور آپ کو محسوس ہونے لگتا ہے کہ کوئی چیر عقل و فکر کو تسخیر کرتی ہوئی قلب و جگر تک اترتی چلی جا رہی ہے۔

جیسا کہ ہم اس سے پہلے کئی بار لکھ چکے ہیں، مودودی صاحب کے پاس کوئی نئی چیز پیش کرنے کو نہیں ہوتی، اس لئے کہ نہ انہیں حدیث فکر نصیب ہوئی ہے نہ ندرتِ نگاہ۔ ان کے پاس وہی فرسودہ مال ہے جو ہمارے ہاں صدیوں سے چلا آ رہا ہے لیکن جب وہ اسے لے کر بازار میں نکلتے ہیں تو ان کی آواز یہ ہوتی ہے کہ

آفتاب تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا
آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک؟

آپ ان کے اس ترجمہ کو پہلے مترجمین کے ترجموں کے ساتھ ملائیے اور پھر دیکھئے کہ اس میں اور ان کے ترجموں میں کیا فرق ہے۔ یہ تو رہا ترجمہ کے متعلق جہاں تک تفسیر کا تعلق ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ میری انتہائی کوشش یہ رہی ہے کہ کوئی ایسی بحث نہ چھیڑی جائے جو ناظر کی توجہ قرآن سے ہٹا کر کسی دوسری چیز کی طرف پھیر دے۔ ”دیا چھٹل“، یہ بڑا مبارک خیال ہے۔ ہمارے نزدیک جو شخص قرآن پیش کرنے کے لئے قلم اٹاتا ہے اس کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ وہ اس کا خیال رکھے کہ پڑھنے والے کے سامنے خالص قرآن کی تعلیم کے علاوہ اور کوئی تعلیم نہ آنے پائے۔ اگر اس کی تحریر سے دوسروں کے ذہن میں غیر قرآنی تعلیم پہنچ جاتی ہے تو یہ قرآن کے ساتھ شرک ہے جو کسی صورت میں بھی معاف نہیں کیا جاسکتا۔ اس بنا پر ہم نے لکھا ہے کہ مودودی صاحب کا یہ خیال بڑا ہی مبارک ہے کہ تفسیر میں کوئی ایسی بات بیان نہ ہوئے پائے جو ناظر کی توجہ کو قرآن سے ہٹا کر کسی دوسری چیز کی طرف پھیر دے۔ لیکن ان کی تفسیر کے پڑھنے کے بعد ہمیں افسوس ہوا کہ ان کی تفسیر ان کے اس دھمکے کی بالکل نقیض ہے۔ ان کے حواشی انہی خیالات کی ترجمانی کر رہے ہیں جو غیر قرآنی ماخذوں سے

مستعار لئے گئے ہیں اور جو ہماری قدیم تفسیروں میں پیش ہوتے چلے آ رہے ہیں چنانچہ ان کی تفسیر میں اکثر اس قسم کی چیزیں ملیں گی کہ:-

قرآن میں بابہم! | اس آیت کے الفاظ میں کچھ ابہام محسوس ہوتا ہے تاہم اس کا قریب ترین مفہوم وہی ہے جو قدیم مفسرین نے

بیان کیا ہے۔ (صفحہ ۱۹۶)

طلوع اسلام میں معتد و بار بتایا جا چکا ہے کہ مودودی صاحب کی تحریروں میں بڑا تضاد ہوتا ہے ہیں، انسوس ہے کہ ان کا ”یہ خصوصیت“ ان کی تفسیر میں بھی موجود ہے اور یہ تضادات وہاں آتے ہیں، جہاں قرآن کی آیت کچھ اور کہتی ہے اور روایات کچھ اور حکم دیتی ہیں مودودی صاحب بار بار اس کا اعلان کرتے ہیں کہ انسانی زندگی کو عقلت و حرمت اور جواز و عدم جواز کی پابندیوں سے جکڑنے والا قانون اور ضابطہ صرف اللہ کا ہونا چاہیے۔ دوسروں کے عائد کردہ قوانین منسوخ کر دینے چاہئیں“ (صفحہ ۲۵۵) وہ کھلے الفاظ میں کہتے ہیں کہ حلال وہی ہے جو اللہ نے حلال کیا اور حرام وہی ہے جو اللہ نے حرام کیا (صفحہ ۲۵۹)۔ وہ اُن لوگوں کی سخت مذمت کرتے ہیں جنہوں

حرام و حلال کے اختیارات

نے بعض چیزوں کو آپ ہی آپ حلال قرار دے لیا، حالانکہ اللہ کی نظر میں وہ حرام ہیں اور بعض چیزوں کو انہوں نے خود حرام ٹھہرا لیا، حالانکہ اللہ نے انہیں حلال کیا ہے“ (صفحہ ۲۵۵) وہ دوسری جگہ کہتے ہیں کہ:-

حرام و حلال اور جائز و ناجائز کی حدود مقرر کرنا اور انسانی زندگی کے لئے قانون شرع تجویز کرنا یہ سب خداوندی کے مخصوص اختیارات ہیں جن میں سے کسی کو غیر اللہ کے لئے تسلیم کرنا شرک ہے۔ (صفحہ ۲۵۹)

مودودی صاحب نے جو کچھ یہاں لکھا ہے اس کے ایک ایک لفظ کو غور سے پڑھیے۔ وہ واضح الفاظ میں کہتے ہیں کہ انسانی زندگی کے لئے قانون اور شرع تجویز کرنا یہ سب خداوندی کے مخصوص اختیارات ہیں جن میں سے کسی کو غیر اللہ کے لئے تسلیم کرنا شرک ہے لیکن اس کے بعد یہ دیکھئے کہ مودودی صاحب ان تمام امور میں اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک کرتے ہوئے کس طرح خود اپنے الفاظ میں شرک کے مرتکب ہوتے چلے جاتے ہیں مثلاً مندرجہ بالا اقتباس ص ۵۹۸ پر ہے اور اس کے بالکل سامنے ص ۵۹۹ پر بھی یہ بارت ملتی ہے۔

انسانی جان جو فی الاصل خدا کی طرف سے حرام ٹھہرائی گئی ہے ہلاک نہ کی جائے مگر حق کے ساتھ۔ اب رہا یہ سوال کہ حق کے ساتھ کا کیا مفہوم ہے، تو اس کی تین صورتیں قرآن میں بیان کی گئی ہیں اور دو صورتیں اس پر زائد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں، اور یہ دو زائد صورتیں یہ ہیں، شہادی شدہ ہونے کے باوجود دنا کرے اور ارتداد اور خروج از جماعت کا مرتکب ہو۔

مودودی صاحب نے پہلے خود ہی یہ اصول بیان کیا ہے کہ حرام و حلال کی یہ دو مقرر کردہ خداوندی کے مخصوص اختیارات ہیں جن میں سے کسی کو غیر اللہ کو شریک کرنا شرک ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ (مودودی صاحب کے بیان کے مطابق) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی بیان کردہ تین صورتوں پر دو صورتوں کا اضافہ اپنی طرف سے کیا تو کیا یہ خداوندی کے مخصوص اختیارات میں شریک

قتل نفس اور روایات

ہونا ہوا نہیں؟ اسی طرح وہ ص ۵۹۳ پر کھلنے پینے کی چیزوں کے منقلعہ کہتے ہیں کہ "شریعت الہی میں قطعی حرمت ان چار ہی چیزوں کی ہے جن کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے اور قرآن نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ سب کچھ حلال ہے بجز اس کے جس کی حرمت کی تصریح

کر دی جائے قصۃ ۳۲۵، لیکن اس کے باوجود وہ فرماتے ہیں کہ:-

نبی اکرم صلعم نے حدیث میں صاف حکم دے دیا کہ دس دسے حرام ہیں اسی
کھانے پینے میں طرح حضورؐ نے اُن پر نوروں کو بھی حرام قرار دیدیا جن کے پیچھے ہیں اور جو

دوسرے جانوروں کو شکار کر کے کھاتے ہیں یا مردار خور ہوتے ہیں (ص ۳۲۷)

اسی طرح قرآن نے جہاں وصیت کا حکم دیا ہے وہاں اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی لیکن مودودی صاحب
 روایات کی بناء پر کہتے ہیں کہ ”اُدھی کو اپنے کل مال کے برابر کی حد تک وصیت کر سنے کا
 اختیار ہے۔“

قتل کے متعلق ابھی ابھی اوپر لکھا جا چکا ہے کہ مودودی صاحب کے بیان کے مطابق
 خدا کی بیان کردہ تین صورتوں پر دو صورتوں کا اضافہ رسول اللہؐ نے فرمادیا لیکن وہ تفسیر کے ص ۳۲۶
 پر ان دو صورتوں میں ایک صورت کا اور بھی اضافہ فرماتے ہیں جہاں لکھتے ہیں کہ ”آنحضرتؐ نے
 یہ قاعدہ کلیہً ارشاد فرمایا تھا کہ جو شخص محرمات میں کسی کے ساتھ زنا کرے اسے قتل کر دو۔ لطف
 یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ”فقہاء کے درمیان اس مسئلہ میں باختلاف
 ہے (ص ۳۲۶) اور چونکہ صورت (جس کا اضافہ مودودی صاحب کے بیان کے مطابق نبی صلعم
 نے فرمایا جنگ کے قیدیوں کا قتل ہے (ص ۱۵۳) یعنی خدا نے کسی شخص کے قتل کے لئے صرف
 تین صورتیں جائز رکھی تھیں لیکن مودودی صاحب کے بیان کے مطابق رسول اللہؐ نے ان پر چار صورتوں
 کا اضافہ اپنی طرف سے فرمادیا اور اس کے باوجود مودودی صاحب کا یہ دعویٰ اپنی جگہ پر قائم رہا۔“

سے مودودی صاحب نے یہ نہیں لکھا کہ جب رسول اللہؐ کا صریح حکم سامنے آگیا تو پھر اس میں فقہاء کو اختلاف
 کا حق کیسے حاصل ہو گیا؟

کہ حرمتِ رحلت کے حدود مقرر کرنا خداوندی کے مخصوص اختیارات ہیں جن میں کسی غیر اللہ کو شریک کرنا شرک ہے۔ اور یہ اضافہ اُس رسول نے کیا جو خود مودودی صاحب کے الفاظ میں انسانی کمزوریوں سے سبراہنیں تھے“ (ص ۵۳۴) یہاں تک کہ حضورؐ نے خود فرمایا کہ ”میں ایک انسان ہی ہوں، ہو سکتا ہے کہ تم ایک مقدمہ میرے پاس لاؤ اور تم میں سے ایک فریق دوسرے کی نسبت زیادہ چرب زبان ہو اور اُس کے دلائل سن کر میں اُس کے حق میں فیصلہ کر دوں“ (ص ۵۳۸)

آپ دیکھ چکے ہیں کہ مودودی صاحب نے مرتد کی سزا بھی قتل لکھی ہے۔
مرتد کی سزا | مرتد وہ ہے جو اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لے حالانکہ یہی مودودی صاحب تفسیر کے ص ۱۹۶ پر لکھتے ہیں کہ:-

اسلام کا یہ اعتقادی اور اخلاقی و علمی نظام کسی پر زبردستی نہیں ٹھوسا جاسکتا یہ ایسی چیز ہی نہیں ہے جو کسی کے سر جبراً منڈھی جانے۔ (ص ۱۹۶)

قرآن اور روایات میں جہاں تضاد واقع ہوتا ہے اس کی کئی ایک اور مثالیں بھی اس تفسیر میں موجود ہیں مثلاً وہ از روئے نصِ قرآنی، فال گیری اور قرعہ اندازی کو حرام قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں کہ:-

ان تین اقسام کو حرام قرار دینے کے بعد قرعہ اندازی کا صرف وہ سادہ صورت اسلام میں جائز رکھی گئی ہے جس میں دو برابر کے جائز کاموں یا دو برابر کے حقوق کے درمیان فیصلہ کرنا ہو۔ (ص ۲۴۲)

یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض روایات میں ہے کہ حضور رسول اللہ ﷺ بعض معاملات کے فیصلے (معاذ اللہ) قرعہ اندازی سے کیا کرتے تھے۔

طلاق کے احکام | اس قسم کی ایک دلچسپ مثال احکام طلاق کے متعلق ہے مودودی

صاحب پہلے کہتے ہیں کہ :-

جو شخص اپنی شوکر کو دو مرتبہ طلاق دے کر اس سے رجوع کر چکا ہو وہ اپنی عمر میں جب کبھی اس کو تیسری طلاق دیکر عورت اس سے مستقل طور پر جدا ہو جائے گی۔ (ص ۱۸۸)

یہ چیز قرآن کے مطابق ہے۔ (یعنی جو شخص اپنی عمر میں تیسری مرتبہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اس کے بعد وہ اس سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا، تا وقتیکہ یہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور وہ مرد اسے (قرآنی طلاق نہ دیدے یا فوت نہ ہو جائے لیکن مودودی صاحب اس کے ساتھ ہی اسی صفحہ پر) یہ بھی لکھتے ہیں کہ تین طلاقیں سے مطلب یہ ہے کہ ہر مہینے حالت طہر میں طلاق دے دی جائے اسی طرح

تیسرے طہر میں تیسری بار طلاق دینے کے بعد نہ تو شوہر کو رجوع کا حق باقی رہتا ہے اور نہ اس کا ہی کوئی موقع رہتا ہے کہ دونوں کا پھر نکاح ہو سکے۔

آپ غور کیجئے کہ یہ دونوں صورتیں بالکل متضاد ہیں۔ یعنی پہلے یہ کہا گیا ہے کہ وہ شخص اپنی تمام عمر میں جب تیسری مرتبہ طلاق دے گا تو یہ صورت واقع ہوگی اور اس کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ جب دو تیسرے مہینے تیسری طلاق کہہ دے گا تو پھر یہ صورت پیدا ہوگی۔ پہلی صورت قرآن کے مطابق ہے اور دوسری روایات کے مطابق لیکن مودودی صاحب ان دونوں متضاد صورتوں کو اس طرح بیان کرتے ہیں گویا ان میں کوئی تضاد نہیں ہے حالانکہ دوسری صورت بکھر قرآن کے خلاف ہے۔ بایں ہمہ مودودی صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ :-

میری انتہائی کوشش یہ رہی ہے کہ کوئی ایسی بحث نہ چھیڑی جائے جو ناظر کی توجہ قرآن سے ہٹا کر کسی دوسری طرف پھیر دے۔ (دیباچہ ص ۱۸۸)

ان تضادات کی وجہ بالکل ظاہر ہے اور وہ یہ کہ مودودی صاحب، روایات کو قرآن کے

اطاعت رسول ﷺ | ساتھ قرآن کی مثل (مثله معہ) مانتے ہیں چنانچہ وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:-

کوئی اطاعت خدا رسول کی سند کے بغیر معتبر نہیں۔ (ص ۳۴۳)
 کہنے کو تو بات چھوٹی ہے لیکن اسے کہنے کے لئے کسی ایسے شخص ہی کے دل گروہ کی ضرورت ہے جسے اس کا قطعاً احساس نہ ہو کہ میں خدا کے بارے میں کیا کہہ رہا ہوں۔
 خدا نے قرآن نازل کیا اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا۔ اس قرآن کو ایک مکمل اور مرتب شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دیا۔ لیکن مودودی صاحب کے نزدیک خدا کی اطاعت کی سند قرآن نہیں بلکہ قرآن محتاج ہے اُن روایات کی سند کا جن کی حفاظت کا ذمہ خدا نے لیا اور نہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دیا بلکہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دوڑھائی سو سال بعد لوگوں نے اپنے اپنے طور پر جمع کیا اور جن میں خود مودودی صاحب کے قول کے مطابق غلط اور صحیح سب قسم کی روایات موجود ہیں اس سارے قصے مقصود صرف اپنے خدائی اختیارات کا تسلیم کرنا ہے اور یہ اس طرح کہ:-

(۱) کوئی اطاعت خدا، رسول کی سند کے بغیر معتبر نہیں۔

(۲) رسول کی سند روایات سے مل سکتی ہے۔

(۳) روایات میں غلط بھی ہیں اور صحیح بھی۔

(۴) صحیح وہ ہے جسے مزاج شناس رسول صحیح کہہ دے اور غلط وہ ہے جسے وہ غلط

ٹھہرا دے اور

(۵) یہ مزاج شناس رسول خود مودودی صاحب ہیں۔ (ملاحظہ ہوا میں احسن اصلاحی صاحب)

کا عدالت میں بیان

لہذا آج امت کے لئے اطاعتِ خدا کی سند مودودی صاحب کا فیصلہ ہوگا۔
 مودودی صاحب اپنے مندرجہ بالا قول کی سند میں **أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ**
 کی آیت پیش کرتے ہیں۔ لیکن وہ خود ہی دوسرے مقام پر اللہ اور رسولؐ کو وہ مفہوم بیان کر
 جاتے ہیں جو **أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ** کی تفسیر خود کر دیتا ہے۔ وہ سورہ مائدہ کی آیت
إِنَّمَا جُزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

اللہ اور رسول کا صحیح مفہوم | خدا اور رسولؐ سے لڑنے کا مطلب اُس نظام
 صالح کے خلاف جنگ کرنا ہے جو اسلام کی حکومت

نے ملک میں قائم کر رکھا ہو۔۔۔۔۔ ایسا نظام جب کسی سرزمین میں قائم ہو جائے تو اس
 کو خراب کرنے کی سعی کرنا۔۔۔۔۔ دراصل خدا اور اس کے رسولؐ کے خلاف جنگ
 ہے جیسے تعزیرات ہند میں ہر اس شخص کو جو ہندوستان کی برطانوی حکومت کا تختہ
 الٹنے کی کوشش کرے مبادشاہ کے خلاف لڑائی کا مجرم قرار دیا گیا ہے۔

(ص ۳۶۵)

یہ چیز عجیبہ نہ وہ ہے جسے طلوعِ اسلام کی طرف سے شروع سے پیش کیا جا رہا ہے اور جس
 کی مسلسل مخالفت مودودی صاحب اور اُن کی جماعت کی طرف سے اس شدت سے
 کی جا رہی ہے کہ باید و شاید ہم پوچھتے یہ ہیں کہ اگر **يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ** (خدا اور
 اس کے رسولؐ کے خلاف جنگ) اُس نظام کے خلاف جنگ کرنا ہے جو اسلامی حکومت
 نے قائم کر رکھا ہو تو خدا اور رسولؐ کی اطاعت سے مراد اُس نظام صالح کی اطاعت کیوں
 نہیں جسے اسلامی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہو لیکن چونکہ اطاعتِ خدا اور رسولؐ
 کا یہ مفہوم لینے سے اطاعت، اسلامی نظام کی ہوتی ہے جس سے کسی مزاج شناس رسولؐ

کی آمریت باقی نہیں رہتی، اس لئے ان حضرات کے نزدیک اطاعتِ خدا اور رسول سے مفہم روایات کی اطاعت ہی لیا جائے گا!

اطاعتِ رسول کی ضرورت کے متعلق یہ حضرات ایک دلیل یہ دیا کرتے ہیں کہ قرآن نے جن احکام کو مجمل طور پر بیان کیا ہے اُن کی تفصیل روایات میں ملتی ہیں، اس لئے روایات کی اطاعت ناگزیر ہے۔ اس کا جواب ہماری طرف سے

قرآن کے مجمل احکام! نہیں، خود مودودی صاحب کی طرف سے سنئے، انہوں نے اپنی تفسیر جلد اول کے صفحہ ۵۰۸ پر دو حدیثیں نقل کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے کچھ فرائض تم پر عائد کئے ہیں۔ انہیں ضائع نہ کرو۔ کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے۔ اُن کے پاس نہ پھٹکو۔ کچھ حدود مقرر کی ہیں اُن سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے بغیر اس کے کہ اُسے بھول لاحق ہوئی ہو لہذا اُن کی کھوج دلگادو۔ ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

ان دونوں حدیثوں میں ایک اہم حقیقت پر متنبہ کیا گیا ہے جن امور کو شارع نے مجمل بیان کیا ہے اور اُن کی تفصیل نہیں بتائی یا جو احکام برسیلِ اجمال دیئے ہیں اور مقدار یا تعداد یا دوسرے تعینات کا ذکر نہیں کیا ہے اُن میں اجمال اور عدم تفصیل کی وجہ یہ نہیں ہے کہ شارع سے بھول ہو گئی تفصیلات بتانی چاہیں تھیں مگر نہ بتائیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شارع ان امور کی تفصیلات کو محدود نہیں کرنا چاہتا اور احکام میں لوگوں کے لئے وسعت رکھنا چاہتا ہے۔

یہ مسلک لفظاً لفظاً ہی ہے جسے طلوعِ اسلام پیش کرتا چلا آ رہا ہے لیکن طلوعِ اسلام ان حضرات کے نزدیک گردن زدنی اور جھٹی ہے اور یہ حضرات نظامِ دین کے ستون ہیں۔

تفسیری نکات

یہاں تک تو احکام کے متعلق مودودی صاحب کے تضادات کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ اب تھوڑا سا نمونہ ان کے تفسیری نکات کا بھی ملاحظہ فرمائیے۔ وہ ہاروت اور ماروت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو ہیروں اور فقیروں کی شکل میں اسرائیلیوں کے پاس بھیجا۔ وہاں انہوں نے ایک طرف بازارِ ساحری میں اپنی دکان لگائی لیکن دوسری طرف وہ اتمامِ حجت کے لئے ہر ایک کو خبردار کر دیتے تھے کہ دیکھو ہم تمہارے لئے آزمائش کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تم اپنی عاقبت خراب نہ کرو۔ مگر اس کے باوجود لوگ ان کے پیش کردہ عملیات اور نقوش اور تعویذات پر ٹوٹے پڑتے تھے۔

یہ کچھ لکھنے کے بعد مودودی صاحب خدا کی اس حکمتِ بالغہ کو بیان کرتے ہیں جس کے مطابق اُس نے لوگوں کی آزمائش کے لئے یہ شکل اختیار کی۔ فرماتے ہیں:۔

رہا فرشتوں کو ایک ایسی چیز سکھانا جو بچائے خود مری تھی تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے پولیس کے بے قدری سپاہی کسی رشوت خور عالم کو نشان زدہ سکے اور نوٹ لے جا کر رشوت کے طور پر دیتے ہیں تاکہ اُسے عین مالت از کتاب جرم میں پکڑیں اور اس کے لئے بے گناہی کے عذر کی گنجائش باقی نہ رہنے دیں۔ (ص ۹۸)

تفسیرِ قرآن کی اس نکتہ آفرینی کے متعلق کچھ بھی لکھنا آپ کے اس لطف کو خراب کر دے گا جو تفسیر پڑھنے سے آپ کو حاصل ہو رہا ہے۔ اس لئے ہم آپ کے اس لطف میں خلل انداز ہوئے بغیر آگے بڑھ جانا چاہتے ہیں۔

محکمات و متشابہات (۲) حکمت و مشابہات کے متعلق ارشاد ہے۔

مشابہات وہ آیات ہیں جن کے مفہوم میں اشتباہ کی گنجائش ہو۔ (ص ۲۳۴)
 جَلَّ جَلَالُہُ؛ یعنی قرآن میں ایسی آیات بھی ہیں جن کے مفہوم میں اشتباہ کی گنجائش ہے۔
 یعنی اُس قرآن میں جس کی ابتدا اس دعویٰ سے ہوتی ہے کہ ذَٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ لَہٗ فِیْہِ۔
 اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ۱۔

جو لوگ طالب حق ہیں اور ذوقِ فضول نہیں رکھتے وہ تو مشابہات سے حقیقت کے

اس دھندلے تصور پر قناعت کر لیتے ہیں جو کام چلانے کے لئے کافی ہے اور اپنی

تمام تر توجہات حکمت پر صرف کرتے ہیں۔ (ایضاً)

یعنی قرآن نے محض کام چلانے کے لئے حقیقت کے دھندلے تصورات بھی دیئے ہیں اور اُن
 میں غور و فکر کرنا ذوقِ فضول ہے۔

مذہب کی تاریخ | (۳۱) مودودی صاحب مذہب کی تاریخ کے متعلق ارشاد فرماتے
 ہیں کہ ۱۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جس انسان کو پیدا کیا تھا اُس کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ
 حقیقت کیا ہے اور تیرے لئے صحیح راستہ کون سا ہے۔ اس کے بعد ایک مدت
 تک نسلِ آدم راہِ راست پر قائم رہی اور ایک اُمت بنی رہی۔ پھر لوگوں نے نئے نئے
 راستے نکالے اور مختلف طریقے ایجاد کر لئے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ان کو حقیقت نہیں
 بتائی گئی تھی بلکہ اس وجہ سے کہ حق کو جاننے کیے بعض لوگ اپنے جائز حق سے بڑھ کر
 امتیازات، فوائد اور منافع حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اُس خرابی کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ
 نے انبیائے کرام کو مبعوث کرنا شروع کیا۔ (ص ۱۹۲-۱۹۳)

یعنی پہلے اللہ نے انسانوں کو انبیائے کرام کی وساطت کے بغیر براہِ راست ہدایت دی۔

اور جب یہ طریقہ ناکام ثابت ہوا تو پھر انبیائے کرام کو بھیجنا شروع کیا۔ اگر کوئی ان سے یہ پوچھ لے کہ اللہ نے پھر انبیاء کا سلسلہ کیوں ختم کر دیا تو معلوم نہیں ہمارے یہ منکر قرآن اس کا کیا جواب دینگے؟ (۴) ہجرت کے ضمن میں آپ کہتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کی جائے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں کوئی ایسا دارالاسلام پاتے ہی نہیں جہاں ہم ہجرت کر کے جاسکیں، انہیں جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

دارالاسلام نہ ہو تو؟ اگر کوئی دارالاسلام موجود نہیں ہے تو کیا خدا کی زمین میں

کوئی پہاڑ یا کوئی جنگل بھی ایسا نہیں ہے جہاں کوئی آدمی دھتور کے پتے کھا کر اور بکریوں کا دودھ پی کر گزر کر سکے اور احکام کفر کی اطاعت

سے بچا ہے۔

۴/۵۹

(ص ۳۸۸)

(۵) قرآن نے جہاں اُدی اَلْاُمْرِ مِنْکُمْ کو اطاعت کا حکم دیا ہے، وہاں کہتے ہیں کہ

اُدی اَلْاُمْرِ میں علماء بھی شامل ہیں۔

(ص ۳۶۲)

(۶) جبر اور قدر کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

جبر کا عقیدہ

قرآن کی رو سے اللہ کی مشیت اور اس کی رضا میں بڑا فرق ہے جس

کو نظر انداز کر دینے سے بالعموم شدید غلط فہمیاں واقع ہوتی ہیں۔ کسی چیز کا اللہ کی مشیت

اور اُس کے اِذن کے تحت رد نما ہونا لازمی طور پر یہی نہیں رکھتا کہ اللہ اس سے

راضی بھی ہے اور اسے پسند بھی کرتا ہے..... کسی چور کی چوری، کسی قاتل کا

یعنی اللہ ان کو پسند نہیں کرتا، لیکن اس کے باوجود انہیں بھیجے چلے جاتا ہے! اُف، کس قدر

جبوری کا مقام ہے۔ (معاف اللہ)

قتل، کسی ظالم و منسک کا ظلم و فساد اور کسی کافر و شرک کا کفر و شرک اللہ کی مشیت کے بغیر ممکن نہیں اور اسی طرح کسی مومن اور متقی انسان کا ایمان اور تقویٰ بھی مشیت الہی کے بغیر محال ہے۔ دونوں قسم کے واقعات یکساں طور پر مشیت کے تحت رونما ہوتے ہیں بزرگ پہلی قسم کے واقعات سے اللہ راضی نہیں ہے اور اس کے برعکس دوسری قسم کے واقعات کو اس کی رضا اور اُس کی پسندیدگی و محبوبیت کی سند حاصل ہے۔ (ص ۵۳)

غالباً اسی عقیدہ جبر کا اثر ہے جس کے ماتحت وہ دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ:-

قرآن اس کے برعکس یہ بتاتا ہے کہ بھلائی کی جزاء اور بُرائی کی سزا دینا بالکل اللہ کے اختیار میں ہے تبہیں جس بھلائی پر انعام ملتا۔

اعمال کے نتائج

ہے وہ تمہاری بھلائی کا طبعی نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اللہ کا فضل ہے، چاہے عنایت فرمائے چاہے ذرہ فرمائے۔ اسی طرح جس بُرائی پر تمہیں سزا ملتی ہے وہ بھی بُرائی کا طبعی نتیجہ نہیں ہے کہ لازماً مرتب ہو کر ہی رہے بلکہ اللہ پورا اختیار رکھتا ہے کہ چاہے معاف کر دے اور چاہے سزا دیدے۔ (ص ۶۸)

اگرچہ خود ہی دوسری جگہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ:-

”ملکِ عظیم“ سے مراد دنیا کی امامت و رہنمائی اور اقوامِ عالم پر قائدہ اقتدار ہے جو کتاب اللہ کا علم پانے اور اس علم و حکمت کے مطابق عمل کرنے سے لازماً حاصل ہوتا ہے (ص ۳۱)

یہ ہیں چند ایک نمونے اُن تفسیری نکات کے جو تفہیم القرآن میں بیان ہوئے ہیں۔



۱۔ حالانکہ قرآن بار بار انہیں جَزَاءً لِّمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ) کہہ کر پیش کرتا ہے۔

باب نہدہم

ایکشن

خِدْمَاتِ جَلِيلہ کا تذکرہ

(ایکشن کے لئے)

(جنوری فروری ۱۹۵۰ء)

گذشتہ اشاعت میں جماعت اسلامی کے متعلق جو تصریحات شائع کی گئی تھیں، ہمیں خوشی ہوئی کہ بہت سی سیدہ رحوں نے اس سے استفادہ کیا اور حقیقتِ مالی منکشف ہونے پر انہوں نے اپنے مستقبل کے متعلق بھی سوچا کہ راہِ صواب کون سی ہے ہم نے کہا تھا کہ جماعت اسلامی کے اربابِ حل و عقد کے پیشِ نظر شروع ہی سے اپنی قیادت کا حصارِ دِقیام تھا اور اس کے لئے اُن کا ہر دگر لم بکسرِ تحریر ہی تھا یعنی قائدِ اعظم کی قیادت کی خاصیت اور اُن کے پیشِ کردہ مسلک، یعنی تحریکِ پاکستان کی مخالفت لیکن اس مقصد تک پہنچنے کے لئے انہوں نے وہی تکنیک اختیار کی جو اس سے پیشتر قادیانی نبوت، اختیارِ کمرِ کبھی، یعنی مسلمانوں کے دردمند ریفاہ مر، مجتہد، مہدی، مہدی، مسیح کے بعد مقامِ نبوت پر فائز ہونے کا مذہبی اسلوبِ کار اور اس دوران میں قرآن اٹھا اٹھا کر یہ اعلانات کہ جو یہ کہتا ہے کہ ہم آگے چل کر دعوے نبوت

لئے ملاحظہ ہو ”صحیح اور غلط قیادت“۔ (باب اول)

کریں گے وہ ہم پر سخت اتہام لگاتا ہے، بہتان تراشتا ہے۔ ہم تو مدعی نبوت کو کافر سمجھتے ہیں جماعت اسلامی کے دل میں جب ہوس اقتدار نے کروٹ لی تو اس وقت مسلمان اپنی جداگانہ قومیت کے دعویٰ کو ہندو اور انگریز سے منوانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان حضرات نے نہایت مشفقانہ اور مصلحانہ انداز میں مسلمانوں کے اس دعوے کی تائید شروع کی اور نیشنلسٹ مسلمانوں کے خلاف اس جدوجہد میں شریک ہو گئے اور اس طرح اپنی مقبولیت بڑھانی شروع کر دی۔ چنانچہ یہ خود کھتے ہیں۔

جماعت کے ادائیگی دور میں جب وطنی قومیت کی تحریک مسلمانوں کو ننگل لینے کے لئے سرگرم عمل تھی اور خود مسلمانوں کے بہت سے لیڈر اور کارکن اپنی خدمات اس تحریک کے لئے وقف کئے ہوئے تھے تو اس نازک لمحے میں جماعت اسلامی نے ملت کے سینے میں اس فریضہ اقامت دین کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی جو طبعی طور پر ملت سے اپنے جداگانہ وجود کو برقرار رکھنے کا تقاضا کرتا ہے۔

(ترجمان القرآن بابت ستمبر ۱۹۴۹ء)

واقعہ یہ کہ ستمبر ۱۹۴۹ء کے ترجمان القرآن میں، جس سے مندرجہ بالا اقتباس لیا گیا ہے۔ جماعت اسلامی نے اپنی ان خدمات جلیلہ کو گناہ ہے جس کے پیش نظر وہ قوم سے آئندہ انتخابات میں ووٹ حاصل نہ کرنا چاہتے ہیں۔ مندرجہ صدر اقتباس سے ایک ناواقف کو یقیناً یہ خیال پیدا ہو گا کہ جماعت اسلامی کے ادائیگی دور میں مسلمان عام طور پر قومیت پرستی کی تحریک میں بہمے جا رہے تھے اور یہ جماعت اسلامی تھی جس نے ان میں اپنے جداگانہ قومی تشخص کا احساس پیدا کیا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کا احساس علامہ اقبالؒ سے پیدا کرتے چلے آ رہے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں انہوں نے الہ آباد کے

مقام پر اسی جہاد گانہ قومیت کی بنیاد پر جہاد گانہ مملکت کا تصور بیدار کیا جسے ۱۹۳۸ء میں قائد اعظم مرحوم نے ایک مثبت سیاسی دعوے کی حیثیت سے پیش کیا۔ جماعت اسلامی کا نام ہی پہلی بار ۱۹۳۰ء یا ۱۹۳۱ء میں سنا گیا۔ بایں ہمہ اس جماعت کا اب دعویٰ یہ ہے کہ اسی نے ملت کے سینہ میں اس فریضہ اقامت دین کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی۔ احساس پیدا کرنے کے الفاظ پر غور کیجئے، گویا اس سے پہلے ملت کے دل میں اس کا احساس تک پیدا نہیں ہوا تھا یہ احساس جماعت اسلامی کا پیدا کردہ ہے پھر اسے بھی سامنے رکھیے کہ اُس وقت بھی مسلمانوں کی قیادت وہی تھی جسے آگے چل کر اسلامی جماعت نے غیر صالح قیادت قرار دے کر بدترین مخالفت شروع کر دی تھی۔ لیکن اُس وقت چونکہ مسلمانوں میں مقبول بنا مقصود تھا اس لئے اُس وقت اس سوال کو بالکل نہیں چھیڑا گیا۔ تدریجی نبوت کی ٹکنیک کا ایسا ہی تقاضا ہوتا ہے۔

خدماتِ جلیلہ

اب آگے چلئے ارشاد ہے :-
 پھر جب وطنی تحریک کے گرد اب سے ملت کا سفینہ نکل آیا اور مسلمان جہاد گانہ طور پر تحریک پاکستان کے لئے منظم ہو کر سرگرم عمل ہونے لگے تو جماعت اسلامی نے ان کو مسلسل یہ دعوت دی کہ وہ اپنی تحریک کو خالص اسلامی طرز پر نشوونما دیں۔ یعنی جب جماعت اسلامی کی کوششوں سے ملت کا سفینہ وطنی تحریک کے گرد اب سے نکل آیا اکتاہٹ احسان ہے ملت کی گردن پر اس مقدس جماعت کا جس نے ملت کو ایسے گرداں سے نجات دلائی اور کسی عین کش ہے یہ ملت کہ اُس نے اس کے باوجود انہیں چھوڑ کر مسٹر جناح کو اپنا قائد بنالیا۔

اس کے بعد ارشاد ہے:-

جب نواکھالی، شمالی پنجاب اور صوبہ بہار میں حسادات کا طوفان اٹھا تو جماعت اسلامی احترامِ انسانیت، قیامِ امن، اعانتِ مظلوم، مدافعتِ ظلم اور سبجائی اخلاق کے پیغام لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے کارکنوں نے جہاں ایک طرف بساطِ بھر مسلمانوں کو منظم کرنے، ان کے حوصلے، (MORAL) کو بحال کرنے اور ان کو مختلف طریقوں سے امداد و ہم پیچپانے کی کوشش کی، وہاں دوسری طرف مسلمانوں کو بھی اور غیر مسلمانوں کو بھی باہمی قتل، مقاتلہ اور بوڑھوں اور بچوں پر دراز دستی اور عورتوں پر زیادتی کرنے سے باز رکھنے کے لئے ان کے شریفانہ جذبات سے اپیل کی۔

یہ حقہ تبلیغِ حق و باطل اور کتمانِ حقیقت کی بڑی پُزیریب
مثال پیش کرتا ہے یہ وہ وقت تھا جب اس جماعت

کھلی ہوئی قریب دہی

نے مسلمانوں کی قیادت اور ان کے دعوئے پاکستان کی مخالفت میں اٹری چوٹی کا زور لگانا شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے شروع میں جس ”جداگانہ“ قومیت کی تائید کی تھی اب اُسی جداگانہ قومیت کے خلاف یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ مسلمان بعض مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہو کر ایک الگ قوم کے دعویدار بن رہے ہیں یہ جب تک پورے کے پورے مسلمان نہ بن جائیں ان کی جداگانہ قومیت کا دعویٰ ایک سیاسی ہتھکنڈہ ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں کی جداگانہ قومیت اور ان کے مخالفین کی طرف سے نیشنلزم کی تحریک کی کشمکش انتہائی نازک مقام پہنچ چکی تھی اور فیصلہ کی گھڑیاں قریب سے قریب تر آتی جا رہی تھیں۔ اس جماعت نے عین اُس وقت اس فتنہ کا آغاز کیا اور کھلے بندوں پاکستان کے مطالبہ

کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ اُس وقت ”مصلحین ملت“ کے اس مقدس طاائفہ کا ایک ایک کارکن جناح کو گالیاں دینے اور پاکستان کو غیر اسلامی ثابت کرنے میں مصروفِ عمل تھا۔ اگر کسی جگہ مسلمان قتل ہوتے تھے تو اس جماعت کا ردِ سہل یہ ہوتا تھا کہ ان پیدائشی مسلمانوں اور غیر مسلموں میں فرق کیسا ہے یہ مسلمان باقی رہیں یا نہ رہیں، اس سے اسلام پر کیا اثر پڑتا ہے۔ ان کے اس وقت کے لڑکچہ کو اٹھا کر دیکھئے۔ یہ لوگ کس طرح مسلمانوں کے خلاف دہرا گلنے کے ”جہادِ عظیم“ میں مصروفِ تلک و تاز تھے۔ آج یہ لوگ ملت پر اپنے احسان جتاتے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ عوام کا حافظہ بہت کمزور ہوتا ہے اور انہیں تقدس کے جادب نگاہِ نقاب میں جلد فریب دیا جاسکتا ہے۔ لیکن واقعات کو کیاں تک چھپایا جاسکتا ہے اہم اُس جماعت کو دعوت دیتے ہیں کہ اگر ان میں اخلاقی جرأت کی کوئی رقم موجود ہے تو یہ اپنے اس زمانہ کے لڑکچہ کو جب یہ سٹر جنس کی قیادت اور مسلمانوں کے مطالبہ حصولِ پاکستان کی اس طرح مخالفت کیا کرتے تھے، ذرا منظرِ عام پر لائیں اور اس کے بعد قسم سے اپنے ان ”احسانات“ کا معاوضہ مانگیں؟ ان سے اُس زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ بابا! خدا کے لئے اُن تیروں کو اپنے ترکش میں رہنے دو۔ ان سے ملت کا سینہ فگار مت کرو۔ مسلمانوں پر بڑا نازک وقت آپڑا ہے۔ ہندو اور انگریز کی متحدہ قوتیں انہیں ہندوستان سے ختم کر دینے پر تلی ہوئی ہیں۔ یہاں کے مسلمانوں کی قسمت کے فیصلے آئینی بساط پر ہو رہے ہیں۔ انہیں ایک خطہٴ زمین حاصل کر لینے دو۔ اس کے بعد آپ انہیں مسلمان بنالینا۔ لیکن یہ ہر ایک کا مضحکہ اڑاتے اور ایسا کہنے والوں کو اسلام کا بدترین دشمن بتاتے تھے۔ آج یہ لوگ دھڑ دھڑ حاصل کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ:-

ہمارے نزدیک پاکستان کے دفاع کی حیثیت وہی ہے جو اس قطعہٴ زمین

کی حفاظت کی ہوتی ہے جو مسجد بنانے کے لئے حاصل کیا گیا ہو۔

بعض باتیں ان سے اُس وقت کہی جاتی تھیں اور یہ اس کا ہائے قیادت!

مذاق اڑایا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے اعصاب پر جناح کی قیادت کا بھوت اس بُری طرح سوار تھا کہ یہ جوشِ انتقام میں اندھے ہو رہے تھے۔ اگر جناح کی قیادت کی شکست و ریخت میں ساری کی ساری قوم تباہ ہوتی تھی تو بھی انہیں اس میں ذرا سا تامل نہ تھا۔ انہیں مسلمانوں کے خلاف غصہ ہی اس بات پر تھا کہ انہوں نے انہیں چھوڑ کر جناح کو قائد کیوں بنالیا ہے۔ اس جرم کی پاداش میں یہ لوگ مسلمانوں کو انتہائی سزا دینے پر تلے ہوئے تھے۔ وہ تو یوں کہتے کہ یہ کچھ اللہ ہی کو منظور تھا کہ اس نے یہاں کے پانچ چھ کروڑ مسلمانوں کو محفوظ رکھ لیا، ورنہ اس مقدس جماعت نے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے منہم کمر دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ پھر لکھتے ہیں:۔

اسی طرح جب صوبہ سرحد کے باشندوں سے پاکستان اور انڈین یونین میں سے کس ایک کے ساتھ وابستہ ہونے کے بارے میں استصواب کیا گیا تو جماعتِ اسلامی کے کارکنوں نے اپنی آراء پاکستان کے حق میں دیں اور دوسروں کو بھی یہی رہنمائی دی۔

ہیں اس دیدہ دلیری پر بڑی حیرت ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ اُس زمانہ میں جماعتِ اسلامی نے فیصلہ یہ کیا تھا کہ تحریکِ پاکستان میں تعاونِ تعاونِ علی الاشد و العسودان دگاہ اور سرکشی کے کاموں میں معاونت ہے۔

دیدہ دلیری

اس لئے اس جماعت کے افراد کو اس قسم کے استصوابات میں کوئی حصہ نہیں لینا چاہیے۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے استصوابِ سرحد کے سلسلہ میں دارالاسلام میں ان کا ایک اجتماع بھی ہوا تھا جس میں یہی فیصلہ کیا گیا تھا آج ان کی جرأت ملاحظہ فرمائیے کہ وہ استصوابِ سرحد میں کامیابی کا سہرا بھی جماعتِ اسلامی ہی کی رہنمائی کے سر باندھ رہے ہیں۔ کیا جماعتِ اسلامی اپنی کسی قرار داد یا کارکنوں کے نام اپنی کسی ہدایت کو پیش کر سکتی ہے جو اس نے استصوابِ سرحد کے سلسلہ میں پاس کی ہو یا بطور رہنمائی شائع کی ہو؟ بات صاف ہو جائے گی۔ اس کے بعد ارشاد ہے۔

پھر جب تقسیم ملک واقع ہو گئی اور مختلف حال مہاجرین پاکستان آنا شروع ہوئے تو جماعتِ اسلامی کے کارکنوں نے..... (مختلف اکپوں میں مہاجرین کی مختلف خدمات انجام دے کر اس امر کا مظاہرہ کیا کہ اسلام مسلمانوں سے مہاجر مسلمانوں کے لئے کس قسم کی انصاریت کا مطالبہ کرتا ہے۔

غور فرمائیے یہ اُس جماعت کا بیان ہے جس کے ارکان اُس زمانہ میں جب مسلمانوں پر یہ قیامت ٹوٹ رہی تھی ہر جگہ یہ کہتے پھرتے تھے کہ یہ سب کچھ اُس قیادت کی وجہ سے ہوا ہے جس کے خلاف ہم اتنے عرصہ سے مسلمانوں کو متنبہ کرتے چلے آ رہے تھے۔

اس کے بعد تحریر ہے کہ پھر جماعتِ اسلامی نے ”مطالبہ نظام اسلامی“ کے لئے اپنی منظم تحریک بپا کی کہ ”دستور ساز اسمبلی“

قرار دادِ مقاصد

نے ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو اس مطالبہ کو دستوری حیثیت سے تسلیم کر کے وہ قرار دادِ مقاصد پاس کر دی جس کے ہوتے ہوئے کسی غیر اسلامی دستور و نظام کو جاری کرنے کے دستوری راستے بہر حال بند ہیں۔

یعنی قرار دادِ مقاصد بھی اسلامی جماعت ہی کی منظم تحریک کا نتیجہ تھی! ان کے نزدیک

زمین و آسمان میں آج جو حرکت بھی ہو رہی ہے سب اسلامی جماعت کی ”منظم تحریک“ کے صدقے ہو رہی ہے۔ معلوم نہیں یہ خود فریبی ہے یا ابلہ فریبی!

اب وہ منزل سامنے آرہی ہے جس کے لئے یہ سب پاؤں پہلے گئے تھے یعنی حصولِ قیادت کا موقع! چنانچہ ارشاد ہے:-

پھر اس قرارداد مقاصد کے پاس ہونے کے بعد جب جماعت اسلامی نے یہ محسوس کیا کہ اس قرارداد کے تقاضوں کے مطابق ملت میں تبدیلیوں کے ظہور کی آرزو مند ہے اُن کے واقع ہونے میں قسمتی سے اربابِ اقتدار کا وہ گروہ مائل ہے جو اپنے ذہن و سیرت کی مخصوص ساخت کی وجہ سے یہ اہلیت نہیں رکھتا کہ اسلامی نظام کی امامت کا فرض ادا کر سکے تو جماعت نے پورے دلائل کے ساتھ انقلابِ قیادت کی دعوت کو عوام تک پہنچانے کا آغاز کر دیا اب اس انقلابِ قیادت کو اسلام کے منشاء کے مطابق برپا کرنے کے لئے دائرے عامہ کو اسلامی اصولوں کی تربیت دینے کا جو مرحلہ سامنے آگیا ہے اس میں جماعت اسلامی قول و عمل سے شہادتِ حق کا فریضہ انجام دینے لگی ہے۔

اور اس انقلابِ قیادت کو اسلام کے منشاء کے مطابق برپا کرنے کے لئے کیا جائیگا؟
الیکشن لڑا جائے گا!

اب جب کہ ہم نے اپنے حقیر سے سراپا ایمان و اخلاق کو انتخابات میں اسی طرح استعمال کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس طرح پہلے فساد

انتخابات

میں، پھر سرحد کے ریفرنڈم میں، پھر مجاہدین کی بھالی کے کام اور پھر تحریکِ مطالبہ میں اسے استعمال کیا تھا تو ہمیں وہ سارے اہتمام کرنے چاہیں جو اسے صرف

ٹوٹنے سے بچائیں بلکہ اس پر ملک و ملت کو بھی اور خود ہم کو مزید منافع دلائیں۔

(ترجمان القرآن بابت اکتوبر ۱۹۴۹ء)

لیجئے صاحب! اب اس سرمایہ ایمان و اخلاق کو ٹھکانے لگانے کا وقت آگیا ہے جس کے لئے اتنے عرصے سے دوسروں کی قیادت میں کیرے ڈالے جا رہے تھے۔

جماعت اسلامی نے اپنی خدمات اسلامی کی جو تدبیریں تفصیل اور پرکھائی ہیں، اس میں ایک کڑی باقی رہ گئی ہے جس کا ذکر ناگزیر ہے۔ یعنی جب انہوں نے اپنی پیش بہا قربانیوں سے پاکستان و لادیا، عرصہ کے رفیع نڈیم میں اپنی بصیرت افزا رہنمائی سے کامیابی بھی دلا دی۔ اور اپنی جانفروشیوں سے مہاجرین کی بحالی کا مسئلہ بھی حل کر دیا اور اس کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ہندو کے

سب بڑی خدمت

عزائم مشن و مراب کشمیر کے راستے پاکستان کے لئے مستقل خطرہ بن کر سامنے آ رہے ہیں، تو ان کی حیثیت اسلامی پھر جوش میں آئی اور انہوں نے فتویٰ صادر فرمایا کہ کشمیر کی جنگ کوئی اسلامی جنگ نہیں اس لئے اس میں سپاہیوں کی حیثیت سے شرکت جائز نہیں قرار دی جاسکتی اور یہ فتویٰ یہ جانتے ہوئے صادر فرمایا کہ اس سے جنگ کشمیر کو کس قدر نقصان پہنچے گا چنانچہ اس باب میں خود ترجمان القرآن رقمطراز ہے۔

پشاور میں جب سائل نے ان سے (امیر جماعت اسلامی سے) کہا کہ میں تو اس بات (یعنی ان کے فتویٰ) کو شائع کراؤں گا تو مولانا نے ان کو اس حرکت سے باز رہنے کے لئے یہ کہا کہ اس حرکت سے تم جتنا نقصان مجھے پہنچانا چاہتے ہو، اس سے زیادہ نقصان تم جہاد کشمیر کو پہنچاؤ گے۔

ذرا غور فرمائیے حضرت امیر جماعت اسلامی کی اس ”مال اندیشی“ کو وہ یہ جانتے ہیں کہ ان

کا یہ فتویٰ جہاد کشمیر کو کس قدر نقصان پہنچائے گا۔ یعنی بالفاظ دیگر ہندوؤں کو کتنا فائدہ پہنچائے گا، لیکن اس کے باوجود سائل کو یہ فتوے دے دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ تاکید کر دیتے ہیں کہ دیکھنا بھائی! میں نے یہ بات صرف تم ہی سے کہی ہے اسے کسی دوسرے سے نہ کہنا اور اس کے بعد مطمئن ہو جاتے ہیں کہ میں نے اپنا فریضہ دین بھی ادا کر دیا اور ملت کو اس کے مہلک اثرات سے بھی بچا لیا! قربانت شوم۔ کیا سادگی ہے۔ اللہ والوں کی باتیں ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں ارباب جماعت اسلامی سے کہ اگر یہ فتویٰ ایسا تھا کہ اس کی اشاعت سے جہاد کشمیر کو اس قدر نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا تو وہ کون سی مجبوری تھی جس کے ماتحت ان کے امیر نے سائل کو اس زہر کا سراغ دے دیا! اور اگر مجبوری یہ تھی کہ حق بات کو چھپانا گناہ ہے تو پھر جناب امیر نے اس سائل کو اس کی تاکید کیوں کر دی کہ وہ اس حق بات کو آگے نہ پھیلائے۔ اگر یہ بات حق تھی تو اس کا چھپانا سائل کے لئے بھی ایسا ہی گناہ تھا جیسا مودودی صاحب کے لئے۔ اور اگر جہاد کشمیر کو نقصان سے بچانا زیادہ ضروری تھا تو امیر صاحب نے خود اس پر عمل کیوں نہ کیا؟ آگ لگا کر جالودور کھڑی کی کہادت تو عامیانا ہے لیکن ہے کس قدر جربہ سائل سے ایسی خطرناک بات بھی کہہ دیتے ہیں اور اس کے بعد نہایت معصومیت سے فرماتے ہیں کہ میں نے تو اس کے ساتھ ہی کہہ دیا تھا کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ لہذا جہاد کشمیر کو نقصان پہنچانے کا ذمہ دار سائل ہے یہ ہیں تھوڑا ہوں؟

یہ ہے وہ خدمتِ جلیلہ جس کا ذکر ترجمان القرآن نے اپنی فہرستِ خدمات میں نہیں کیا، یعنی ایک اس بات کا کہ جماعت اسلامی نے پاکستان بننے سے پہلے پاکستان کے خلاف کس قدر زہر اگلا اور دوسرے یہ کہ جب ان کی مخالفتوں کے علی الرغم پاکستان بن گیا

تو انہوں نے مسئلہ کشمیر کے راستے اس کے لئے خطرات پیدا کرنے کے لئے کیا کچھ کیا
 یہ ہے وہ جماعت جو اپنے ”سرمایہ ایمان و اخلاق“ کو لئے کر الیکشن لڑنے کے لئے
 میدان میں آ رہی ہے! ہم حیران ہیں کہ مسلمان کس قدر سادہ لوح واقع ہوئے ہیں جو ایسے
 کھلے ہوئے حقائق کو بھی آنکھوں سے اوجھل کر دیتا ہے لیکن اس میں مسلمان بیچارہ کیا
 کرے جو فتنہ تقدیس کی راہوں سے کھڑا کیا جاتا ہے، اُس کی رو میں بڑے بڑے بہر
 جلتے ہیں یہ وہ جماعت ہے جو غیر صالح قیادت کے خلاف بڑے شدید سے یہ
 الزام دھرتی رہی کہ یہ لوگ ان سنا مہم کے لئے امتیادار بن کر آگے آئے ہیں، حالانکہ
 اسلام میں کسی ایسے شخص کو منصب نہیں دیا جاسکتا جو اس کے لئے امتیادار ہوا اور
 اس کی سندیں رسول اللہ کی یہ حدیث بڑے زور و شور سے پیش کرتی رہی کہ :-
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اَنَا وَاللَّهِ لَا تُولٰٓئِیْ عَلٰی هٰذَا الْعَمَلِ اِحْدَا سَمَلَه

اِحْدَا سَمَلَه اَحْرَصَ عَلَیْهِ۔ (صحیح مسلم)

حضور نے فرمایا کہ ہم بخدا یہ منصب حکومت کسی ایسے شخص کے حوالے نہیں کر
 سکتے جو اس کے لئے درخواست کرے یا اس کا طالب ہو۔

اب یہی جماعت، الیکشن میں اپنے امتیادار کھڑے کرے گی اور اس کا یہ عمل نہ اسلام
 کے اصول انتخاب کے خلاف جائے گا نہ رسول اللہ کے ارشاد گرامی کے خلاف۔ یہ ہے
 ”ضالین کی وہ جماعت“ جو انقلاب قیادت برپا کرنے کے لئے نیزوں پر قرآن لٹکا کر میدان
 میں آ رہی ہے۔

طلوع اسلام کی نہ کوئی اپنی پارٹی ہے نہ اس کا کوئی امتیادار۔ اس لئے ہم جو کچھ کہہ
 رہے ہیں وہ الیکشن جیتنے کے لئے نہیں کہہ رہے ہیں۔ ہم مسلمانوں سے اتنا کہنا

چاہتے ہیں کہ اگر وہ تقویٰ اور تقدس کے نعروں سے متاثر ہو کر ان لوگوں کی تائید کرنے لگ گئے، تو دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہو کر رہے گی۔

اپنا اقتدار

اگر حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں آگئی تو پاکستان پر پیشوائیت (THEOCRACY) کی وہ لعنت مسلط ہو جائے گی جسے اسلام ملنے کے لئے آیا تھا۔ اور اگر ان لوگوں نے دیکھا کہ تمام اقتدار ان کے ہاتھ سے نکلے جا رہی ہے تو یہ پورے پاکستان کو تباہ کر دینے میں ذرا بھی دریغ نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ ان کے پیش نظر محض اپنا ذاتی اقتدار ہے اور بس۔ نہ یہ پاکستان کے حامی ہیں نہ مسلمانوں کے ہمدرد۔ پاکستان کی حمایت اس لئے ہو رہی ہے کہ اس میں انہیں اپنا اقتدار قائم کرنے کے مواقع نظر آتے ہیں اگر انہیں یقین ہو گیا کہ اس میں ان کا اقتدار قائم نہیں ہو سکتا، تو جس طرح یہ لوگ جناح کی قیادت کی شکست و ریخت میں پورا زور لگا رہے تھے اسی طرح پاکستان کی تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔ اللہ قوم کو ان مقدس فتنوں سے محفوظ رکھے۔

تعمیرِ سیرت ہیں لیکشن

سرمایہ داری کا نظام

جولائی ۱۹۵۰ء

ہیں قارئینِ طلوعِ اسلام کی طرف سے استفسارات موصول ہو رہے ہیں کہ جب جماعتِ اسلامی بھی ملک میں قانونِ شریعت کا نفاذ چاہتی ہے اور طلوعِ اسلام کا مسلک بھی یہی ہے، تو پھر طلوعِ اسلام، جماعتِ اسلامی کی مخالفت کیوں کرتا ہے۔ اس موضوع پر ہم اس سے پہلے طلوعِ اسلام کی دو تین اشاعتوں میں اپنے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں لیکن ان استفسارات سے مُترشح ہوتا ہے کہ اس باب میں مزید تصریح کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے یہ کہا جاتا ہے کہ جماعتِ اسلامی احيائے دین کی مدعی ہے اس لئے اس کی مخالفت درست نہیں۔ لیکن

دعویٰ سے کیا ہوتا ہے

سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا کسی فرد یا جماعت کا یہ دعویٰ کہ وہ دین کا احیاء یا قانونِ شریعت کا نفاذ چاہتی ہے، تنہا اس امر کی دلیل بن سکتا ہے کہ اس فرد یا جماعت کی مخالفت دین اور شریعت کی مخالفت ہے؟ قرنِ اول سے آج تک مسلمانوں کی تاریخ پر غور کیجئے۔ کتنے فتنے تھے جو خود مسلمانوں میں سے اسلام کی تخریب کے لئے اٹھے۔ کیا ان میں کوئی

جی ایسا نہ تھا جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ میں دین کو مٹانے یا شریعت کو نیست و نابود کرنے کے لیے میدان میں آیا ہوں۔ اُن میں سے ہر ایک یہی دعویٰ لے کر اٹھا تھا کہ وہ دین کے احیاء اور شریعت کے نفاذ کے لیے مصروفِ سعی و عمل ہیں۔ مسلمانوں کا ہر فرقہ اسی دعوے کی بنیاد پر قائم تھا اور اسی دعوت کے سہارے کھڑا ہوا۔ اور تو اور مدعیانِ نبوت تک نے یہ نہیں کہا کہ اسلام کو مٹانے اور شریعت کو تباہ کرنے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں وہ بھی اُٹھے تو بنادِ نماز ہوئے گویا وہ قوم کے درد میں ڈوبا جا رہا ہے، اور یہ کہتے ہوئے کہ وہ تجھ پر دین اور احیائے شریعت کے لئے مامور ہوئے ہیں۔ ان حالات کے ماتحت کسی جماعت کے رہبر حق ہونے کے لئے محض یہ دلیل کہ اس کا دعویٰ شریعت کا نفاذ ہے کچھ وزن نہیں کھتی۔ دیکھنا یہ ہو گا کہ وہ کون سی شریعت ہے جس کا نفاذ وہ چاہتی ہے اور وہ کیا مقصد ہے جس کے لئے وہ تحریک کو آگے بڑھا رہی ہے۔

جماعتِ اسلامی کی تحریک کا آغاز اس دعوے سے ہوا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان صرف پیدائشی مسلمان ہیں انہیں صحیح معنوں میں مسلمان بننے کے لئے جماعتِ اسلامی کے امیر کے ہاتھ پر تجدیدِ ایمانی کرنی چاہیے۔ چنانچہ اس جماعت کے پہلے اجتماع میں اس تجدیدِ ایمان کا مظاہرہ بھی کیا گیا اس سے واضح ہے کہ اس جماعت کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کے اراکین یا کم از کم اس کے اربابِ بےست و کشادہ تھے معنوں میں مسلمان ہیں اور ان کی زندگی وہ معیار ہے جس پر ہر سچے مسلمان کو پورا اترنا چاہیے۔ چنانچہ جماعتِ اسلامی بار بار اس دعویٰ کو دہراتی رہتی ہے کہ اس کی قیادت بہترین افراد کے ہاتھوں میں ہے۔ یہاں تک کہ اس جماعت کے ایک مؤید علی

نے یہ بھی لکھا تھا کہ ابوالاعلیٰ مودودی صاحبؒ اپنے آپ کو چالیس کروڑ مسلمانوں میں تنہا پاتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کی معیاری زندگی کے مضمیوں میں کم از کم دیانت تو ضرور ہونی چاہیے اب یہ دیکھئے کہ اس اعتبار سے حقائق ہیں کس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں۔

اس حقیقت سے کون بے خبر ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے جماعت اسلامی تحریک پاکستان کو غیر اسلامی تحریک قرار دیتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اس تحریک میں چھوٹے سے چھوٹے تعاون کو بھی تعاون علی الاثم والعدوان (گناہ اور معصیت کے کاموں میں معاونت) تصور کرتی تھی چنانچہ یہ جماعت آخر تک تحریک پاکستان کی شدت سے مخالفت کرتی رہی لیکن پاکستان بننے کے بعد ہی جماعت اپنے آپ کو پاکستان کی سچی بھی خواہ بتا رہی ہے۔ ترجمان القرآن بابت مارچ ۱۹۵۷ء کے ارشاد کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے ”پاکستان کے تین سچے بھی خواہ جو تحریک امامت دین کی سربراہ کاری کے جرم میں حوالہ نڈاں کئے گئے تھے پاکستان کے تین سچے بھی خواہ ابوالاعلیٰ مودودی، امین احسن صاحب اسلامی اور میاں طفیل

محمد ہیں) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو تحریک ابھی کل تک خلاف اسلام قرار دی جا رہی تھی وہ اپنی کامیابی کے بعد کس طرح سے عین اسلام قرار پائی؟ وہی پاکستان جسے اُس وقت مزہر ملاحلوہؒ ”کہا جاتا تھا اپنے قیام کے بعد کس طرح منزل من اللہ مائدہ بن گیا جو خاص طور پر مقدسین کے اس طائفہ کے لئے آسمان سارا ہے اور جسے کسی غیر مقدس“ کو چھوئے تک کی اجازت نہیں دی جا رہی کیا دیانتداری اسی کا نام ہے؟

اور آگے بڑھیئے۔ پاکستان کی مخالفت میں یہ جماعت
پاکستان کی مخالفت
 دلیل یہ لایا کرتی تھی کہ مسلمانوں کو اپنی تعمیرِ مہرت اور

تظہیر کردار کی فکر کرنی چاہیے۔ جب یہ ہو جائے گا تو سلطنت خود بخود ان کے پاؤں چرے گی۔ اس کے جواب میں ان سے کہا جاتا تھا کہ خارجی حوادث اور جنگی واقعات سے حالات ایسے پیدا ہو رہے ہیں کہ ہندوستان سے انگریزی حکومت کی بسلطنتی جارہی ہے اور اس کی جگہ ہندوؤں کی حکومت کی بسلطنت کے ساتھ بچھتی جارہی ہے۔ اگر مسلمانوں نے اس وقت اپنی جلا گانہ آزادی کے لئے جدوجہد نہ کی یا اس میں تساہل برتا تو انہیں صدیوں تک ہندوؤں کا غلام رہنا پڑے گا۔ اس لئے حالات کی تبدیلی کی بناء پر یہ ضروری ہے کہ حصول پاکستان کی تحریک کو کامیاب بنایا جائے۔ جب اپنی حکومت قائم ہو جائے گی تو تعمیر سیرت اور تظہیر کردار کے لئے تمام اسباب میسر ہو جائیں گے۔ اُس وقت پورے اطمینان کے ساتھ یہ سب کچھ کیا جاسکے گا۔ اس پر ان کا جواب یہ تھا کہ تعمیر سیرت کے بغیر مسلمانوں کی آزادی اور ہندوؤں کی غلامی برابر ہے۔ اس لئے اصل کام تعمیر سیرت ہے جس کے بغیر سیاسی جدوجہد میں حصہ لینا گناہ کاکام ہے۔ یہ تھا اُن معیاری مسلمانوں کا مسلک قیام پاکستان سے قبل حصول پاکستان کے بعد یہ خود عملی سیاست کے میدان میں اتر آئے اور سانیٹر حکومت و اقتدار پر متمکن ہونے کے لئے پورے جذب و انہماک سے مصروف عمل ہو گئے کسی نے ان پر اعتراض کیا ہے کہ جماعت اسلامی کا اصلی کام تو تعمیر سیرت تھا یہ مسلمان پاکستان کی سیرت کی تبدیلی کے کاموں کو چھوڑ کر انتخابی مہموں کے پیچھے کیوں پڑ گئی؟ اس کے جواب میں ترجمان القرآن بابت جون ۱۹۵۵ء کے اشارات میں لفظاً انطاویؒ کچھ کہا گیا ہے جو تحریک پاکستان کے حوالہ سے پہلے کہا کرتے تھے۔ چند فقرے انہیں کے الفاظ میں

تعمیر سیرت نہیں، الیکشن

دیکھئے فرماتے ہیں:-

جماعت اسلامی ابتدائی تیاری (یعنی تعمیر سیرت) کے دور کو مبارک ناما چاہتی تھی لیکن حالات نے اس کا ہاتھ کھڑکڑا کر اسے میدانِ کاری میں طلب کر لیا ہے۔ ہمارے ماحول میں اسلامی اور غیر اسلامی فکر کے درمیان جو آویزش دہی مچی چلی آرہی تھی، وہ تقسیم ہند سے قبل ہی خاصی تیز ہو چکی تھی لیکن آزادی اور تقسیم ہند کے بعد وہ معاً انتہائی اشتعال پر پہنچ گئی۔ اب جب کہ حالات بتا رہے تھے کہ اس کشمکش کا فیصلہ ادھر یا ادھر بہت جلد ہو جائے گا تو اللہ نے اور آزادی کے بعد کے ابتدائی پانچ سال دیا زیادہ سے زیادہ دس سال اسلام کے لئے بالکل فیصلہ کن ہیں، تو جماعت اسلامی کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ ہمہ تن معشوق بنے اور بے خطر آتشِ نمرود میں کود جائے اور اس موقع پر عقل کو غور و تماشا لئے لبِ بام چھوڑنے کے علاوہ کوئی دوسری صورت تھی ہی نہیں۔ تاریخ ہماری آنکھوں کے سامنے ایک انتہائی اہم موڑ طے کرنے والی ہے اور اگر اسے غلط راستے پر جانے سے روکنے کے لئے فوراً ہی ایک منظم قوت اس کے اگلے ذائقے، تو پھر یہ دریا الیاد کے رخ بہ جانے کے بعد جب بھگنارے کاٹا ہوا اپنی رود گاہ کو گہرا اور اپنے پلٹ کو چوڑا کر چکے گا تو پھر اسے ایک نئی سمت میں موڑنا دنیا کا ایک عاں کام ہو گا یہ اللہ کا احسان ہے کہ جماعت اسلامی کے راہنماؤں نے اپنے ماحول، اپنی حریف طاقتوں، اپنے دور کی تاریخ، اور اپنے وقت کے تقاضوں سے آنکھیں بند کر کے زمینِ جنبہ نہ جنبہ گل محمدؐ کا ڈھنگ اختیار نہیں کیا کہ چاہے تمدن اور سیاست کی ساری بازی شاطر الحاد جیت جائے لیکن وہ ایک گوشے میں بیٹھے تعمیر سیرت کے کام میں لگے رہیں۔ جب اسلام دشمن طاقتیں زندگی کے حرم کے دروازے توڑ کر اس پر اپنا جھنڈا لہرانے کے لئے آخری ہل بول رہی ہوں

توان لوگوں کی میرٹیں اور تقویٰ کس کام کا، جو اپنی جانوں کو بچانے کے لئے گھروں کے دروازے بند رکئے بیٹھے رہیں۔

جماعت اسلامی کے اس مسلک اور اس مسلک کی تائید میں ان کے پیش کردہ دلائل کو غور سے دیکھئے اور پھر ایک مرتبہ چھپے مگر اس پر نظر ڈالئے کہ جب معمول پاکستان کی تحریک کے دوران میں ان لوگوں سے یہی کچھ کہا جاتا تھا تو وہ اس قسم کے مسلک کو کس قدر غیر اسلامی اور اس قسم کے دلائل کو کس قدر پر فریب بنایا کرتے تھے۔ ان کے نزدیک خواہ سارے کے سارے مسلمان ہندوؤں کی غلامی میں جکڑے جاتے لیکن تعمیر سیرت کا کام ٹوٹا نہیں قرار دیا جاسکتا تھا۔ لیکن آج جب ہوس اقتدار انہیں ایکشن لڑنے کے لئے کشاں کشاں لے آ رہی ہے تو تعمیر سیرت کے کام کو چھوڑ کر میدان سیاست میں ان کا ہر قدم اسوۂ ابراہیم کے اتباع میں ہر تن ہشتی بن جاتا ہے اور تعمیر سیرت کے عقلی تقاضوں کو بے محابا غور تماشائے لب بام چھوٹ دیا جاتا ہے۔ یہ ہے دیانتداری سے مفہوم جماعت اسلامی کی لغت میں!

اور رنگ بدلا ایک قدم اور آگے بڑھیے جماعت اسلامی، غیر اسلامی حکومت کی عدالتوں کی طرف رجوع کرنے کو حکم الی الطاعت دینے اپنے مقدمات کے فیصلوں کے لئے غیر خدائی قانون کی طرف رخ کرنا قرار دیا کرتی تھی اور اپنے اس ”تقویٰ“ کے اظہار میں اس درجہ شدت برتی تھی کہ عدالتی کاروبار سے متعلق ملازمتوں تک کو حرام کی روزی قرار دیتی تھی۔ پاکستان میں ابھی تک وہی عدالتی نظام کارفرما ہے جسے یہ جماعت طاغوتی نظام کہا کرتی تھی لیکن اب اسی جماعت کی حالت یہ ہے کہ مودودی صاحب اور ان کے دور فقائے کار کی نظر بندی کے سلسلے میں ان کا مسلسل تقاضا یہ رہا کہ

حکومت ان کے خلاف سوچ کر سخت جرم عاید کرے اور پھر اسے باقاعدہ عدالت

کے سامنے لائے جو ملزم کو جواب دہی پیش کرنے کا پورا پورا موقع دے اور پھر پبلک لاڈ کے ماتحت معاملہ کا باقاعدہ فیصلہ ہو۔

(ترجمان القرآن بابت مارچ ۱۹۵۷ء)

”باقاعدہ عدالت کی تصریح کرتے ہوئے ترجمان القرآن نے لکھا ہے کہ سیفی ایکٹ اور سیفی آرڈیننس کے ماتحت کارروائی، باقاعدہ عدالتی کارروائی نہیں کہلا سکتی۔ باقاعدہ عدالت وہ ہے جو عام قانون کے ماتحت عدالت کی حیثیت رکھتی ہے۔

خود مودودی صاحب نے اپنی پچھلی پریس کانفرنس میں موجودہ حکومت پاکستان کو غیر اسلامی قرار دیا ہے۔ لہذا اس حکومت کا عدالتی نظام وہی طاغوتی نظام ہے جس کی طرف رجوع کرنے کو دوسروں کے لئے کفر کا موجب بتایا جاتا ہے۔ لیکن جب معاملہ خود اپنی ذات کا اپڑا تو بار بار تقاضا کیا جاتا رہا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ اسی طاغوتی عدالت سے ہونا چاہیئے۔ اور وہ بھی قرآنی قانون کے ماتحت نہیں، بلکہ موجودہ پبلک لاڈ کے ماتحت۔

یہ ہے وہ جماعت جس کا دعویٰ یہ ہے کہ ان کی زندگیوں نے عہدِ صحابہؓ کے سچے اسلام کے نمونوں کو دوبارہ اجاگر کر دیا ہے۔

ایک قدم اور بھی آگے بڑھے آپ جماعتِ اسلامی کے لڑکچہ کو دیکھیے اس میں ایک ایک صفحہ پر آپ کو کتابِ سنت کی طرف دعوت، اور اطاعتِ خدا اور رسول کی طرف رجعت کا بلند آہنگ دعویٰ ملے گا۔ سنت یا اطاعتِ رسول سے ان کی مراد یہ ہے کہ جو کچھ احادیثِ نبوی صلعم میں درج ہے اس کی اطاعت عین دین ہے۔ چنانچہ یہ ہر اُس فرد یا جماعت کے

خلاف جہاد کا اعلان کرتے رہتے ہیں جو روایات کو قرآنی روشنی میں پرکھنے کی جرأت رکھتا ہو۔ اپنے

زمینداری عین اسلام ہے

اس مسلک سے یہ لوگ ظاہر یہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم ہمہ تن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ یہ دعویٰ ہے اور دوسری طرف حالت یہ ہے کہ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ایکشن لڑنے کے لئے جاگیرداروں اور زمینداروں سے ساز باز ضروری ہے، تو جاگیرداری اور زمین داری کو عین اسلام بتانے کے لئے کتابوں پر کتہ میں مکھ ماریں۔ قرآن تو ان لوگوں کے نزدیک دین میں سند کی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔ اصلی سند میں احادیث۔ لیکن بد قسمتی سے ایسی احادیث بھی موجود ہیں جو زمین کو بٹائی پر دینے کی مخالفت کرتی ہیں یہ مقام ذرا دشوار گزار ہے، قرآن سے بھاگ کر روایات کے دامن میں پناہ لینے کیلئے آئے لیکن دیکھا کہ زمینداری کے جواز میں یہاں بھی پناہ نہیں مل سکتی۔ آپ متعجب ہوں گے کہ اہل سنت کے یہ مدعی اب کون سی راہ فرار اپنے لئے پائیں گے لیکن اس میں تعجب کی کوئی بات ہی نہیں، جن کے نزدیک مذہب صرف ایک ذریعہ ہر حصول مقصد کا ان کے لئے گریز کے ہزاروں دروازے کھلے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جناب امیر جماعت اسلامی نے نہایت مجتہدانہ شان سے فرمادیا کہ ان احادیث میں

واصل بن صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ اور تھا اور وہ روایات میں کسی اور طرح بیان ہو گیا۔

ان روایات کے راوی صحابہ رضی اللہ عنہم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مودودی صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ یا تو یہ صحابہ ارشاد و رسالت مآب کو صحیح طور پر سمجھ ہی نہ سکے اور یا (معاذ اللہ) انہوں نے فاسق کچھ کا کچھ دعایت کر دیا۔ آپ شاید یہ سوال کریں کہ خود مودودی صاحب کو اس کا علم کیسے ہو گیا کہ رسول اللہ نے کچھ اور ارشاد فرمایا تھا۔ لیکن اس کا جواب تو بڑا آسان ہے۔ مودودی صاحب ما شاہ اللہ خود ستید ہیں۔ اس لئے یہ باقی تو ان کے اپنے گھر سے کی ہیں۔ ستید ابوالاعلیٰ صحیح طور پر نہ جانیں تو اور کون جلنے لگا؟ اتنا ہی نہیں بلکہ حدیث کے

ہائے میں ان کا مسلک یہ بھی ہے کہ :-

روایات کے باب میں محدثین کا مستند ہونا یہ معنی کب رکھتا ہے کہ جن امور کا تعلق عقل، درایت اور فہم و استنباط سے ہے ان میں بھی وہ بالکل معتمد سمجھے جائیں۔
یعنی جب قرآن اپنے مقصد کے خلاف جائے تو کہہ دیا کہ قرآن کا صحیح مفہوم احادیث میں مل سکتا ہے اور جب احادیث اپنے مطلب کے خلاف جائیں تو کہہ دیا کہ نامعلوم رسول اللہ نے کیا ارشاد فرمایا اور صحابہ نے کیا روایت کر دیا۔ اور اگر کسی نے کسی روایت کا مستند ہونا ثابت کر دیا تو کہہ دیا کہ ہمارا استنباط ان کی سند کو منسوخ کرتا ہے۔

یہ ہے مقام امیر جماعت اسلامی کا! سبحان اللہ! اعظم شانہ و
یہ ہیں چند مثالیں ان لوگوں کی دیانت کی جن کا دعویٰ یہ ہے کہ ان کی زندگی اسلام کی معیاری
زندگی ہے اور پیدائشی مسلمانوں کو ان کے ہاتھ پر تجدید ایمان کرنی چاہیئے۔ اگر صرف
پاکستان کی تائید اور مخالفت کے معیار پر ہی دیکھا جائے تو ان لوگوں سے زیادہ اپنے
قول کے پکے تو وہ نیشنلسٹ مسلمان ہیں جو پاکستان کی مخالفت کرتے رہے اور آج
بھی ہندوستان ہی میں ہندی قوم کے افراد کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آج
العاکلام آزاد اور حسین احمد مدنی پاکستان کے مسلمانوں کو وہ فریب نہیں دے سکتے جو
جماعت اسلامی کے یہ نقاب پوش ناصحینِ مُشَفِّق دے رہے ہیں۔ اسی لئے تو قرآن مفاد
پرستوں کو جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں جگہ دیتا ہے۔

فتاویٰ رضویہ ص ۱۳۴

لے احادیث کے بارے میں موردی صاحب کے اس فیصلے کے متعلق کہ انہیں ایک مزاج شناسِ رسول
ہی پرکھ سکتا ہے، (باب سوم اور پنجم دیکھئے)

جماعت اسلامی کا اسلامی نظام | یہاں تک تو ہم نے یہ بتایا ہے کہ جماعت اسلامی اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کس حد تک

دیانت کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ اب دوسری چیز یہ دیکھنے کی ہے کہ جس اسلامی نظام کے قیام کی مدد ہے وہ نظام ہے کیا؟ طلوع اسلام کے صفحات میں یہ حقیقت متعذر و بار دہرائی جا چکی ہے کہ ہمارا موجودہ مذہب جو ظلمات کے آسروں پر قائم ہے، ہمارے دورِ ملکیت کی پیداوار ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح شخصی اجارہ داریوں کو قائم رکھا جائے۔ ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ شخصی اجارہ داریاں قائم نہیں رہ سکتیں تاوقتیکہ انہیں اور بابِ مذہب کی تائید حاصل نہ ہو جس طرح روم کے قیصر کے لئے پوپ کی ضرورت تھی اور ہندوستانی راجاؤں کے لئے برہمنوں کی، اسی طرح مسلمان بادشاہوں، نوابوں، جاگیرداروں، زمینداروں اور سرمایہ داروں کے لئے عراب و منبر سے تائید کی ضرورت تھی۔ یہ ہماری بد بختی ہے کہ آج جب کہ ساری دنیا رفتہ رفتہ زمانہ کے تقاضوں سے عبور ہو کر ملکیت کی لعنت کو جسیر انسانیت سے الگ کر چکی ہے یا الگ کرنے کے لئے کوشاں ہے، ملکیت اپنے تمام استبداد و قہرمانیت کے ساتھ اگر کہیں مسلط ہے تو مسلمانوں کے ملکوں میں پاکستان کی مملکت نئی نئی وجود میں آئی ہے لہذا یہاں توقع کی جاسکتی ہے کہ ملکیت کی لعنت اس پر مسلط نہیں ہوگی لیکن جماعت اسلامی ایک عجیب فریب انگیز انداز میں شخصی اجارہ داریوں کی لعنت کو پاکستان پر مسلط کرنے کے درپے ہے۔ بظاہر دیکھئے تو ملازم کے دشمن، لیکن ذرا تغلب سرکا کر جھانکیئے تو وہی ملکیت کے قائم کرنے والے متشدد و ملامت پر ظاہر کرنے کے لئے کہ ہم قدامت پرست ملا نہیں بلکہ ماڈرن لیڈر ہیں، انہوں نے انگریزی کے چند الفاظ یاد کر رکھے ہیں اور موقع بے موقع انہیں کو دہراتے رہتے ہیں ملکیت

کی لعنت کو پاکستان پر مسلط کرنے میں ان کی دو اغراض پوشیدہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں ان کا ذاتی فائدہ ہے کہ جو جماعت شخصی اجارہ داریوں کو قائم رکھے گی، شخصی اجارہ داری بہر حال، اس کا معاوضہ دے گی اور دوسرے یہ کہ پاکستان کے قیام اور تشکیل کے خلاف جو جذبات مخالفت ان کے سینے میں دس سال تک موجزن رہے ہیں وہ انہیں آج بھی رہ رہ کر اگسا رہے ہیں کہ پاکستان کو ایک ایسی مملکت نہ بننے دیا جائے جس سے یہ دنیا میں سر اُٹھا کر کے چل سکے یہ لوگ چاہتے ہیں کہ پاکستان بھی افغانستان، عرب، ایران وغیرہ کی طرح ملاؤں کے قبضہ میں جکڑا رہے اور اس طرح دنیا کی زندہ قوموں کے رحم و کرم پر اپنی زندگی کے دن گزارے قرآن مجید کی شخصی اجارہ داری اور سرمایہ داری کے خلاف

سرمایہ داری کا نظام

ایک برہنہ شمشیر تھا اس نے دنیا میں سب سے پہلے ایک ایسا معاشرتی نظام قائم کیا جس میں نہ کوئی شخص کسی دوسرے کا محکوم تھا نہ محتاج، زمین اور اس کے تمام خزانے، آسمان اور اس کی تمام برکتیں، بالفاظ دیگر خدا کی ربوبیت عامہ کے تمام وسائل اور ذرائع، ہر انسان کے لئے یکساں طور پر کھلے تھے، جن سے وہ اپنی مہمزملاحتیوں کی کامل نشوونما کر سکے اور اس طرح نوع انسانی شرف انسانیت کے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی اقطار السموات والارض سے بھی بلند ہو جائے کہ یہی قرآن کا مقصود اور اسلامی نظام سے مفہوم تھا لیکن ملوکیت کی اجارہ داریوں نے مذہبی آسروں کی بدولت وسائل و ذرائع ربوبیت کو پھر شخصی ملکیتوں میں لے لیا اور اس طرح رزق کے سرچشموں پر قابض ہو کر دوسرے انسانوں کو اپنی ہوسناکیوں کا آلہ کار بننے پر مجبور کر دیا یاد رہے کہ ملوکیت سے مراد صرف بادشاہت ہی نہیں، اس کا مفہوم اس سے وسیع تر ہے۔ ہر وہ نظام جو رزق کے سرچشموں کو انفرادی ملکیت میں دے دیتا ہے یا ایسے نظام زندگی کی حمایت کرتا ہے، نظام

ملکیت کے دائرہ میں شامل ہے خلوہ وہ فقوڑ و خاقان ہو یا گاؤں کا بسوہ دار یا ان کی حمایت کرنے والا پاکستان میں قرآنی نظام کے نفاذ کا مطالبہ اسی مقصود کو لئے ہوئے ہے کہ اللہ نے جب ہمیں یہ امکانی قوت عطا کی ہے کہ ہم اس سرزمین میں جس قسم کا معاشرتی نظام چاہیں قائم کر لیں تو یہاں وہی نظام ربوبیت قائم ہونا چاہیے جس میں انسانیت نہ اجارہ داروں کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہو اور نہ ان کے حملہ تیوں کی تسبیحوں کے تانگوں میں پروٹی ہوئی۔ یہ نظام ہر قسم کے سرمایہ دہ اور اس کے حمایتی کے لئے پیغام موت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے جاگیردار اور زمیندار یا تو بلا واسطہ اس کی علانیہ مخالفت کر رہے ہیں اور یا بالواسطہ مخالفت کے لئے اپنے حمایتی ڈھونڈ رہے ہیں جماعت اسلامی پاکستان کی مخالفت کی وجہ سے بدنام ہو چکی ہے۔ اس لئے وہ بھی اس تلاش میں تھی کہ انہیں حصولِ صلح کے لئے کہیں سے تقویت کا سامان مل جائے۔ یہی وہ تعلق بنے ہوئے ہیں جہاں ملکیت اور ملائیت میں سمجھوتہ ہوا کرتا ہے۔ آئے دالے انتخابات نے اس کے لئے اور بھی فضا سازگار کردی اور سمجھوتہ عمل میں آگیا۔ چنانچہ جماعت اسلامی جاگیرداری اور زمینداری کو عین کتاب و سنت کے مطابق ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے اور اس کا نام رکھ رہی ہے اہلئے دین اور قانون شریعت کا نفاذ۔

اسے گھر کی قیامت دہرائی سرزخاک
سربراہ روای قیامت درمیانِ خلق ہیں
اے اس پڑھو یہ کہ اپنے آپ کو یہ جماعت سرمایہ داری اور جامد مذہبیت کی مخالف قرار دیتی
ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب اودان کے فقدان کی نظر بندی کے سلسلے میں ترجمان القرآن بابت
مارچ ۱۹۵۵ء کے اشادات میں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

خدا کے دین کو ایک نظام زندگی کی حیثیت سے قائم کرنے کا علم جب بھی کسی

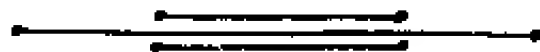
بندہ حق نے اٹھایا ہے تو اس کا راستہ روکنے کے لئے حکومت ہر ماہ داری اور جامع مذہبیت کی مختلف طاقتیں دوش بدوش کھڑی ہو گئی ہیں۔

کتنا بڑا ہے یہ فریب جو بھولے بھالے مسلمانوں کو دیا جا رہا ہے۔

یہ بھی مختصر الفاظ میں وہ وجوہات جن کی بنا پر طلوع اسلام، جماعت اسلامی کے مسلک کی مخالفت کرتا ہے۔ ہم اس باب میں صرف اتنا گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ آپ مخالفت اور موافقت کے تمام تاثرات سے الگ ہٹ کر ان تصریحات پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے جو سطور بالا میں پیش کی گئی ہیں اور اس کے بعد سوچئے کہ کیا کوئی ایسا مسلمان جو مفاد پرستی کے جذبات سے الگ ہو کر اپنا لامحہ عمل قرآن کی روشنی میں متعین کرنا چاہتا ہو کسی صورت میں بھی جماعت اسلامی کے مسلک کی تائید کر سکتا ہے؟ اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے ابابہ اقتدار اور اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کی زندگیوں میں جماعت اسلامی کو اپنے حق میں پروپیگنڈہ کرنے کے لئے بہت سلسلہ عمل جاتا ہے۔ طلوع اسلام خود ان لوگوں کی ہیج زندگی کے خلاف سر تاپا صدائے احتجاج ہے لیکن اصل سوال تو یہ ہے کہ ہم موجودہ بساط کی جگہ جو نئی بساط بچھنا چاہتے ہیں، وہ کیسی ہے۔ طلوع اسلام خالص قرآنی نظام ربوبیت کے نفاذ کا مدعی ہے۔ جماعت اسلامی اس کے برعکس شخصی اجارہ داری اور اس اجارہ داری سے وابستہ عیش پرستیوں کے لئے شرعی جواز کی سندیں مہیا کرنے اور انسان کی فکری صلاحیتوں

نے جماعت اسلامی غلامی کو عین شریعت کے مطابق بتاتی ہے۔ چنانچہ طلوع اسلام میں مودودی صاحب کا وہ مضمون شایع ہو چکا ہے جس میں انہوں نے جنگ کے قیدیوں کو غلام اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنا کر باقیہ تعداد امراء کے محلات میں داخل کرنے کو شریعت حقد کے

کو معطل کر دینے والی ملائیت کے نظام کو مستطوط کر دینے کے لئے کوشاں ہے اور اس کا نام انہوں نے رکھا ہے نظام اسلامی اور قانون شریعت۔ اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ اس نظام کو اسلام سے کیا واسطہ ہے اور طلوع اسلام کس طرح اس نظام اور اسے اسلامی کہہ کر پیش کرنے والوں کی حمایت کر سکتا ہے۔



تقاضوں میں سے بتایا تھا اور ملوکیت کی اس ہوس پرستانہ لعنت کو اسلام کیلئے وجہ خیر قرار دیا تھا۔ یہ مضمون مبین اہم عنوان کے نام سے الگ کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

انتخابی مہمات

(دسمبر ۱۹۵۷ء)

پنجاب میں جوں جوں انتخابات کا زمانہ قریب آتا جاتا ہے، انتخابی اگھاڑے میں شریک ہونے والی پارٹیاں اپنی اپنی کوششوں میں تیز تر ہوتی جا رہی ہیں۔ ہر پارٹی اپنی خدماتِ جلیلہ کے مندر اس طرح دوسروں کے حضور پیش کر رہی ہے، جیسے انگریزوں کے زمانے میں گاؤں کے سفید پوش ڈپٹی کمشنروں کے سٹیفٹیکٹ یا بعض اوقات اپنی بھیجی ہوئی پٹھنیوں کی سیدی فرام کرانے کے لئے پھر کر تے تھے۔ اس تیز خرابی میں اسلامی جماعت بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ ان کے من میں ایک چور ہے۔ انہیں یہ کھٹکا ہے کہ لوگ یہ اعتراض کریں گے کہ تم ساری عمر پاکستان کی مخالفت کرتے رہے، تقسیم ہند تک اس تجویز میں کیرے ڈالتے رہے اور آج تم پاکستان کے سب سے بڑے حامی بن کر پاکستان کے نام پر ووٹ مانگتے ہو تمہیں پاکستان کے

نام پر ووٹ لینے کا کیا حق ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ یہ اعتراض پیدا ہوگا۔ اس لئے انہوں نے ابھی سے اس کی پیش بندی شروع کر

خدماتِ شماری

دی ہے۔ لہذا اپنی تحریروں میں ظاہر کرنا شروع کر دیا ہے کہ اسلامی جماعت شروع سے پاکستان کی حامی رہی ہے، بلکہ یہ تو اس باب میں ستر چار سے بھی ایک قدم آگے تھی مثلاً ترجمان القرآن بابت ماہ اکتوبر کے اشاعت میں تحریر فرماتے ہیں۔

ہم نے مسلمانوں کے قومی تحفظ کے لئے کوشش کی تو اس لئے نہیں کہ دوسری قومیں

کی طرح اس قوم کا بھی استیاری و جدوجہد برقرار رہے بلکہ صرف اس لئے کہ یہ قوم دنیا میں حق کی شہادت ادا کرنے کے لئے زندہ رہے۔ ہم نے ایک آزاد مسلم مملکت کا قیام بھی چاہا تو اس غرض سے نہیں کہ روئے زمین پر ایک اور ترکی یا ایک اور مصر یا ایران کا اضافہ ہو جائے بلکہ صرف اس غرض سے کہ ایک خالص اسلامی ریاست قائم ہو جو اسلامی نظام زندگی کا مکمل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرے۔

مودودی صاحب نے یہاں یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ بھی پاکستان کے قیام کی حمایت کرتے تھے۔ ترجمان القرآن نومبر کی اشاعت کے اشارات میں مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ جب مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ:-

واحد قومیت کے اصول پر جو جمہوری نظام بنے گا، اس میں کوئی آئینی تحفظ ان کے کام نہیں آسکتا۔ مگر اب اس پیچیدگی کا حل کیا رہے سوال سخت پریشان کن تھا ایک گروہ نے یہ خیال پیش کیا کہ تقسیم ملک کا مطالبہ پیش کیا جائے اور ان علاقوں کو ہندوستان سے الگ کر لیا جائے جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے لیکن بہت سے لوگوں کو جن میں ابتداءً خود مٹرجان مرحوم بھی شامل تھے اس حل کو قبول کرنے میں اس بناء پر تامل تھا کہ یہ صرف آدمی قوم کے مسئلہ کو حل کرتا ہے۔ بقیہ آدمی جو ہندوستان کے بڑے حصے میں کمزور اقلیت کی حیثیت سے منتشر ہے بالکل اکثریت کے چھوڑ چھوٹ جاتی ہے۔

اس کے لیے انہوں نے لکھا ہے کہ اسلامی جماعت نے یہ نظریہ پیش کیا کہ اگر مسلمان "قوی مفاد کی بجائے اپنے اصول امداد اپنے نظریہ حیات کے لئے جدوجہد شروع کر دیں تو چند سال کے اندر پورا ہندوستان دارالاسلام بن جائے گا اس کے بعد ارشاد ہے کہ اس نظریہ نے قوم کی اکثریت کو اپیل نہ کیا اور مسلمانوں نے بحیثیت ایک قوم کے پاکستان کے

نظریہ کو اپنا مطمح نظر بنالیا۔

اب آگے دیکھئے مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جماعت اسلامی کی بنیاد ڈالی گئی۔

اس تنظیم سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ اسی وقت سے ایک ایسے منظم و تربیت یافتہ گروہ کو تیار کرنا شروع کر دیا جائے جو عظیم میں اسلام کے غلبہ کے لئے کام کرنے کے قابل ہو۔ اگر خدا نخواستہ مسلمان تقسیم ملک کی عہد و جہد میں ناکام ہو جائیں تو یہ گروہ اس ناکامی کے خوفناک نتائج کا مقابلہ کرنے کے لئے موجود رہے۔ اور اگر ملک تقسیم ہو جائے تو ہندوستان اور پاکستان دونوں میں یہ گروہ اسلام کا علم بلند کرنے کے لئے تیار رہے۔

ہوشیار جرنلسٹ | مودودی صاحب ایک بڑے ہوشیار جرنلسٹ ہیں۔ اور دیرِ حاضرہ میں جرنلزم کی خوبی یہ ہے کہ بات کبھی صاف صاف نہ کی جائے۔ ایسا تبلیسی پہلو اختیار کیا جائے کہ قارئین کو شعوری طور پر اپنا ہم نوا بنالیا جائے۔ مودودی صاحب نے یہ نہیں نہیں لکھا کہ جماعت اسلامی پاکستان کی مخالفت کرتی رہی اور پاکستان کے حامیوں کو گالیاں دیتی رہی۔ وہ کہتے ہیں کہ پاکستان کے حامی تو صرف اصول پاکستان کی فکر کر رہے تھے اور ہماری جماعت اس معاملہ میں ان سے بھی دو قدم آگے تھی۔ ہم یہ سوچ رہے تھے کہ اگر خدا نخواستہ پاکستان نہ بن سکا تو مسلمانوں کو کیسے بچایا جائے گا اور اگر پاکستان بن گیا تو جو مسلمان ہندوستان میں رہ جائیں گئے ان کی حفاظت کا انتظام کس طرح کیا جائے گا۔ غور کیجئے انہوں نے کس طرح اپنے آپ کو نہ صرف پاکستان کا حامی ہی بتلادیا، بلکہ قوم کے سر پر یہ احسانِ عظیم رکھا ہے کہ تم اور تمہارے لیڈر

صرف پاکستان بنانے کی فکر میں تھے اور ہم دونوں صورتوں کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کو بچانے کی فکر میں۔

ان لوگوں نے خوب سمجھ رکھا ہے کہ پبلک کا حلقہ بڑا کمزور ہوتا ہے اور لفظی آثار چڑھاؤ سے انہیں بڑی آسانی سے دھوکا دیا جاسکتا ہے۔

لیکن ہم مودودی صاحب کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ جماعت اسلامی کے قیام کے بعد تقسیم ملک تک اپنے سارے لٹریچر سے کہیں سے بھی یہ ثابت کر دیں کہ انہوں نے تحریک پاکستان کی حمایت کی تھی اور اپنی جماعت سے یہ کہا تھا کہ تم اس مقصد کے لئے تیار رہو تاکہ اگر خدا خواستہ پاکستان بن سکا تو اس ناکامی کے خوفناک نتائج کا مقابلہ کیا جائے گا وہ اپنے سارے لٹریچر سے کہیں سے یہ بات نکال دیں جہاں سے اُن کے اس دعوے کی تصدیق ہوتی ہو، یعنی یہ کہ انہوں نے

(۱) ایک آزاد مسلم مملکت کے قیام کی حمایت کی تھی سارے

(۲) یہ فیصلہ کیا تھا کہ اگر خدا نخواستہ پاکستان نہ بنا تو پھر ان کی جماعت مسلمانوں کے تحفظ کے لئے تیار ہوگی۔

مودودی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسلامی جماعت نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اگر ملک تقسیم ہو گیا تو اسلامی جماعت ہندوستان اور پاکستان دونوں میں اسلام کا علم بلند کرنے کے لئے تیار رہے گی یہ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اسلامی جماعت ہندوستان میں اسلام کا علم بلند کرنے کے لئے کیا کر رہی ہے۔؟

ضمناً یہ بھی دیکھئے کہ مودودی صاحب نے انہی اشارات میں فرمایا ہے کہ جماعت

اسلامی کی تحریک کا آغاز ۱۹۳۲ء میں ہوا تھا۔

اس کے بعد انہوں نے اُس ابتدائی منزل کی خدمات کا بھی ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ ہے (جس کا انہوں نے خود بھی ذکر کیا ہے) کہ اسلامی جماعت کی بنیاد ہی ۱۹۴۱ء میں ڈالی گئی تھی۔ غالباً اپنی بنیاد سے پہلے یہ جماعت ”عالم امر“ میں تھی۔

دنار توں کی کرسیاں تو واقعی بڑی چمکیلی ہوتی ہیں لیکن ان کے حصول کے لئے انسان کو جوا پڑیسنے پڑتے ہیں، وہ بھی کچھ کم جگر خراش نہیں ہوتے۔ اور یہ جگر خراشی اور سبھی شدید ہو جاتی ہے جب کوئی شخص کھلے بندوں سامنے آنے کی بجائے اس میدان میں مذہب کے سامنے اس طرح دبے پاؤں آگے بڑھے۔

چوں نہا ہرے کہ بہ زہم شراب می آید!

دیکھتے اس بحر کی تہ سے اُپھلتا ہے کیا!

(اپریل ۱۹۵۱ء)

امیر جماعت اسلامی ہستیہ البوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اکتوبر ۱۹۵۰ء میں حکومت کے مسودہ دستور پاکستان کے خلاف لمبی چوڑی تقریر فرمائی۔ دورانِ تقریر میں کسی شخص نے حسبِ ذیل سوال کیا۔

آپ نے پاکستان کو اسلامی ریاست اس بناء پر مانا تھا کہ قرارداد مقاصد پاس کر دی گئی تھی۔ لیکن اب جبکہ اس قرارداد کو پیٹ کر رکھ دیا گیا ہے اور ایک غیر اسلامی دستور بنایا جا رہا ہے کیا اب بھی اس ریاست کی وہی پوزیشن باقی رہے گی؟ کیا ایک غیر اسلامی دستور بن جانے سے یہ ریاست غیر اسلامی نہ ہو جائے گی؟

اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا۔

پاکستان کو ہمیں چیز نے اسلامی ریاست بنایا وہ یہ چیز نہیں تھی کہ دستور ساز اسمبلی کے ممبروں نے قرارداد مقاصد پاس کر دی۔ بلکہ یہ تھی کہ باشندگانِ پاکستان نے بالائے اتفاق مطالبہ کر کے اس قرارداد کو پاس کروایا اس لئے کہ ملک دستور ساز اسمبلی کے ممبروں کا نہیں ہے۔ بلکہ پاکستان کے عوام کا ہے۔ عوام نے جب چاہا کہ ان کا ملک خدا کا ملک قرار پائے اور اس کا باقاعدہ اظہار انہوں نے

اپنی آئینی زبان یعنی دستور ساز اسمبلی کے ذریعہ سے کر دیا تو یہ ملک فی الواقع اللہ تعالیٰ کی نذر ہو گیا اور ہماری ریاست ایک اسلامی ریاست بن گئی۔ اب اگر اس ملک اور اس ریاست کی نوعیت کو کوئی چیز بدل سکتی ہے تو وہ دستور ساز اسمبلی کے ممبروں کا کوئی فعل نہیں بلکہ پاکستان کے عوام کی مجموعی خواہش ہی بدل سکتی ہے۔

آپ نے خود فرمایا کہ امیر جماعت اسلامی نے لفظوں کی سرکاری سے بزمِ خولیش کیسی عمدہ پناہ دلائی ہے۔ اس وقت اگر یہ پوچھا جائے کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ قرارداد مقاصد کو باشندگانِ پاکستان نے بالاتفاق مطالبہ کر کے پاس کروایا ہے، تو اس کیلئے شاید لفظی نزاع شروع ہو جاتی لیکن اب ایک ایسی صورت سامنے آئی ہے جو اس مسئلہ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے مختصر الفاظ میں مودودی صاحب کی دلیل یہ تھی کہ یہ صرف صاحب اقتدار طبقہ کے چند افراد ہیں جو ملک میں صالح نظام کو رائج نہیں ہونے دیتے۔ ورنہ یہاں کے جمہور مسلمان بالاتفاق یہی چاہتے ہیں کہ یہاں اسلامی نظام رائج ہو جس کی زمامِ اقتدار صالح افراد امت کے ہاتھ میں ہو۔ پنجاب کے الیکشن نے یہ موقع بھی بہم پہنچا دیا کہ اس امر کا مین ثبوت مل جائے کہ جمہور مسلمان فی الواقع اسلامی نظام کے خواہاں ہیں یا یہ بات بھی مودودی صاحب نے محض اپنی بات کی نیچ میں کہہ دی تھی۔ اس الیکشن میں اسلامی جماعت نے اپنے امیدوار کھڑے کئے۔ ان امیدواروں کا دعویٰ یہ تھا کہ اسلامی نظام کے لئے کھڑے ہوئے ہیں اور جماعت اسلامی کی طرف سے انہیں صالح ہونے کی سند بھی حاصل تھی۔ اگر مودودی صاحب کا یہ دعویٰ صحیح ہو تا کہ جمہور مسلمان اسلامی نظام کے خواہاں ہیں اس مقصد کے لئے انہوں نے قرارداد مقاصد بالاتفاق پاس کرادی تھی تو اس کے ثبوت میں اتنا ہونا ضروری تھا کہ جمہور مسلمان اسلامی جماعت کے نمائندوں کو ووٹ دیکر

انہیں کامیاب بنا دیتے۔ لیکن ہٹایا ہے کہ ان تمام نمایندوں میں سے صرف ایک شخص کامیاب ہو سکا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کم از کم پنجاب کے جمہور مسلمان اس کے خواہاں نہیں کہ وہاں اسلامی نظام قائم ہو یا زمام اقتدار صالحین کے ہاتھ میں آئے۔ لہذا اس سے یہ واضح ہے کہ جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے، قرارداد مقاصد جمہور مسلمانوں نے بالاتفاق پاس نہیں کرائی تھی۔ اس بناء پر وہ اعتراض اپنی جگہ قائم رہتا ہے جو مودودی صاحب کی مذکورہ صد تقریر کے دوران میں کسی صاحب نے کیا تھا۔ یعنی یہ ثابت ہو گیا کہ پنجاب اسلامی ریاست نہیں ہے۔ لہذا اب یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ جب پنجاب کی ریاست اسلامی نہیں رہی تو اس کے متعلق اسلامی جماعت کا کیا رویہ ہو گا؟

دیانت پسند نگاہوں میں یہ بات اتنی واضح ہے کہ اب جماعت اسلامی کے لئے اس الجھاؤ سے نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی لیکن آپ دیکھیں گے کہ اب اس کے امیر کوئی اور پتیرا بدلیں گے جس طرح مرزا صاحب قادیانی کی حالت تھی اس کے بعد کہ جب ان کی ایک پیش گوئی غلط ثابت ہو کر تھی اور لوگ سمجھتے تھے کہ اب یہ اپنے دعوے سے باز آجائیں گے تو وہ باز آنے کی بجائے دو پیشین گوئیاں اور کر دیا کرتے تھے۔ چونکہ جماعت اسلامی کی مطلب برآری اسی سے ہو سکتی ہے کہ وہ پاکستان کو اسلامی ریاست قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس کے

لئے اس کے بعد صوبہ سرحد اور سندھ کے الیکشنوں میں بھی یہی کچھ ہوا۔ لہذا مغربی پاکستان کے متعلق تو یہ ثابت ہو گیا کہ یہاں کے عوام مودودی صاحب کا اسلامی نظام نہیں چاہتے۔

غیر اسلامی تسلیم کر لینے سے اس جماعت کے لئے ایکشن بازی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اس لئے اب یہ حضرات اسے اسلامی ریاست ثابت کرنے کے لئے کوئی اور دلیل گھڑیں گے۔

معاشی مجبوریاں بھی انسان سے کیا کچھ کراتی ہیں۔



بَاب دُہم

”صالحین“ کی زبان

(۱) صالحین کی زبان

(مئی ۱۹۵۲ء)

یہ منکرینِ حدیث دراصل جہلِ مرکب میں مبتلا ہیں جس چیز کو نہیں جانتے اسے جہلنے والوں سے پوچھنے اور سمجھنے کی بجائے عالم بن کر فیصلہ صادر کرتے ہیں اور پھر انہیں شائع کر کے عوام الناس کو گمراہ کرنا شروع کر دیتے ہیں ان کی گمراہ کن تحریریں اکثر ہماری نگاہ سے گذرتی رہتی ہیں اور ان کا کوئی اعتراض ایسا نہیں جس کو دلائل سے رو نہ کیا جاسکتا ہو لیکن جس وجہ سے مجبوراً خاموشی اختیار کرنی پڑتی ہے وہ دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی بحث میں بالعموم بازاری غنڈوں کا سا طرز اختیار کرتے ہیں ان کے مضامین پڑھتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی شخص ایک غلاطت بھری جھاڑو ہاتھ میں لئے کھڑا ہو اور زبان کھولنے کے ساتھ ہی مخاطب کے منہ پر اس جھاڑو کا ایک ہاتھ رسید کر دے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے منہ لگنا کسی شریف آدمی کے لبس کی بات نہیں ہے اور اس قماش کے لوگ اس لائق سمجھے جاسکتے ہیں کہ ان سے کوئی علمی بحث کی جائے۔

الہدایہ اعلیٰ صاحب مودودی، ترجمان القرآن، مابست تاریخ ۱۹۵۲ء

اس کے ساتھ اس عبارت کو بھی ملا کر پڑھ لیجئے۔

قادیان میں ایک بدگو مخالف آیا ہوا تھا جس نے حضرت کے خدام

قدم بہ قدم

میں سے ایک کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ جو اس کے ساتھ گفتگو کرنے چلا گیا جب اس امر کی حضرت مسیح موعود کو خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ ایسے نجیثِ مُفسد کو اتنی عزت نہیں دینی چاہیئے کہ اس کے ساتھ تم میں سے کوئی بات چیت کرے۔“ (ملفوظاتِ احمدیہ، حصہ چہارم ص ۱۴۵) — ”حیرت ہے کہ ان لوگوں (یعنی میرزا صاحب کے مخالفین) کو نجاستِ خاری کا کیوں شوق ہو گیا۔“

(ارشادِ میرزا صاحب، مندرجہ تبلیغِ رسالت، جلد دوم ص ۴۴)

صالحین کی زبان

(اپریل ۱۹۵۲ء)

سوال :- ابھی ابھی ایک پرچہ مَطْلُوعِ اسلامؐ، نظر سے گزرا۔ یہ پرچہ قریب قریب اُن مضامین پر مشتمل ہے جن میں آپؐ کی کتاب مرتد کی سزا اسلامی قانون میںؐ کی قرآن کی رو سے تردید کی گئی ہے۔ پرچے کے جلے ایسے ہیں جیسے برسوں کی چھپی ہوئی دشمنی کا بدلہ نکال رہے ہیں۔ اس پرچہ کے آخر میں یعنی آخری صفحہ مفتی محمد شفیع کے ایک تازہ فتوے کی جیسے مولانا سید سلیمان ندوی کی تائید حاصل ہے تردید بھی کی گئی ہے۔

ہماری سمجھ میں یہ نہ آسکا کہ آخر کس ہستی کو یہ لوگ مستند خیال کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آئندہ ماہ کے ”ترجمان القرآن“ میں آپؐ اس کا جواب لکھ رہے ہیں یا نہیں؟ اگر کسی دوسرے پرچہ میں اس کا جواب لکھ رہے ہوں تو ہمیں اگاہ کر دیں تاکہ جو لوگ اس پرچے دَطْلُوعِ اسلامؐ کو پڑھ کر آپؐ کی طرف سے بد دل ہو گئے ہیں ان کا ازالہ کر دیا جائے۔

جواب :- ہمیں تعجب ہے کہ مَطْلُوعِ اسلامؐ کے تازہ ارشادات پر آپؐ نے ہمیں توجہ دلانے کی ضرورت کیوں محسوس فرمائی۔ یہ لوگ تو مسلسل دس سال سے ہم پر ایسی ہی

منايات کی بارش کئے جا رہے ہیں اور کراچی سے نیا طلوع اسلام، شرور ہونے کے بعد تو شاید کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرا ہے جس میں موسلا دھار بارش نہ ہوئی ہو۔ پھر اس موقع پر کیا خاص بات ایسی پیش آگئی کہ آپ نے ہم سے ان کے جواب کی فرمائش کرنا ضروری سمجھا۔ کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ترجمان القرآن کے صفحات میں آج تک ہم نے کبھی ان حضرات کو مخاطب نہیں کیا ہے؟

ہم توقع رکھتے تھے کہ ان کے حلقوں پر ہمارے توجہ نہ کرنے کی وجہ ہر معقول آدمی، جو طلوع اسلام اور ترجمان القرآن دونوں کو پڑھتا ہے خود سمجھ لے گا۔ لیکن آپ کے اس خط سے عسوس ہوا کہ شاید بعض لوگوں کے لئے اس سلسلہ میں ہماری طرف سے کچھ تصریح کی ضرورت بھی ہے۔ لہذا یہاں دو اصولی باتیں عرض کی جاتی ہیں جن سے آپ کو نہ صرف طلوع اسلام کے معاملہ میں، بلکہ ان بہت سے دوسرے لوگوں کے معاملہ میں بھی ہمارے سکوت کی وجہ معلوم ہو جائے گی جو اخبارات، رسائل اور مغلطوں میں ہم پر آئے دن حملے کرتے رہتے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ جو لوگ کسی شخص کی عبارات کو توڑ مروڑ کر اور ان کے ساتھ کچھ اپنی من گھڑت باتیں ملا کر پہلے اس کی ایک غلط پوزیشن بناتے ہیں اور پھر اپنی ہی بنائی ہوئی اس پوزیشن پر حملہ کرتے ہیں۔ ان کی اس حرکت سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ میں قسم کی کمزوریوں میں مبتلا ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اخلاق و ذہن کے اعتبار سے نامرد ہیں۔ ان میں یہ جرأت نہیں ہے کہ آدمی کی اصلی پوزیشن پر حملہ کر سکیں۔ اس لئے پہلے وہ اس کی ایک ایسی کمزور پوزیشن بنانے کی کوشش کرتے ہیں جس پر حملہ کرنا آسان ہو۔ پھر یہاں دوں کی سی شان کے ساتھ اس پر دھاوا بول دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ بے عیا ہیں۔

انہیں اس کی کچھ پروا نہیں ہے کہ جن لوگوں کو اس شخص کی اصلی پوزیشن معلوم ہے وہ ان کی اس کارگیری کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔ ان کی نگاہ میں بس یہ کامیابی کافی ہے کہ کچھ تاواقف لوگوں کو وہ غلط فہمی میں مبتلا کر دیں تیسرے یہ کہ وہ خدا کے خوف اور آخرت کی جواب دہی کے احساس سے بالکل فارغ ہیں۔ ان کے لئے جو کچھ ہے بس پبلک ہے جسے دھوکا دے کر اگر وہ اپنا کام نکال لے گئے تو گویا انہیں فلاح حاصل ہو گئی۔ اوپر کوئی عالم الغیب اگر جانتا ہے کہ انہوں نے کن افترا پرواز یوں سے اپنا کام نکالا ہے تو جانا کرے۔ یہ نامردی اور بے حیائی اور یہ ناخدا ترسی جن لوگوں کے طرز عمل میں صاف جھلک رہی ہے۔ ان کو اپنا مد مقابل بنانے کے لئے ہم کسی طرح تیار نہیں ہیں۔ وہ اپنی ساری عمر بھی اگر ہم پر حملہ کرنے میں کھپا دیں تو شوق سے کھیلتے رہیں۔ ہم کبھی ان کا جواب نہ دیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قومی مسائل ہوں یا ملی مسائل، ان میں اگر آدمیت اور معقولیت کے ساتھ گفتگو کی جائے تو دلیل کا جواب دلیل ہی سے دیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کے مباحثے مفید نتیجہ خیز بھی ہوتے ہیں اور دلچسپ بھی۔ ان میں ہم احقاقِ حق اور افہامِ تفہیم کے لئے بھی حقہ لینے کے لئے تیار ہیں اور طلبِ علم اور طلبِ حق کے لئے بھی ہمیں اپنی ہی بات منوانے پر اصرار نہیں۔ دوسرے کی بات معقول و مدلل ہو تو ہم کھلے دل سے اس کو مان لیں گے مگر جو لوگ دلیل کے کم اور گالی سے زیادہ کام لیں، جو زبان کھولتے ہی پہلے آدمی کی عزت پر حملہ کریں، جن کی تقریر کا اصل مدعا آدمی کو بد نیت اور بے ایمان ثابت کرنا ہو اور جنہیں کوئی دلیل سے ذلیل تہمت تراشنے میں بھی تامل دہرے ان کو کسی علمی یا قومی مسئلے میں بحث کا مخاطب بنانا کسی شریف اور معقول

آدمی کے لئے تو ممکن نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کی باتوں کا جواب دینے کی فرمائش جو لوگ ہم سے کرتے ہیں اُن کی اس فرمائش سے ہمیں شبہ ہوتا ہے کہ وہ یا تو ہمیں بھی اسی قماش کا آدمی سمجھتے ہیں اور یہ ہماری توہین ہے یا خود شرافت اور رذالت کا فرق محسوس نہیں کرتے اور یہ اُن کی اپنی توہین ہے۔

(از ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بحوالہ ترجمان القرآن بابت مازح ۲۵۹ء)

(۳) ”حَسْبُكَ كِتَابُ اللَّهِ“ کہنے والے کافر!

(نومبر ۱۹۵۲ء)

جماعت اسلامی کے ایک ذمہ دار رکن محترم امین احسن اصلاحی صاحب نے صبر ذیل فتویٰ صادر فرمایا ہے۔

بعض لوگ اسلامی شریعت کے اختلافات کا حوالہ دیکر مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ اس ملک میں اسلامی شریعت کے نفاذ کا تو کوئی امکان نہیں ہے، البتہ قرآن کے اصولوں پر اس ملک میں حکومت قائم کروا کر یہ مشورہ دینے والوں کا مطلب یہ ہے کہ شریعت صرف اتنی ہی ہے جتنی قرآن میں ہے، باقی اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ شریعت نہیں ہے تو یہ مرتکب کفر ہے اور بالکل اسی طرح کافر ہے جس طرح کافر قادیانیوں کا ہے، بلکہ کچھ اس سے بھی سخت اور شدید ہے۔ قادیانیوں نے رسول اللہ کی خاتمیت کا انکار کیا ہے اور یہ رسول اللہ کے شارع اور واجب الالفاظ اور واجب الاتباع ہونے کے منکر ہیں۔ اگر یہ عقیدہ رکھنے والے کچھ افراد مسلمانوں کے اندر موجود ہیں۔ تو ان پر یہ تحقیق واضح رہنی چاہیے کہ ایسے افراد کے لئے اُمت مسلمہ کے اندر کوئی جگہ نہیں ہے۔

(روزنامہ تسنیم لاہور ص ۱۵، اگست ۱۹۵۲ء)

(۴) ایک اور نمونہ

(نومبر ۱۹۵۲ء)

اسلامی جماعت کے اخبار نسیم دلاہور کے استقلال نمبر میں امین احسن صاحب اصلاحی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے ”کون سی شریعت“ جس میں زبان کا انداز اس قسم کا ہے۔

اس کے اندر کچھ لوگ ایسے ہیں جو ہمیشہ سے ذہنی اور قلبی قہر گری کے پیشہ میں مبتلا رہے ہیں اسی طرح کے ذہنی عصمت فرد بشوں کی ایک ٹولی بھی ہمارے اندر پہلے سے موجود تھی۔

جب ملک میں شریعت کا نظام نافذ ہوگا اور زمام اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں آئے گی تو یہ زبان جس کا نمونہ اوپر دیا گیا ہے، پاکستان کی سرکاری زبان قرار دی جائے گی۔

باب یازدهم

متفرقات

(۱) مُسلمانانِ ہندوستان

اُن کے ساتھ شادی بیاہ جائز نہیں

(اگست ۱۹۵۱ء)

آج ہندوستان کے مسلمانوں کی جو حالت ہو چکی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان کے لئے وہاں زندگی حرام کر دی گئی ہے اور باہر نکلنے کی راہیں مسدود ہیں۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن، ہمارا ان کے لئے شمشیر مکف اٹھ کھڑے ہونا تو ایک طرف، ان کے لئے دوائے خیر تک بھی ہماری زبانوں پر نہیں آتی جتنی کہ اسلامی جماعت کی بارگاہ امارت سے تو ان سوختہ سامانوں کے حق میں یہ فتویٰ بھی صادر ہو چکا ہے کہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات بھی ناجائز ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب کے اس سوال کے جواب میں کہ

موجودہ حالات کے پیش نظر کوئی پاکستانی مہاجر یا اصلی باشندہ ہندوستانی مسلمان لڑکی سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟ کرنے کی صورت میں تعلقات جائز سمجھے جائیں گے یا ناجائز؟

حضرت امیر جماعت ایدہ الشہرہ نے اپنی مسندِ رشادت سے بیک بخششِ قلم فیصلہ صادر فرما دیا کہ :-

نکاح کے بارے میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہجرت سے نکاح آپ ہی آپ تو ٹوٹ نہیں سکتا، لیکن زوجین میں سے ایک دارالاسلام میں ہجرت کر آیا ہو اور دوسرا ہجرت پر تیار نہ ہو تو عدالت میں اس بنیاد پر درخواست دی جاسکتی ہے اور ایسے زوجین کا نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے۔ آئندہ شادی بیاہ کا تعلق پاکستانی اور ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان

نہ ہونا چاہیے۔ (ترجمان القرآن جون ۱۹۵۱ء ص ۶)

یعنی یہ حضرات جو تمام تحریکِ پاکستان کے دوران میں پاکستان کی مخالفت کرتے رہے اور قائدینِ تحریک کو گالیاں دیے، وہ تو آج اس قابل ہیں کہ حکومتِ پاکستان کی سڑیں ان کے حوالے کر دی جائیں اور جن مسلمانوں کے سرِ صدقہ پاکستان رج. میں آیا ہے جو ابھی تک وہاں کے ہندوؤں کے مظالم کا نشانہ مشق بنے ہوئے ہیں جن پر گوشہٴ عافیت تنگ ہو چکا ہے ان سے پاکستانی مسلمانوں کا رشتہ بیاہ بھی ناجائز قرار پا گیا۔ ہم مجرور جہالت کے ان برخود غلط اثر سے جنہیں دعویٰ یہ ہے کہ وہ خاص مزاج شناس رسالتِ مآب واقع ہوئے ہیں اور جن کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ہجرت کسے کہتے ہیں اور اس کے احوال و ظروف کیا ہوتے ہیں، اس سے زیادہ کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے کہ اس وقت ہندوستان کا مسلمان سخت ناتواں اور بے چارہ ہے اس لئے تمہارے تیر و سناں کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ لیکن ڈرو اس وقت سے جب اس کمزور ناتواں مسلمان کا ہاتھ ہو گا اور تمہارا گریبان اور کوئی پوچھنے والا پوچھے گا کہ

يَا ذَنْبٌ قُتِلَتْ ۶ — بالآخر کس جرم کی پاداش میں انہیں اس طرح

قتل کیا گیا تھا؟ سوچو کہ اس وقت تمہارا کیا جواب ہوگا؟ لیکن سوچے تو وہ جسے اس امر کا یقین ہو کہ ایک دن کسی پوچھنے والے کے سامنے جانا ہے۔

بطاہر سمجھنا مشکل ہوگا کہ مودودی صاحب کے اس فتوے کا اثر کب جذبہ کیا ہے۔ لیکن جب آپ یہ دیکھیں گے کہ ان کی تحریک جس تحریک (مرزائیت) کے نقش قدم پر جا رہی ہے، اس نے شادی بیاہ کے معاملہ میں کس طرح مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا تھا، یہ بات سمجھ میں آجائے گی۔ اسلامی جماعت نے پہلے ”نسلی مسلمانوں“ اور ”اصلی مسلمانوں“ یعنی جماعت اسلامی کے ممبروں اور غیر ممبروں میں وہی تخصیص پیدا کی تھی جو اس سے پہلے میرزائیوں نے اپنوں اور غیر میرزائیوں میں پیدا کی تھی۔ آج کل چونکہ میرزائیوں کی طرح اسلامی جماعت والوں کے سیاسی مصالح کا تقاضا یہ ہے کہ پاکستانی مسلمانوں کے خلاف کھلا زہر نہ اگلا جائے۔ اس لئے یہ کچھ وقت کے لئے لن کے ناوکسٹم سے مامون ہیں۔ اگرچہ دشمن پنہاں کی زد سے محفوظ نہیں، لیکن ہندی مسلمان چونکہ بے بس ہیں اور ان سے ان کے مفاد وابستہ نہیں، اس لئے ان سے شادی بیاہ کے تعلقات ناجائز قرار دیئے گئے ہیں ان حضرات کو ذرا برسرِ اقتدار آنے دیجئے، پھر پاکستان میں بھی وہی نسلی اور اصلی مسلمان کی تفریق شروع ہو جائے گی۔ دراصل مذہبی فرقوں کے وجود کا لازمی اس میں ہوتا ہے کہ اپنے فرقے کے لوگوں کے اندر عصبیت پیدا کی جائے اور اپنے سے باہر والوں کو غیر قرار دے کر ان کے خلاف نفرت کے جذبات ابھارے جائیں۔

چونکہ اس جماعت کے اغراض ہی معاشی اور سیاسی ہیں، اس لئے ان کا مسلک سیاسی مصالح کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے تقسیم ہند سے پہلے پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے متعلق نسلی اور اصلی تفریق کا سوال پیش پیش تھا تقسیم کے بعد جب

حکومت کی کرسیوں کا تصور انہیں بے چین کرنے لگا تو جہاں تک پاکستان کے مسلمانوں کا تعلق تھا، یہ تفریق بہت کم پیچھے چلی گئی۔ اب پاکستان کے مسلمان ایسے سچے اور پکے مسلمان بن گئے کہ انہوں نے قرارداد مقاصد پاس کرنا کہ مملکت کو بھی مسلمان کر دیا تاکہ صالحین کی یہ جماعت اس "اسلامی مملکت" کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے سکے۔ اب وہی جذبہ نفرت ہندوستان کے مسلمانوں کے خلاف ابھر رہا ہے لیکن عین اُس وقت جب اس جماعت کی پاکستانی شاخ کے امیر ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق یہ کچھ ارشاد فرما رہے تھے۔

اس کی ہندوستانی شاخ کے امیر (ابوالقیث صاحب اصلاحی ندوی) اپنی رامپور کی تقریر میں یہ فرما رہے تھے کہ

اسلام جیسا کہ میں پہلے تشریح کر چکا ہوں، مسلمانوں کا کوئی مخصوص مذہب نہیں بلکہ وہ آپ کا بھی ایسا ہی ہے جیسا مسلمانوں کا۔ اگر مسلمان اس کو اپنا مخصوص مذہب سمجھتے ہیں تو یہ ان کی غلطی ہے۔

یعنی ادھر یہ شدت اور غلو ہے کہ نسلی مسلمان، مسلمان ہی نہیں اور ہندی مسلمان کے ساتھ شادی بیاہ تک بھی جائز نہیں اور ادھر یہ مہانت کہ اسلام ایک برہمن سماجی یا کبیرو پنتھی قسم کا ست ہے جو ہندوؤں کا بھی ایسا ہی ہے جیسا مسلمانوں کا اب اگر آپ پاکستانی شاخ سے اس کے متعلق پوچھیں گے تو وہ صاف کہہ دے گی کہ ہندوستانی شاخ سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں جس طرح لاہوری میرزا کہہ دیتے ہیں کہ قادیانی میرزائیوں سے ہمارا کچھ تعلق نہیں، بالکل اصل میں دونوں ایک ہیں۔ یہ ہے اسلامی جماعت۔

خداوند تیرے سادہ دل بندے کو ہر جا میں کہ درستی بھی قیاری ہے سلطان بھی قیاری

(۲) اسلاف کی عظمت

(۱) حضرت علیؓ

(دسمبر ۱۹۵۱ء)

تاریخ اور اسلاف کے بارے میں طلوع اسلام کا مسلک قارئین طلوع اسلام کے سامنے ہے۔ بزرگانِ اُمت میں سے جب کسی کے متعلق تاریخ کوئی ایسی بات لہتی ہے جو اُن کے شایانِ شان نہ ہو تو ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ تاریخ کی غلطی ہے۔ اُن بزرگوں کا مقام اس سے بلند تھا کہ وہ دیدہ و دانستہ اس قسم کی بات کرتے لیکن مولوی صاحبان ہیں یہ کہتے ہیں کہ اُن بزرگوں کے متعلق جو کچھ تاریخ میں مذکور ہے وہ حقیقتِ ثابتہ ہے۔ اب اگر تمہیں ان کے کسی عمل اور قرآن کے کسی حکم میں تضاد نظر آتا ہے تو تم یوں سمجھو کہ تم نے قرآن کو صحیح نہیں سمجھا قرآن کا صحیح منشا یہی تھا جو ان بزرگوں کے عمل سے ظاہر ہے تمہیں اپنے فہم قرآن کو اُن بزرگوں کے اعمال کے مطابق بدلنا ہو گا کیونکہ وہ تم سے زیادہ قرآن سمجھتے تھے لیکن اب دیکھئے کہ خود مولوی صاحبان کا اس باب میں کیا مسلک ہے۔

موردی صاحب نے ایک اصول پیش کیا ہے کہ شخص کسی منصب کے لئے امیدوار ہو، اُسے اُس منصب سے محروم کر دینا چاہیے کیونکہ ان کی تحقیق کے مطابق کسی منصب کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا قرآن کے کبھی خلاف ہے اور احادیث کے بھی کسی شخص نے ان پر اعتراض کیا کہ آپ اس مسلک کو خدا اور رسولؐ

حضرت علیؓ کے متعلق

کے حکم کے خلاف قرار دیتے ہیں مگر حضرت علیؓ نے اپنے آپ

کو خلافت کے لئے خود بطور امیدوار پیش کیا تھا۔ اس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں:-

بھری فیصلہ کن بات اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام یا بزرگانِ سلف میں سے کسی کا عمل ایک طرف ہو اور اللہ اور اس کے رسول کے صاف صاف ارشادات دوسری طرف تھے، جیسے کہ یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ خدا اور رسول کے نافرمان کو چھوڑ کر کسی بزرگ کے عمل کو اپنے لئے قانونِ زندگی قرار دیں جس کا جو عمل بھی فرمانِ خدا اور رسول سے مختلف ہو وہ ایک لغزش ہے، نہ کہ حجت، ان بزرگوں کی خوبیاں اور خدمات تو اتنی زیادہ تھیں کہ ان کی لغزشیں معاف ہو جائیں گی مگر ہم سے زیادہ بد قسمت کون ہو گا اگر ہم اپنے گناہوں کے ساتھ اگلے پچھلے بزرگوں کی لغزشیں بھی چھین چھین کر اپنی زندگی میں جمع کر لیں۔

یعنی مودودی صاحب کے بیان کے مطابق حضرت علیؓ، قرآن اور رسولِ صلعم کے فرمان کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ قرآن اور احادیث کا صحیح منشا مودودی صاحب سمجھے ہیں اور چونکہ حضرت علیؓ کا یہ عمل اُس منشا کے مطابق نہیں جو مودودی صاحب سمجھتے ہیں، اس لئے حضرت علیؓ سے اس باب میں لغزش ہوئی۔ لہذا ان کا یہ عمل مودودی صاحب کے لئے حجت نہیں۔ یعنی دوسروں کے لئے تو یہ ارشاد ہوتا ہے کہ جب کبھی ایسا ہو کہ کسی بزرگ کا کوئی عمل تمہارے فہم قرآن کے خلاف جائے، تو اپنے فہم قرآن کو ان کے عمل کے مطابق ڈھالو کیونکہ وہ قرآنِ کریم کو تم سے بہتر سمجھتے تھے۔ لیکن جب کسی بزرگ کا کوئی عمل مودودی صاحب کے خلاف جائے تو مودودی صاحب کا فہم ایک ستمِ حقیقت ہے۔ ان بزرگوں کے عمل کو لغزش قرار دیا جائے گا۔ دوسروں کے لئے وہ معیارِ ادا اپنے لئے یہ معیار، لیکن شعیب ہے امارت اپنی امتیازی شان رکھتی ہے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی

(ترجمان القرآن)

آئینِ پاکستان کے ضمن میں مودودی صاحب نے فتویٰ دیا کہ عورتوں کو امورِ مملکت میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس پر کسی نے اعتراض کر دیا کہ جب حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمان کے قتل کے سلسلہ میں ایک تحریک اٹھائی تھی اور خود میدانِ جنگ میں تشریف لے گئی تھیں، تو عورتوں کا سیاست میں حصہ لینا کس طرح ناجائز ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں مودودی صاحب کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے۔

سیاست و ملک داری میں عورت کے دخل کو جائز ٹھہرانے والے اگر دلیل رکھتے ہیں تو وہ بس یہ کہ حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کے خون کا دعویٰ لے کر اٹھیں اور حضرت علیؓ کے خلاف جنگ جمل میں نبرد آزما ہوئیں مگر اول تو یہ دلیل اصولاً ہی غلط ہے۔ اس لئے کہ جس مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول کی واضح ہدایت موجود ہو اُس میں کسی صحابی کا کوئی انفرادی فعل جو اُس ہدایت کے خلاف نظر آتا ہو، ہرگز حجت نہیں بن سکتا۔ صحابہ کی پاکیزہ زندگیاں بلاشبہ ہمارے لئے مشعلِ ہدایت ہیں مگر اس غرض کے لئے کہ ہم انکی روشنی میں اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں۔ نہ اس غرض کے لئے کہ ہم اللہ اور رسول کی ہدایت چھوڑ کر ان میں سے کسی کی انفرادی لغزشوں کا اتباع کریں پھر جس فعل کو اُسی زمانہ میں جلیل القدر صحابہ نے غلط قرار دیا تھا اور جس پر بعد میں خود اُم المؤمنینؓ بھی نام ہوئیں اُسے آخو کس طرح اسلام میں ایک نئی بدعت کا آغاز کرنے کے لئے دلیل قرار دیا جاسکتا ہے؟

حضرت عائشہؓ کے اس اقدام کی اطلاع پاتے ہی اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ نے اُن کو جو خط لکھا تھا وہ پورے کا پورا ابن قتیبہؒ نے الامامہ والسیاستہ اور ابن عمیرؒ نے عشہ الغریہ میں نقل کیا ہے۔ اسے ملاحظہ فرمائیے کہ کتنے پر زور الفاظ میں وہ فرماتی ہیں کہ آپ کے دامن کو قرآن نے سمیٹ دیا ہے۔ آپ اسے پھیلانے نہیں اور کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دین میں افراط برتنے سے روکا ہے اور یہ کہ آپ رسول اللہ کو کیا جواب دیتیں اگر وہ آپ کو اس طرح کسی صحرا میں ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ کی طرف ادھٹا دوڑاتے ہوئے دیکھ لیتے؟

پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس قول کو یاد کیجئے کہ عائشہؓ کے لئے اُن کا گھر اُن کے ہر دے سے بہتر ہے۔

اور حضرت ابو بکرؓ کا یہ قول بخاری میں ملاحظہ فرمائیے کہ میں جنگِ جمل کے فتنے میں مبتلا ہونے سے صرف اس لئے بچ گیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد آ گیا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنے معاملات ایک عورت کے سپرد کر دیئے ہوں۔

حضرت علیؓ سے بڑھ کر اُس زمانے میں کون شریعت کا جاننے والا تھا؟ انہوں نے صاف الفاظ میں حضرت عائشہؓ کو لکھا کہ آپ کا یہ اقدام حدودِ شریعت سے تجاوز ہے۔ لے ابھی ابھی آپ کچھ صفحہ ۱۱۱ میں دیکھ چکے ہیں کہ جب حضرت علیؓ کا ایک فیصلہ مودودی صاحب کے منشاء کیخلاف جاتا تھا تو انہوں نے حضرت علیؓ کے متعلق کیا کچھ کہہ دیا تھا اور اب چونکہ حضرت علیؓ کا اقدام مودودی صاحب کے حق میں جاتا ہے اس لئے انہیں سب سے زیادہ شریعت کا جاننے والا قرار دے دیا جاتا ہے۔

اور حضرت عائشہؓ اپنی کمال درجے کی ذہانت و فقاہت کے باوجود اس کے جواب میں کوئی دلیل پیش کر سکیں حضرت علیؓ کے الفاظ یہ تھے بلاشبہ آپ اللہ اور اس کے رسول ہی کی خاطر غضبناک ہو کر نکلی ہیں مگر آپ ایک ایسے کام کے پیچھے پڑی ہیں جس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ڈالی گئی عورتوں کو آخر جنگ اور اصلاح بین الناس سے کیا تعلق؟ آپ عثمانؓ کے خون کا دعویٰ لیکر اٹھی ہیں۔ مگر میں سچ کہتا ہوں کہ جس شخص نے آپ کو اس بلا میں ڈالا اور اس مصیبت پر آمادہ کیا وہ آپ کے حق میں عثمان کے قاتلوں سے زیادہ گناہگار ہے۔

دیکھئے اس خط میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ حضرت عائشہؓ کے نعل کو صریحاً خلاف شرع قرار دے رہے ہیں مگر حضرت عائشہؓ اس کا کوئی جواب نہ دے سکیں کہ جبل الامر عن العتاب معاملہ اب اس حد سے گزر چکا ہے کہ عتاب و ملامت سے کام چل سکے پھر جنگِ جبل کے خاتمے پر جب حضرت علیؓ اُم المؤمنینؓ سے ملنے تشریف لے گئے تو انہوں نے کہا۔ یَا صَاحِبَةَ الْفُؤَادِ قَدْ أَمَرْتُكَ اللَّهُ أَنْ تَقْعُدِي فِي بَيْتِكَ ثُمَّ تَخْرُجِي تَقَابِلِينَ۔؟ اے ہودے والی! اللہ نے آپ کو گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا تھا اور آپ اپنے گھر کے لئے نکل پڑیں مگر اُس وقت بھی حضرت عائشہؓ یہ نہ کہہ سکیں کہ اللہ نے ہم عورتوں کو گھر میں بیٹھنے کا حکم نہیں دیا ہے اور ہمیں سیاست اور جنگ میں حصہ لینے کا حق ہے۔

(ترجمان القرآن بابت ستمبر ۵۰ء)

ہم اس وقت اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی نزاع میں حضرت عائشہؓ کا اقدام کیسا تھا؟ ہم کہنا صرف یہ چاہتے ہیں کہ مودودی صاحب کی کیفیت یہ ہے کہ اُن کے نزدیک دین اُن کی اپنی رائے کا نام ہے (اس لئے کہ یہ مزاج شناس رسول ہیں) اسلام (حق کی صحابہؓ) میں سے جس جس کا کوئی قول یا عمل ان کی رائے کے مطابق

ہوتا ہے، اُسے بربرِ حق قرار دیدیے ہیں اور جس کا کوئی فیصلہ یا عمل ان کی رائے کے خلاف جاتا ہے وہ (ان کے نزدیک) غلط روش کا پیرو ہوتا ہے۔ پہلے مسئلہ (منصب کی امتیازی) میں حضرت علیؑ کا اقدام ان کی رائے کے خلاف تھا تو حضرت علیؑ غلط روش پر چلنے والے قرار پائے گئے۔ اور اب اس دوسرے مسئلہ میں حضرت عائشہؓ کا اقدام ان کی رائے کے خلاف تھا تو حضرت علیؑ بربرِ حق اور حضرت عائشہؓ غلطی پر قرار دیدی گئیں۔

یہ ہے امارت کا مقام!



(۴) وہی مرحی وہی عنتری

(اکتوبر ۱۹۵۲ء)

قرآن کریم میں ہے کہ جب حضرات انبیاء کرامؑ اپنی قوم سے کہتے کہ جو کچھ ان کے خدا نے اُن کی طرف نازل کیا ہے اُسے ضابطہ زندگی بنائیں تو وہ اس کے جواب میں کہتے کہ ہمارے نزدیک صحیح مسلک وہ ہے جو ہمارے آباؤ اجداد سے متواتر چلا آ رہا ہے ہم اسے چھوڑ کر تمہاری بات ماننے کے لئے تیار نہیں۔ وہ لوگ رسول کو تو یہ جواب دیتے اور دوسرے لوگوں کو رسول کی بات نہ سننے کے لئے کہتے کہ اس کے پاس نہ جانبداری تو وُجُلٌ مَسْحُورٌ (یعنی غیوٹ الخواس) ہے۔ قرآن نے اُن کی اس روش کا بار بار ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ غور کرو کہ کسی مسلک کے سچے یا جھوٹے ہونے کی یہی دلیل ہو سکتی ہے جو وہ لوگ پیش کیا کرتے تھے؟ قرآن نے حضرت نوحؑ سے یہی کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام اقوام سابقہ کی مذکورہ صدر روش کا ذکر کیا ہے لیکن حقیقت

یہ ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت سے لیکر آج تک بھی یہی کچھ ہوتا چلا آیا ہے جو اس سے پہلے ہوتا تھا آج بھی جب کسی سے کہا جاتا ہے کہ خدا نے قرآن میں یہ حکم دیا ہے تو اس کے جواب

میں کہا جاتا ہے کہ کیا جو کچھ تیرہ سو برس سے ہوتا چلا آیا ہے

مغبوط الحواس

وہ سب غلط ہے۔ اعدا دوسرے یہ کہ یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن کی طرف بلانے والے سب مغبوط الحواس ہیں۔ طلوعِ اسلام نے اپنی سابقہ اشاعت میں قرآنی دلائل سے یہ ثابت کیا کہ یتیم پوتا اپنے دادا کی وراثت سے محروم نہیں ہو سکتا۔ اس کے جواب میں مودودی صاحب کی طرف سے جو جواب شائع ہوئے ملاحظہ فرمائیے:-

میں نے پوتے کی وراثت کے معاملہ میں تمام دلائل بیان کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

بلکہ صرف انحصار کے ساتھ یہ بتایا تھا کہ اس مسئلے میں جذبات کی بنیاد پر فیصلے کرنے کی بجائے

اگر معقول اصولوں کی بنیاد پر خود کیا جائے تو جو کچھ فقہانے بالا جماع رائے قدیم کی ہے،

وہی سراسر معقول معلوم ہوتی ہے۔ میرے بیان کردہ دلائل پر مزید بہت سے دلائل کا

اضافہ کیا جاسکتا ہے مگر خصوصیت کے ساتھ جوابات اس معاملہ میں سب سے

زیادہ ودفی ہے وہ یہ ہے کہ سلف سے لیکر علف تک تمام امت کے اہل علم اس پر متفق

ہے ہیں۔ ایسے متفق علیہ مسائل کا متفق علیہ ہونا ہی بجائے خود اپنے اندر اتنا وزن

رکھتا ہے کہ کوئی معقول آدمی ان سے اختلاف کی اُس وقت تک جرأت نہیں کر سکتا جب

تک کہ اُس کے پاس دلائل کی کوئی بڑی غیر معمولی طاقت نہ ہو۔ اعد یہاں حال یہ ہے

کہ جن لوگوں نے اختلاف کی جرأت کی ہے، ایک طرف تو ان کے دلائل ایسے قوی نہیں

ہیں کہ ان کی بنا پر امت کے کسی متفق علیہ مسئلے میں تغیر کیا جاسکے اعد دوسری جگہ وہ

قریب قریب سب کے سب کچھ ایسے ٹیڑھے ذہن کے لوگ ہیں جو ہر دینی مسئلے میں

ہمیشہ ایک نرالی آنکھ کی بات نکال کر دیتے ہیں۔ ان کی بات اگر مافی جائے تو ہمیں گویا یہ ماننا پڑے گا کہ اسی ایک مسئلہ میں نہیں بلکہ پورے دین کے سمجھنے میں پہلی صدی سے لیکر آج تک ساری امت غلطی کرتی رہی ہے اور دین کو اگر سمجھا ہے تو صرف اس دور کے تین چار آدمیوں نے سمجھا ہے۔ اس طرح کے خطبیوں کی بات آخر کس (تفقات کی مستحق ہو سکتی ہے؟) (سید ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن، بابت جون جولائی ۱۹۵۳ء)

دیکھئے اس جواب میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ قرآن کی رو سے فلاں بات صحیح ہے اور فلاں غلط۔ کہا دہی گیا ہے جو اس سے پیشتر کہا جاتا رہا ہے یعنی یہ کہ صحیح وہ ہے جو ہمارے آبا و اجداد کے وقت سے ہوتا چلا آ رہا ہے اور وحی خداوندی کی طرف بلانے والے بخیر الخواص ہیں۔
بیشیزو کا وہ جہان نئی نہ حریف پنجہ فکری نئے وہی فطرت اسد اللہ ہی وہی مریضی وہی مریضی

— (•) —

۵ ملا کا اسلام

(اصلاحی صاحب اور مودودی صاحب کے ارشاد)

(جولائی ۱۹۵۳ء)

ماہوار علم چراغِ راہ کی اشاعت بابت مئی ۱۹۵۳ء کے پہلے صفحہ پر امین حسن اصلاحی صاحب کا ایک شذرہ شائع ہوا ہے۔ اصلاحی صاحب کے متعلق آپ شاید اتنا ہی جانتے ہوں کہ وہ جماعت اسلامی کے اساطین میں سے ہیں لیکن ان کا تفصیلی تعارف ماہر القادری صاحب نے ان الفاظ میں کر لیا ہے۔

عالم، بلند نظر اور متبحر عالم جس کی نگاہ خاک کے فتنوں کا بھی جائزہ لیتی ہے اور وہ وانجم

کی گزند گاہوں کا بھی سفر کرتی ہے۔ دس بیس نہیں ہزاروں راتیں صرف قرآن کریم کے مطالعہ میں بسر کی ہیں جن کی ذات قرآنی علوم کے لئے قابلِ وثوق سند ہے۔ قرآن کا مستر اور حدیث و فقہ میں جس کی تہذیب نگاہی مسلم۔ (فارار مجنون ۱۹۵۳ء)

انہی امین حسن اصلاحی صاحب نے چراغِ راہ میں تحریر فرمایا ہے۔
آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ مطالبہ نہیں کیا ہے کہ ہم ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی حکومت کی طرح ایک حکومت قائم کر دیں۔ رہندوں کو اس بات کی طاقت حاصل ہے نہ خدا نے اس کی تکلیف دی ہے۔

آپ نے خود کیا کہ اصلاحی صاحب نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ — رہندوں کو اس کی طاقت حاصل نہیں کہ وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی حکومت قائم کر دیں۔ گویا حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ بندے نہیں تھے، رہندوں سے اوپر کچھ اور تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی بندہ ہی قرار دیتا ہے۔ اور ہر انسان اس شہادت کے بعد مسلمان ہو سکتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمدؐ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں (اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمدًا عبداً ورسولہ) یعنی اصلاحی صاحب کے ارشاد کے مطابق حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ رسول اللہ سے بھی (معاف اللہ) اُونچے تھے۔

اور پھر یہ ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیے کہ خدا نے بھی مومنین کو یہ تکلیف نہیں دی کہ وہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسی حکومت قائم کریں۔

اسی قسم کے وہ اجارہ دہ بان ہیں جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے کہ کیا تم نے

ان لوگوں سے کہا تھا کہ وہ تمہیں خدا کے بندے سے آگے کچھ اور سمجھیں تو وہ جواب میں کہیں گے کہ عا شا وکلا! ہیں اس کی جرأت کس طرح سے کر سکتا تھا؟ یہ تو ہیں اصلاحی صاحب جن کے نزدیک صحابہ کبار بندے نہیں، بندے سے آگے کچھ اور ہیں لیکن دوسری طرف اسی جماعت اسلامی کے امیر (مردودی صاحب) ان صحابہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:-

آخری فیصلہ کن بات اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر صحابہ اکرام یا بزرگان سلف میں سے کسی کا عمل ایک طرف ہو اور اللہ اور اس کے رسول کے صاف صاف ارشادات دوسری طرف، تو ہمارے لئے یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ خدا اور رسول کے فرمان کو چھوڑ کر کسی بزرگ کے عمل کو اپنے لئے قانون زندگی قرار دیں جس کا جو عمل بھی فرمان خدا اور رسول سے مختلف ہو وہ ایک لغزش ہے نہ کہ محنت۔ اُن بزرگوں کی خوبیاں اور خدمات تو اتنی زیادہ تھیں کہ اُن کی لغزشیں معاف ہو جائیں گی بلکہ ہم سے زیادہ بد قسمت کون ہو گا اگر ہم اپنے گناہوں کے ساتھ اگلے پچھلے بزرگوں کی لغزشیں بھی من چن کر اپنی زندگی میں جمع کر لیں۔ (ملاحظہ ہو عنوان "اسلاف کی عظمت")

یہ کچھ مردودی صاحب نے حضرت علیؑ کے متعلق تحریر فرمایا تھا، اسی قسم کے خیالات انہوں نے حضرت عائشہؓ کے متعلق بھی تحریر کئے تھے۔ (ایضاً) یعنی اس جماعت کے ایک رکن اعلیٰ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ صحابہ کبار بندے نہیں تھے، بندوں سے آگے کچھ اور تھے اور خدا نے بندوں کو قطعاً اس کا مکلف نہیں ٹھہرایا کہ وہ ان جیسے بنیں اور ان جیسی حکومت قائم کریں۔ اور اسی جماعت کے امیر کا یہ ارشاد ہے کہ اولوالعزم صحابہ، خدا اور رسول کے فیصلوں کے خلاف بھی کام کرتے تھے اور اُن سے لغزشیں بھی سرزد ہوتی تھیں

جن کی ہیں تقلید نہیں کرنی چاہیے۔

اور جماعتِ اسلامی کے عقیدت مندوں کا حلقہ اصلاحی صاحب کو بھی قرآن کا بے بدل عالم قرار دیتا ہے اور امیر جماعتِ اسلامی کے لئے بھی یہ لکھا ہے کہ :-

کوئی شک نہیں کہ مودودی صاحب کی شخصیت امام ماکث اور امام احمد بن حنبل کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے
(ظمان بابت جون ۱۹۵۳ء)

(۶) خدا یا شیطان

(اکتوبر ۱۹۵۵ء)

امیر جماعتِ اسلامی سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اپنی نظر بندی سے ربانی کے بعد یہ لکھا ہے کہ اس میں حیرت کی بات نہیں تھی کہ ہمیں کیوں نظر بند کیا گیا۔ بلکہ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ آخر شیطان اتنی مدت تک ہم جیسے قصور واروں کو برداشت کیسے کرتا رہا۔

(ترجمان القرآن بابت جولائی، اگست ستمبر ۱۹۵۵ء)

یعنی مودودی صاحب کے نزدیک اُن کی نظر بندی شیطان کی مصلحت کے ماتحت عمل میں آئی۔ لیکن اسی ترجمان القرآن جون ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں نعیم صدیقی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ جب اللہ کے نزدیک ان حضرات کا جیل جانا تحریکِ اسلامی کی ترقی کے لئے ضروری قرار پایا تو یہ نظر بند کر دیئے گئے۔ اور جب تحریک ہی کا یہ اقمنا ہوا کہ انہیں باہر آنا چاہیئے تو جیل کے بھاٹک از خود کھل گئے۔ یعنی صدیقی صاحب کے نزدیک مودودی صاحب کا نظر بند ہونا اللہ تعالیٰ کے مشاک کے عین مطابق تھا جس کی مشیت نے تحریکِ اسلامی کی ترقی کے

لئے یہ صورت پیدا کی۔

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس باب میں مؤدودی صاحب اور صدیقی صاحب میں کون سچا ہے؟ یعنی مؤدودی صاحب کی نظر بندی شیطان کی مصلحت کے مطابق عمل ہی آگئی تھی۔ یا اللہ تعالیٰ کی مصلحت کے مطابق؟ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر جماعت اسلامی کے نزدیک یہ نظر بندی اللہ کی مشیت کے مطابق تھی اور ان حضرات کا نظر بند رہنا تحریک اسلامی کی ترقی کے لئے تھا تو خدا کی اس مصلحت کے خلاف ان حضرات کی نظر بندی کے خلاف اس قدر شور کیوں مچایا جا رہا تھا؟ کیا جماعت اسلامی کا یہ تمام ہنگامہ مصلحت خداوندی کے خلاف نہیں تھا؟ غور فرمایا آپ نے کہ تقدیر میں جبر کا عقیدہ کئی طرح انسان کو بری الزمہ قرار دے کر سارا الزام شیطان کے سر تھوپ دیتا ہے۔ اور یا اسے مصلحت خداوندی قرار دے کر انسان اللہ کو مقرب بن جاتا ہے۔ ابھی تھیں نفس انسانی کی وہ مصلحت کو شیان جن کے ماتحت بنی امیہ نے جبر کا عقیدہ پھیلایا تھا۔

(۴) یوں بھی اور یوں بھی

دیکھتے ہیں کہ ۱۹۵۷ء دسمبر ۱۹۵۷ء کے باب نمائش و مسائل میں ایک سوال درج ہے: "مطالعہ القرآن باب ۱۱، جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۵۷ء کے باب نمائش و مسائل میں ایک صاحب نے دو سوال پوچھے ہیں: (۱) ہوائی جہاز میں سوار ہونے والوں سے اوپر جا کر چاند دیکھنا اور وہ رلاؤڈ اسپیکر کے ساتھ امامت نماز کو ناکیسا ہے؟ رویت ہلال کے ضمن میں یہ چیز بھی درج ہے کہ عمید وغیرہ کی تعاریف کے لئے کسی بڑے ملک یا بڑے علم یا

پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے ایک ہی تاریخ کا متعین کر دینا جائز ہے یا نہیں بحث کا یہ حصہ اس وقت ہمارے بصر سے خارج ہے۔ ترجمان القرآن نے لاڈلا سپیکر کے استعمال کو جائز قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ ایک غیر متعلقہ موضوع کو زیادہ صحت کے ساتھ اضافہ برداشت بلند کرتا ہے۔ اس لئے اس کا استعمال جائز ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ

آخر اللہ کے پیارا کردہ حالات و ذرائع سے خدا شہی کا نام بلند کرنے کا کام لینا جائز نہ

ہوا تو کیا پھر انہیں شیطان کا حکم بلند کرنے کے لئے مخصوص ہونا چاہیئے؟

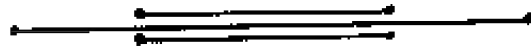
یہ تو فحش ہے لاڈلا سپیکر کے متعلق جس کے جوانی کے حق میں خود ترجمان القرآن ہے۔ یعنی ترجمان القرآن کے نزدیک جہاں اللہ کے پیدا کردہ حالات و ذرائع موجود ہوں وہاں صرف فطری ذرائع پر انحصار نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے ان آلات سے بھی کام لینا چاہیئے۔

تسمتی سے رویت ہلال کے متعلق ترجمان القرآن کی رائے یہ ہے کہ جہاز پر سوار ہو کر، بادلوں کے اوپر جا کر چاند دیکھنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اس بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ:-
کثرت سے مائیں اس کے حق میں ہیں کہ رویت ہلال کے بارے میں فطری ذرائع پر انحصار کرنا چاہیئے..... اور ہماری رائے میں نصوص کی رو سے دوسرا مسلک ہی قابل ترجیح ہے۔ شریعت نے لوگوں کو اس کا مکلف نہیں کیا کہ وہ ہزاروں فٹ کی بلندی پر جا کر چاند دیکھیں بلکہ انہیں یہ سیدھا سادہ فطری طریق بتایا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھو تو حید کر لو۔

آپ نے غور فرمایا کہ مولوی صاحبان کی شریعت کن بنیادوں پر قائم ہوتی ہے؟ یعنی جب ان کے نزدیک لاڈلا سپیکر کے استعمال کو جائز قرار دینا ہو تو کیونکہ لاڈلا سپیکر خود ان کے اپنے جلسوں

میں بھی استعمال ہو رہا ہے اور اسے ناجائز قرار دینے سے خود اپنے آپ پر مزد پڑتی ہے۔
 تو دلیل یہ پیش کر دی کہ بعض فطرت کے سیدھے سادے ذرائع پر ہی انحصار کیوں کیا جائے۔
 یہ آلات بھی تو خدا کے ہی پیدا کردہ ہیں اور جب چاند دیکھنے کا مسئلہ پیش ہو جس میں ان کی
 رائے ہوائی جہاز کے خلاف ہے تو اس وقت یہ ارشاد فرما دیا کہ اسلام فطرت کے سیدھے
 سادے ذرائع پر انحصار رکھنا ہی سکھاتا ہے۔

یہ ہے وہ طریقہ جس کی رو سے یہ حاملینِ شرعِ متین امت کے لئے وہ فتاویٰ دیتے
 ہیں جن کے مطابق چلنے سے جنت ملتی ہے اور جن کے خلاف جانے سے انسان سیدھا
 جہنم کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔



باب دوازدہم

نفسیاتی تجزیہ

مودودی صاحب کا نفسیاتی تجزیہ

(اُن کی خود نوشت سوانح حیات)

(اگست ۱۹۵۳ء)

کسی تحریک کا مطالعہ کرنے کے لئے اُس کے داعی کی نفسیات کا مطالعہ نہایت ضروری ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے خود نبی اکرم کی زبان مبارک سے یہ پہلو اویا کہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ اَفَلَا تَعْقِلُونَ اُنہیں نے تمہارے اندر اپنی ساری عمر بسر کی ہے میں پیدائش سے کہ اس دعوے رسالت تک تمہارے پاس ہی رہا ہوں۔ کیا تم میری زندگی سے اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے کہ میری امن دعوت کے محرکات کیا ہیں؟ واضح رہے کہ اس مطالعہ سے مقصود کسی کی پرائیویٹ زندگی کے اندر چھا کرنا نہیں ہوتا بلکہ اُن رجحانات و عواطف کا متعین کرنا ہوتا ہے جو اس کی تحریک کے ستون بنتے ہیں۔ اسلامی جماعت کی تحریک کے داعی سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی زندگی کے حالات پچھلے دنوں اس جماعت کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئے ہیں۔ ان میں بعض ٹکڑے ایسے ملتے ہیں جن سے ان کے نفسیاتی رجحانات کا صاف صاف پتا چل جاتا ہے اور جو یہ متعین کر دیتے ہیں کہ اس تحریک سے (شعوری یا غیر شعوری طور پر) ان کا مقصد کیا ہے۔ مودودی صاحب اپنے بچپن کے حالات کے متعلق لکھتے ہیں کہ:-

مرکز نگاہ بننے کی ہوس

مجھے سب سے زیادہ لطف اس وقت آتا تھا جب میں بیمار ہوتا تھا۔ جب مجھے کوئی چوٹ لگ جاتی تھی اور

میرے والدین میرے لئے پریشان ہوتے تھے۔ اس لطف کی خاطر میں اپنے آپ کو کبھی جان بوجھ کر بھی خطرے میں ڈالتا تھا۔ (چراغ راہ جولائی ۱۹۵۳ء)

من سطح ہیں حضرات کے نزدیک اس قسم کے واقعات محض بچوں کی باتیں ہوتے ہیں جن سے انسان دل چلا سکتا ہے وہ تو اس حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے۔ لیکن جن حضرات کو علم النفس (PSYCHOLOGY) سے کچھ دلچسپی ہے وہ جانتے ہیں کہ بچپن کی یہی خصوصیات وہ بنیادیں ہوتی ہیں جن پر انسان کے کیریئر کی پوری طعنائت استوار ہوتی ہے۔ آپ علم تجربہ نفس (PSYCHO ANALYSIS) کے ماہرین کی کتابوں میں دیکھئے یا اگر آپ کے قریب کوئی ایسے صاحب ہوں تو ان سے پوچھئے کہ جس بچہ میں وہ نفسیاتی رُجھان موجود ہو جس کا ذکر مودودی صاحب نے کیا ہے اس کی سیرت کی نمایاں خصوصیت کیا ہوا کرتی ہے۔ وہ آپ کو بتائیں گے کہ سائیکالوجی کی رو سے بچہ میں اس رُجھان کا نام (SELF-DISPLAY) ہوتا ہے اور اس رُجھان والے انسان کی ہمیشہ خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی توجہات کا مرکز بن رہے اور اپنے ہم عصروں میں نمایاں مقام کا مالک بن جائے۔ وہ جس طرح بچپن میں اپنے گھروالوں کی توجہات کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے جان بوجھ کر خطرہ مول لے لیتا ہے، اسی طرح بڑا ہو کر اپنے اس نفسیاتی تقاضے کی تسکین کے لئے ہر حربہ استعمال کر لیتا ہے مودودی صاحب نے اپنے بچپن کے حالات کے متعلق ایک چیز اور بھی لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں

میں اپنے گھر میں سب سے چھوٹا تھا۔ میرے ایک بھائی مجھ سے تین چار برس بڑے تھے۔ مجھے

دوسروں کا حصہ لینے کی ہوس

کھانے کی جو چیز ملتی تھی اُسے میں فوراً کھا لیتا تھا۔ مگر بھائی سنبھال کر کسی اچھے وقت پر کھانے کے لئے اٹھا رکھتے تھے۔ اسی طرح جو پیسے ملتے تھے میں اُن کو بھی فوراً خرچ کر ڈالتا تھا اور بھائی صاحب انہیں جمع کر کے کوئی اچھی چیز خرید لاتے تھے۔ بس یہ میرے اوداُن کے درمیان جھگڑے کی مستقل بنیاد تھی میں ہمیشہ اُن کے حق میں سے اپنا حق وصول کرنے کی کوشش کرتا تھا اور وہ ہمیشہ تھوڑی دیر مقابلہ کرنے کے بعد کچھ نہ کچھ میرے حوالے کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے اس طرح والدین کے حق میں سے میں پچھتر فی صدی کا مالک ہوتا تھا۔ پچاس فی صدی اپنے حساب میں اور بقیہ تیس فی صدی بڑے بھائی کے حساب میں سے۔ (ایضاً)

اس کمزور کے بچپن کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ بڑا ہو کر کبھی اُس مقام سے مطمئن نہیں ہوتا جو اسے معاشرہ میں اس کی ذاتی قابلیت کی بنا پر ملتا ہے وہ ہمیشہ اس کی کوشش کرتا ہے کہ جو بلند مقامات دوسروں کو حاصل ہیں وہ بھی اُس کے قبضے میں آجائیں۔

مودودی صاحب کے متعلق چراغِ راہ بابت جون ۱۹۵۳ء میں لکھا ہے کہ:-

مولانا کا لکھنے پڑھنے میں بھی ایک خاص ذوق ہے۔ وہ ہر چیز اعلیٰ درجہ کی رکھتے ہیں۔ کاغذ، قلم، پینسل، فرنیچر، الحاریاں، کتابیں غرضیکہ نفاست یہاں بھی پوری طرح موجود ہے۔ چنانچہ بعض دقیانوس قسم کے لوگ ان کی اس عادت کو غیر اسلامی سمجھتے ہیں اور ان کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ یہ علماء کی خصوصیات نہیں رکھتے۔

نفاست پسندی اور حسن ذوق قابل ستائش جوہر ہیں لیکن نفاست اور شے ہے اور ہر چیز اعلیٰ درجہ کی رکھنا اور شے نفسیاتی طور پر اس

اعلیٰ درجہ کی چیزیں

کی تہ میں بھی وہی جذبہ کارفرما ہوتا ہے جسے اوپر (SELF DISPLAY) کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے اور جس کا تقاضا اپنے آپ کو نمایاں کرنا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس دُحّان کا انسان کبھی غریبی میں گزارہ نہیں کر سکتا۔

یہ ہیں مودودی صاحب کے وہ نفسیاتی رجحانات جن کا علم خود ان کی اپنی تحریروں سے ہوتا ہے۔ ان کے قیام حیدر آباد کے دوران میں جب نیشنلسٹ علما کا طبقہ متحدہ قومیت ڈیشنلزم کی تحریک کو آگے بڑھا رہا تھا، مودودی صاحب نے متحدہ قومیت کے خلاف لکھنا شروع کیا اور اس طرح انہیں سیاسی حلقوں میں مقبولیت حاصل ہو گئی۔

لیکن وہاں وہ مالی مشکلات سے بے حد پریشان تھے۔ ترجمان القرآن کی اشاعت چھ سو کے قریب تھی جس میں سے تین سو ریاست

مالی مشکلات

خریدتی تھی اور تین سو ملے خریدار۔ ریاست نے اپنی خریداری بند کر دی تو باقی تین سو خریدار رہ گئے۔ جن کا مجموعی چندہ اٹھارہ سو روپیہ سالانہ ہوتا تھا۔ اس اٹھارہ سو میں سال بھر کے بارہ پرچے شائع کرنا ہی ناممکن تھا، چہ جائیکہ اس سے مودودی صاحب اپنے گزارہ کی مصیبت پیدا کر سکتے۔ ایک عطار کی چھوٹی سی دکان میں مودودی صاحب کا کچھ حصہ تھا اور یہی کچھ ان کے معاش کا آسرا تھا۔ لیکن اس کی آمدنی بہت قلیل تھی۔ یہ تمام باتیں خود مودودی صاحب اُس زمانے میں بیان فرمایا کرتے تھے، ہمارے نزدیک غریب ہونا کوئی جرم نہیں لیکن ان کی زندگی کے جو حالات ان کی جماعت کے جرائد و رسائل میں شائع ہوئے ہیں (چاہے وہ ان کے اپنے قلم سے لکھے ہوئے ہوں یا دوسروں کی طرف سے)، اُن میں ان باتوں کا کوئی تذکرہ نہیں۔ ان معاشی مجبوریوں کی وجہ سے انہوں نے حیدر آباد کو چھوڑ کر شمالی ہند کا رخ کیا۔ یہاں آکر وہ دارالاسلام (پٹھان کوٹ)

میں کس طرح پہنچے اور کس طرح وہاں سے نکلے، ہمیں ان تفصیلات میں جانسنے کی ضرورت نہیں لیکن وہاں ان کے اندر جو تبدیلی واقع ہوئی (اس کا بیان کرنا ضروری ہے دارالاسلام پہنچ کر انہیں معاشی پریشانیوں کی طرف سے فراغت نصیب ہوگئی تو ان کا وہ جذبہ پھر ابھر جس کا تقاضا اپنے لئے ایک نمایاں مقام حاصل کرنا تھا اُس وقت ان کی ظاہر اہمیت بالکل ایسی ہی تھی جیسی مسلم لیگ کے اکابر مثلاً باقت علی خان مرحوم وغیرہ کی تھی۔ سر پر انگریزی بال، ڈاڑھی بالکل صاف، سر سے پاؤں تک بولیت

ہدایت میں تبدیلی

کا کوئی نشان تک بھی نہیں تھا۔ انہوں نے پہلے سر کے بالوں کو پٹھوں میں تبدیل کیا، ڈاڑھی بڑھائی، مبین قریشی اُسی اور اس کے بعد مسلم لیگ قیادت کے خلاف یہ آواز بلند کرنی شروع کی کہ یہ لوگ مغربی فیشن کے دلدادہ اور فرنگیانہ اسٹائل کے پرستار ہیں۔ اس لئے ان سے اسلام کی یہودی کی توقع کرنا خیال خام ہے۔ اس آواز پر وہ لوگ ان کی طرف کھینچنے شروع ہو گئے جو سچی مذہبیت کو سب سے بڑا تقویٰ اور خاص انداز کی شکل و شبہیت کو جنت کی گنجی خیال کرتے ہیں۔ اس طرح اسلامی جماعت کی بنیاد پڑی اور مولودودی صاحب نے اپنی مرکزی حیثیت کو بلند کرنے اور لیگ کی قیادت کو ذلیل کرنے کی ہم جاری کردی لیگ کی قیادت کی مخالفت ناممکن تھی جب تک خود پاکستان کے مطالبہ کی مخالفت نہ کی جاتی کیونکہ اُس وقت جناح اور پاکستان لازم و ملزوم ہو چکے تھے چنانچہ مولودودی صاحب نے علامہ لکھنا شروع کر دیا کہ

مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لئے اس

پاکستان مطالبہ کی مخالفت

مسلم میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ہندوستان

میں جہاں جہاں مسلمان کثیر التعلقہ ہوں وہاں ان کی حکومت قائم ہو جائے۔

اور یہ بھی کہ مسلمان ہونے کی حقیقت سے میری نگاہ میں اس سوال کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ ہندوستان ایک ملک ہے یا دس ملکوں میں تقسیم ہو۔

جب ان سے کہا جاتا کہ پاکستان کی سرزمین حاصل ہو جائے تو اس کے بعد کوشش کر لی جائے گی کہ اسے اسلامی مملکت بنا دیا جائے اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ۔

بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غیر اسلامی طرز میں کاسہی پہلاؤں کا قومی اسٹیٹ قائم ہو جائے پھر رفتہ رفتہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعہ سے اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے مگر میں نے تاشق، سیاست اور جماعت کا جو ٹھوٹا بہت مطالعہ کیا ہے اس کی بناء پر میں اس کو ناممکن سمجھتا ہوں اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے تو میں اس کو ایک مجرہ سمجھوں گا۔

مودودی صاحب اور ان کی جماعت پاکستان کی مخالفت کے ”جہادِ عظیم“ میں مسلسل مصروف رہی لیکن جب ان کی مذہب کو کوششوں کے علی الرغم پاکستان وجود میں آگیا تو یہ حضرات پاکستان میں آدھمکے اور ہندوستان کی طرف رخ نہیں کیا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے ہندوستان میں مذہب کے نام پر اس تحریک کو چلا کر حکومت کی کرسیوں کا حاصل کرنا ناممکن تھا۔ وہاں انہیں معاشی سہولتیں میسر آسکتی تھیں۔ اس کا تجربہ حیدرآباد میں انہیں ہو چکا تھا۔ اس کے برعکس پاکستان کی زمین ان کے لئے بڑی سادہ کار ہو سکتی تھی۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر انہوں نے اپنی قیادت کا علم بلند کرنے کے لئے طرح طرح کی اسکیمیں بنانا شروع کیں۔

لے مندرجہ بالا اقتصادیات کے لئے دیکھئے ترجمان القرآن باب ۱۹۳۹ء مئی، جون، اگست اور دسمبر ۱۹۳۹ء و جنوری ۱۹۴۰ء۔

جیسا کہ ہم کچھ چکے ہیں مسلم لیگ کے حامیوں میں اکثریت ان کی تھی جن کی پوزیشن کا مدار ذاتی جہودوں سے زیادہ موروثی دولت پر تھا۔ ظاہر ہے کہ انقلاب کے بعد پہلے پہل اقتدار انہی کے ہاتھوں میں آنا تھا۔ اس کے ساتھ ہی جن حالات میں ہندوستان کی تقسیم ہوئی تھی، وہ اچھی سے اچھی حکومتوں میں تزلزل پیدا کر دینے

حالات سے فائدہ اٹھالیا | کے لئے کافی تھی، چہ جائیکہ ایسی حکومت جو ابھی

وجود میں ہی نہیں آئی تھی اس پر ان لوگوں کی فرنگیاد وضع قطع بودودی صاحب نے ان تمام حالات سے فائدہ اٹھایا اور اپنی قیادت کو آگے بڑھانا شروع کیا جس کے بغیر ان کی سیرت کا نفسیاتی تقاضا کسی طرح پورا ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ جس شخص کے نفسیاتی رجحانات یہ ہوں کہ وہ اپنے گرد و پیش کے لوگوں میں مرکوز توجہ بننے کے لئے اپنے آپ کو جان بوجھ کر خطرے میں ڈال دے۔ وہ اپنی قیادت قائم کرنے کے لئے کیا کچھ نہیں کرے گا۔ اور جو شخص اگر جھگڑا کر کچھ فیصدی حصہ پر قابض ہونے کا عادی ہو وہ جمہوری نظام حکومت میں اپنی اکثریت قائم کرنے کے خیال کو کس طرح چھوڑ سکتا تھا؟ پھر جو شخص اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی چیزیں رکھنے کا شائق ہو اور اس کے پاس حصولِ معاش کا اور کوئی ذریعہ نہ ہو وہ اس قسم کے ذرائعِ معاش کو کس طرح ترک کر سکتا تھا جس میں ہن بھی برسے اور لوگ ہاتھ بھی چومیں۔

مسلمانوں کے دل کی گہرائیوں میں مذہب سے محبت ہے ان کا بیشتر حصہ مذہب کے نام پر بڑی سے بڑی قربانی کر دینے پر بلا تامل آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ مذہب کے ایک خاص تصور کو حقیقی اسلام سمجھتے ہیں۔ بودودی صاحب نے ان کے سامنے دہی اسلام پیش کیا۔ اس طرح سے یہ طبقہ نہایت نیک نیتی سے ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔

یہ سہ وہ طاقت جس کی بناء پر مودودی صاحب اپنی ہوس اقتدار کی تسکین اور کم از کم بچتر فیصدی حصہ حاصل کرنے کے جذبہ کی تشقی ادا علی سے اعلیٰ چیزیں خریدنے کے ذوق کی پرورش کا سامان فراہم کئے چلے جا رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کا مخلص اور نیک نیت مذہب پرست طبقہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ اللہ کے راستے میں جہاد کر رہے ہیں۔

مودودی صاحب کی ہوس انا الموجود لا غیر کی کیفیت یہ ہے

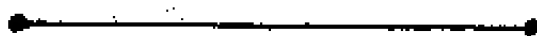
مولویوں کے اندر؟

کہ وہ صرف مغرب زدہ طبقہ کے مقابلہ میں اپنی قیادت پر ہی

قانع نہیں بلکہ خود مولویوں کے حلقہ میں بھی اپنے آپ کو ان میں کا ایک سمجھنے پر راضی نہیں ہوتے۔ پہلے تو انہوں نے کبھی کسی مولوی کو منہ نہیں لگایا۔ جب تک اس نے ان کے ہاتھ پر بیعت امارت نہیں کر لی۔ لیکن جب بعض سیاسی مجبور یوں کی وجہ سے انہیں اکتیس علماء کی جماعت میں شامل ہونا پڑا تو ادھر ان کی طرف سے مرتب کردہ دستوری سفارشات پر دستخط کئے اور ادھر اپنی طرف سے آٹھ نکاتی منشور الگ شائع کر دیا اور اپنی جماعت سے یہ کہا کہ وہ اس آٹھ نکاتی دجے بعد میں نو نکاتی بنا دیا گیا تھا، منشور کے مطالبہ کے لئے حکومت کو چٹھیاں لکھیں اور ریزولوشن پاس کریں یعنی اس میں بھی اپنی ہی قیادت کو آگے بڑھایا۔

ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ مودودی صاحب کے اداوت مندوں کے حلقہ کو یقیناً ناگوار گزرے گا۔ اس لئے کہ وہ تو انہیں دُفاران کے بیان کے مطابق امامِ امامک اور امام احمد بن حنبل سے کم درجے پر نہیں سمجھتے۔ لیکن ہم ان حضرات سے جو حقائق کا خالی الذہن ہو کر مطالعہ کرنا چاہتے ہیں عرض کریں گے کہ وہ بغور دیکھیں کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے اس میں کوئی بات حقیقت کے خلاف بھی ہے؟ دنیا کی تاریخ اس پر شاہد

ہے کہ بعض افراد اپنے مخصوص جذبات کی تسکین کے لئے کس طرح قوم کی قوم کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ یقیناً یہی کچھ پاکستان کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ارباب صل و عقد میں صلاحیتوں کی پہلے ہی کمی تھی اس پر ان لوگوں نے مذہب کے نام پر مسلسل چھڑیں سے ملک میں اس قدر ہڑتوں کا عیاں کیا ہے کہ کئی موقوفوں پر ان بابِ نظم و نسق کو کھنڈ گئے ہیں۔ ایک ایسا ملک جس میں آبادی کا بیشتر حصہ جذباتی ہو اور وہ مذہب کے نام پر بلا سچے کچھے سب کچھ کر دینے پر آمادہ ہو جاتا ہو، اس ملک میں لوگوں کے جذبات کو EXPLOIT کرنے والے عناصر بڑی آسانی سے تخریب پیدا کر سکتے ہیں۔



لے یہی کچھ اٹلینڈیشیا کی نوزائیدہ مملکت میں وہاں کی اسلامی جماعت "دولہ الاسلام مالے" کر رہی ہے۔ چنانچہ اب وہاں صوبہ حالات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ملک میں حکومت ہی قائم نہیں ہوتی۔ یہی کچھ یہاں کی اسلامی جماعت "چاہتی" ہے۔

بَابِ سِیْزْدَهَمُ

طُلُوعِ اِسْلَامِ اَوْ رَجْعَاتِ اِسْلَامِ

(۱) ہم میں اور ان میں فرق (نام کے مسلمانوں کا وجود بھی ضروری ہے)

(جنوری ۱۹۴۹ء)

قارئین طلوع اسلام میں سے ایک صاحب کا خط:-

میں ”طلوع اسلام“ ایک عرصہ سے پڑھتا ہوں اور اس کی حقیقت نگاری اور سچائی ہوتی فکر کا ملاح ہوں لیکن تازہ پرچہ دبا بت ماہ نومبر ۱۹۴۸ء کے لمعات میں کچھ عجیب انتشار فکری اور تضاد سا غسوس کر رہا ہوں جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں آپ نے ان صفات میں قارئین کو اسلامی جماعت کے دینی اور سیاسی موقف سے خبردار کرنے کی کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ وہ گمراہ بھی قادیانیوں کی طرح مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتا بلکہ اسلام اور مسلمانوں کو دو علیحدہ چیزیں تصور کرتا ہے۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر بے حد حیرت ہوئی کہ جس جرم کا مجرم آپ ان کو گردانتے ہیں، اس کا ارتکاب خود آپ نے بھی کیا ہے۔ صفحہ ۶ پر آخری پیرا گراف میں آپ فرماتے ہیں کہ ”آپ حیران ہوں گے کہ ہم نے یہ کیا کہہ دیا کہ ان کا یہ ڈر بجا ہوگا ہاں نہ صرف ان کا یہ ڈر بلکہ ایک حد تک وہ پروپیگنڈا بھی جو مسلمانوں کے نظام حکومت کے خلاف دنیا کرتی چلی آئی ہے اور آج بھی کر رہی ہے جیسا کہ ہم بار بار بالوضاحت بیان کر چکے ہیں، مسلمانوں کا اسلام کا نہیں بلکہ مسلمانوں کا، نظام مملکت و آئین شریعت اپنے اکثر و بیشتر حصوں میں ایسا ہی رہا ہے جسے ہم دنیا کے سامنے کبھی بھی فخر کے ساتھ پیش

لے ملاحظہ ہو، پاکستان کے نقاب پوش دشمن“

نہیں کر سکتے کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمان پہلے یا اب جو کچھ بھی کرتے رہے ہیں وہ اسلام کی نمائندگی نہیں قرار دی جاسکتی۔ اگر اسلام کی نمائندگی کرنا ہے تو اسلام اور صرف اسلام ہی کو اختیار کرنا پڑے گا۔ اگر صحیح ہے تو پھر آپ کا اسلامی جماعت پر یہ اعتراض کہ اس جماعت نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے آپ کو اسلامی جماعت کہہ کر باقی مسلمانوں کے لئے گویا غیر اسلامی ہونے کا اعلان کر دیا اور اس طرح بُقعد و منافرت کا وہی بیج جس پر تحریک قادیانیت کی اساس تھی اذ سر نو بدیا گیا۔ اس کے بعد امیر جماعت نے جماعت کے اراکین کی تجدید ایمان کی اور اس طرح اپنے دستِ حق پرست پر گویا اذ سر نو مسلمان کیا۔ کچھ بے معنی سا اعتراض معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا عجیب تضاد جو جماعت کے غائر مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو آپ اسلامی نظام کی حمایت و وکالت کرتے ہوئے احوال و واقعات پر اسلامی اصولوں کی روشنی میں تنقید کرتے ہیں اور اسلامی اصولوں کی علمبرداری کے جوش میں اپنے اسلاف کے کارناموں کو بھی اسلام کی کسوٹی پر پرکھ کر ناقص قرار دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف ایک اسلامی جماعت پر تنقید کرتے ہوئے اسے کبھی قیادت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور کبھی قوم پرستی کے تراد میں تو لے لگتے ہیں۔ قارئین نو متوقع ہیں کہ آپ قرآن و حدیث کی کسوٹی پر اس جماعت کو پرکھ کر بتائیں گے کہ آیا یہ گمراہ خدا اور رسول کی اطاعت کی طرف بلا رہا ہے یا نہیں، شرک و الحاد سے روکنے کی کوشش کر رہا ہے یا نہیں اسلامی نظام زندگی چاہتا ہے یا نہیں، منبعِ رشد و ہدایت قرآن و حدیث کو ماننا ہے یا نہیں اور آپ ہیں کہ کبھی تو کہتے ہیں کہ یہ لوگ اس لئے بُرے ہیں کہ مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے کبھی کہتے ہیں کہ یہ قیادت میں کیڑے ڈالتے ہیں، قیادت کے منصب پر

حاملینِ شریعت کو فائز دیکھنا چاہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔
مجھے توقع ہے کہ آئندہ اشاعت میں آپ اس تضاد کو رفع کر دیں گے اور اس
جماعت پر خالص اسلامی نقطہ نظر سے (یعنی آپ ہی کے لفظوں میں مسلمانوں کے نہیں
بلکہ اسلام کے نقطہ نظر سے) قرآن و حدیث کی روشنی میں تنقید فرما کر اس کے ہر غیر اسلامی
پہلو کو بے نقاب کر دیں گے۔

طلوع اسلام | جماعت اسلامی کے متعلق جو کچھ طلوع اسلام میں لکھا گیا ہے اس کا
اگر بظاہر مطالعہ کر لیا جاتا تو یہ ذہنی انتشار اور تضاد محسوس نہ ہوتا۔
اسلامی جماعت اور طلوع اسلام کے مسائل میں کس حد تک اشتراک ہے اور کہاں سے
ان کا مقام فراق شروع ہوتا ہے اس کے متعلق طلوع اسلام بابت ماہِ تمبر کے لمحات
میں بصراحت لکھا جا چکا ہے۔ اس پرچہ میں نمینسٹس مسلمانوں اور مسلم لیگ کے دعاوی
کے تذکرہ کے بعد لکھا گیا تھا۔

دورانِ تحریک میں ایک تیسری آواز اٹھی جس نے یہ کہا کہ بیشک مسلمان ہندوؤں
کے ساتھ مل کر ایک متحدہ قوم نہیں بن سکتے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمان محض پیدائشی
مسلمان ہیں جن کا مسلمان ہونا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ انہیں پہلے سچے معنوں
میں مسلمان ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد آزادی کے طالب پیدائشی مسلمان انگریز
یا ہندو کے غلام رہیں تو کیا اور اپنی الگ حکومت قائم کریں تو کیا۔ ان کی آزادی
صحیح معنوں میں آزادی اُسی صورت میں کہلا سکتی ہے جب یہ اپنے اندر اسلامی صفات
پیدا کریں۔ اس نظریہ کے مدعیان نے اپنے آپ کو اسلامی جماعت کے نام سے
متعارف کرایا۔

اس کے بعد لکھا گیا تھا۔

طلوع از۔ امام اس حد تک اسلامی جماعت کے ساتھ تھا کہ مسلمان صرف اُسی صورت میں آزاد کہلا سکتا ہے جب یہ اپنی مملکت میں خدا کا قانون رائج کرے لیکن اس کا مسلک یہ تھا کہ خدا کے قانون کو رائج کرنے کے لئے کسی خطہ زمین کی ضرورت ہے جب تک ہم ہندوستان میں کسی خطہ زمین کے مالک نہیں بن سکتے اس وقت تک حکومت خداوندی کے قیام کا امکان نہیں۔ لہذا مسلم لیگ کی تحریک تقسیم ہندوستان کو کامیاب بنانے کے لئے ہمیں پوری پوری کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اس کی کامیابی سے ہمیں وہ امکانی قدرت حاصل ہو جائے گی جس سے اس زمین پر آسمان کی بادشاہت کا تختہ اجلاں بچھ سکے۔ اگر ہم نے اس وقت تغافل برتا تو انگریز پورا ہندوستان ہندو کے سپرد کر دے گا جس سے ہمیں یہ امکانی قدرت حاصل نہ ہو سکے گی۔ ہمیں مسلم لیگ کی اس سیاسی تحریک کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو قرآن کے قریب لانے کی کوشش بھی جاری رکھنی چاہیے۔

اس کے بعد لکھا تھا۔

لیکن اسلامی جماعت کے نزدیک یہ مسلک قابل قبول نہ تھا۔ وہ پیدا لشی مسلمان کے قوی اور اجتماعی مطالبات سے ہم آہنگی اور تعاون کو اسی طرح تعاون علی الاثم والعدوان سمجھتی تھی جس طرح مرزائی حضرات مسلمانوں سے ردابط قائم کرنے میں کفر فحش سمجھیں کرتے تھے۔ چنانچہ اس جماعت نے اپنے آپ کو مسلمانوں کی اس تحریک سے عملاً الگ رکھا اور دوسروں کو اس سے الگ رہنے کی تلقین کرتے رہے۔

ہم اپنے محترم بھائی سے پوچھنا یہ چاہتے ہیں کہ کیا ان کے نزدیک تحریک پاکستان کے دوران میں

اسلامی جماعت کا یہ مسلک فی الواقع اسلام کی خدمت تھی؟

پاکستان کے بعد | یہ تو تھا تحریک پاکستان کے دوران میں تشکیل پاکستان کے بعد یہاں کا مسلمان جس نازک دور سے گزر رہا ہے اور جس

طرح اس کے سامنے موت اور زندگی کا سوال پیش ہے، اس میں اس اسلامی جماعت کا جو مسلک ہے وہ بھی ہر ایک کو معلوم ہے۔ وہ پھر اپنی اسی دعوت کو دھڑلے چلے جا رہے ہیں کہ جب تک مسلمان سچے معنوں میں مسلمان نہیں بن جاتا ان کے کسی اجتماعی مسئلہ میں تعاون اسلام کی رو سے جائز نہیں ہے۔ آپ نے وہ خط دیکھ لیا ہو گا جس کی بنا پر مولوی صاحب کی گرفتاری عمل میں لائی گئی تھی اور جس میں مذکور تھا کہ جب تک یہاں اسلامی شریعت کا نفاذ نہیں ہو جاتا پاکستان کی فوج میں بھرتی نہیں۔

ہم اپنے عمر بھائی سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا اس وقت اسلامی جماعت کا یہ مسلک اسلام کی خدمت ہے؟ یہ ہے قومیت پرستی کا وہ ترازو جس میں ہم اسلامی جماعت کے کارناموں کو تولتے ہیں!

پھر ہم یہ پوچھتے ہیں کہ قائد اعظم (مرحوم) کی یہ کوشش جس کی بنا پر پاکستان کا وجود عمل میں آگیا ہے موجب تشکر و امتنان ہے یا اس قابل کہ اس میں کھڑے ٹالے جائیں، سوچیے اور پھر خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ اسلامی جماعت نے اس وقت تک جو کچھ کیا ہے، اسے اسلام کی خدمت کہا جاسکتا ہے؟ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، اسلامی جماعت کا مسلک یہ ہے کہ موجودہ مسلمان جو اسلام کے معیار پر پورا نہیں اترتا، زندہ رہ جائے یا فنا کر دیا جائے برابر ہے۔ ہمارے نزدیک یہ مسلک اسلام سے محبت نہیں اس سے سخت دشمنی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ مسلمان جیسا کچھ بھی ہے اسے زندہ رکھنے کی کوشش

مسلمان کو زندہ رکھیے | کیجئے کہ اگر یہی باقی نہ رہا تو صحیح معنوں میں مسلمان بناؤ گے کسے؟ جاوا اسپین میں اور وہاں کسی کو صحیح معنوں میں مسلمان بنا کر دکھاؤ اگر یہاں بھی اسلامی جماعت کی مبارک کوششوں سے مسلمانوں کا وہی حشر ہو جائے جو اسپین میں ہو چکا ہے تو فرمائیے کہ یہ کوشش اسلام کے ساتھ دوستی کہلانے کی یاد دہانی۔ جوت ہے کہ ہسپانیہ کے عیسائیوں کو آپ آج تک اسلام کا بدترین دشمن قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے وہاں کے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیا لیکن یہاں جو جماعت یہ کہتی ہے کہ ہندوستان یا پاکستان میں مسلمانوں کا عدم وجود برابر ہے اور ایسا طریقہ عمل اختیار کرتی ہے جس کا نتیجہ یہاں کے مسلمانوں کی بربادی اور تباہی ہو، تو اسے آپ اسلامی جماعت قرار دیتے ہیں اور ان کی مساعی جہیلہ کو اسلام کے لئے احسانِ عظیم منواتے ہیں۔ یہ ایک سیدھی سی بات ہے جس کے لئے کسی فقہی موشگافیوں اور شرعی نکات آفرینیوں کی ضرورت ہی نہیں۔ جذباتی طور پر یہ دعوت بڑی خوش آئند محسوس ہوتی ہے کہ ایسے نام کے مسلمانوں کے زندہ رہنے سے تو اچھلے کہ یہ کہیں فنا ہو جائیں اور ان کی وجہ سے اسلام بدنام نہ ہو لیکن سوچئے کہ یہ جذباتی شاعری اگر کہیں عملی صورت اختیار کر جائے تو اس کا نتیجہ کیا ہو! اگر کہیں دو چار سو سال پہلے یہاں کوئی مودودی صاحب پیدا ہو گئے ہوتے تو آج یہاں یہ کہنے والا بھی کوئی نہ ہوتا کہ اسلام کو ایک علی قوت بننا چاہیے۔ آج جو حضرات اسلامی جماعت کے ارکان اور احیاء اسلام کی تحریک کے علمبردار بن رہے ہیں وہ انہی مسلمانوں کی اولاد ہیں جو ہماری طرح غیر اسلامی اجتماعی زندگی بسر کر رہے تھے اور ان حضرات کے مسلک کے مطابق جن کا عدم اور وجود برابر تھا اس زمانہ میں چونکہ کوئی اسلامی جماعت پیدا نہ ہوئی اس لئے اُن کا وجود باقی نہ رہا

اور اس طرح آج یہ لوگ مسلمانوں کے گھرانوں میں پیدا ہو کر اسلامی جماعت کے افراد بن گئے۔ وہ نہ اگر وہ مسلمان مسلمان نہ رہتے تو یہ حضرات آج کسی شہر دھانڈا اور عیاراً کے گھر میں پیدا ہوتے اور انہیں عمر بھر اس کا خیال تک بھی نہ آتا کہ اسلام میں کوئی خوبی ہے۔ بلکہ یہ اسلام کے نام سے بنیاد ہوتے اور دوسرے غیر مسلموں کی طرح اسے گالیاں دیا کرتے لہذا ہم عاصیوں اور خطاکاروں کے نزدیک گنہگار مسلمان کا وجود ان کے عدم وجود سے بہر حال بہتر ہے کہ اس سے اور کچھ فائدہ ہو یا نہ ہو اس کا امکان تو ہو سکتا ہے کہ ان سے یا ان کی اولاد سے کوئی ایسا بھی پیدا ہو جائے گا جس کے دل میں اسلام کی یہودی کی تڑپ ہو۔ اگر یہ گنہگار دہشت گردی (پیدائشی) مسلمان باقی نہ رہیں (اور دشت گرد ہو جائیں) تو یہ امکان بھی ختم ہو جائے۔

نفرت کا جذبہ | اس کے بعد آپ سوچئے کہ ان حضرات کے اس مسلک کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ اسی جذبہ نفرت پر جس کا ذکر ہم پہلے

کر چکے ہیں نفرت تمام مسلمانوں سے بجز ان چند لوگوں کے جو ان کی جماعت کے ممبر بن جائیں۔ لیکن اس نفرت کو مقدس اور حسین بنایا گیا ہے یہ کہہ کر کہ یہ لوگ مسلمان ہی نہیں ہیں۔ اس لئے ان سے محبت کیوں کی جائے؟ مسلمان صرف ہم ہیں (جنہوں نے اسلامی جماعت کی رکنیت قبول کر لی ہے) اور ہماری (ایک دوسرے سے محبت ہے ہم اس وقت اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتے کہ مسلمانوں کے متعلق اس قسم کا جذبہ سنا فرت کس حد تک جائز قرار دیا جاسکتا ہے اور ان کی تکفیر و تفسیق کہاں تک اسلامی خدمت۔ اس کے متعلق سر دست خود مودودی صاحب کے وہ الفاظ سن لیجئے جو انہوں نے اپنے دعوئے امارت سے پہلے تحریر فرمائے تھے اور جن میں

مسلمانوں کی تکفیر و تفسیق کی شدید مخالفت کے بعد لکھا تھا۔

اس فتنے کی محرک خواہ تنگ نظری ہونیک نیتی کے ساتھ یا خود غرضی،
حسد اور نفسانیت ہو بد نیتی کے ساتھ ہر حال اس نے جمیعت اسلامی کو

جتنا نقصان پہنچایا ہے شاید اور کسی چیز نے نہیں پہنچایا قطع نظر اس کے مسلمانوں

کی تکفیر و تفسیق ایک سنگین قوی جرم بھی ہے۔ جو شخص کسی ایک مسلمان یا مسلمانوں کے

کسی گروہ پر ناحق کفر کا فتویٰ لگاتا ہے وہ صرف اسی شخص یا گروہ کے حق میں ظلم

نہیں کرتا بلکہ پوری اسلامی جمیعت پر ظلم کرتا اور خود اسلام کو ضرر عظیم پہنچاتا ہے۔

اس کی وجہ بادی تاثر متل سمجھ میں آسکتی ہے اسلام میں کسی شخص یا گروہ کو کافر کہہ

دینے کے معنی صرف یہ نہیں کہ اُس کے اعتقاد اور نیت پر حملہ کیا گیا، بلکہ اس

کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی جمیعت اور اُس کے ایک فرد یا چند افراد کے درمیان

برادری، محبت، معاشرت، معاملت اور تعاون باہمی کے سارے رشتے کاٹ

دئیے گئے اور امت مسلمہ کے جسم سے ایک عضو یا متعدد اعضاء کو چھانٹ کر

پھینک دیا گیا۔
در ترجمان القرآن مابست ماہ منفر ۱۳۷۷ھ

موردی صاحب کے اس مضمون میں ”جمیعت اسلامی“ قوی جرم۔ ”اسلامی جمیعت“

”امت مسلمہ کا جسم“ وغیرہ اصطلاحات خاص طور پر قابل غور ہیں۔ یہ وہی ”اسلامی

جمیعت“ اور قومیت ہے جس کی وہ آج اس طرح سے تضحیک و تحقیر کر رہے ہیں۔

آج ان کے نزدیک مسلمانوں کا ایک قوم ہونا انتہائی جرم ہے اور شدید ترین غیر

اسلامی مسلک۔ حالانکہ کل تک وہ اس جمیعت اور قوم کی وحدت و اجتماعیت

کو اس درجہ اہم خیال کرتے تھے۔ اس میں اندشا رہا مگر ان کے نزدیک سنگین جرم

تھا، وہی جرم جس کے وہ آج خود اس شدت سے مرتکب ہو رہے ہیں۔ آپ کہیں گے کہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف کفر کا فتویٰ نہیں لگایا۔ یہ ٹھیک ہے۔ لیکن انہوں نے اگر یہ الفاظ نہیں کہے تو اس سے اصل حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس کا نتیجہ وہی ہے جو خود ان کے الفاظ میں تکفیر و نفی کا نتیجہ ہوتا ہے یعنی مسلمانوں کی جمعیت میں انتشار، اُمتِ مسلمہ کے جسم سے ایک عضو یا متعدد اعضاء کو کاٹ کر الگ پھینک دینا، ان کے اجتماعی امور میں تعاون و تناصر کے تمام رشتوں کو کاٹ دینا۔ سوچئے کہ اسلامی جماعت نے یہی کچھ کیا ہے یا نہیں۔

تعمیری کام | پھر یہ سوچئے کہ اس جماعت نے مسلمانوں کو اس قدر نقصان پہنچانے کی کوششوں کے ساتھ اپنی اسلام دوستی میں کون سا تعمیری کام کیا ہے؟ انہوں نے تمام مسلمانوں کو نام کا مسلمان کہہ کر خود وہ کون سی زندگی اختیار کی ہے جسے سچے معنوں میں مسلمان کی زندگی کہا جاتا ہے۔ تعمیری کام جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ ہم سب کے سامنے ہے ان کا سارا کارنامہ اپنا لٹریچر بیچنا ہے۔ باقی رہی ان کی اسلامی زندگی۔ یہی وہ موضوع پر بات ذاتیات تک آجاتی ہے اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہیئے (تاکہ معاملہ کی اہمیت خود اس کی مقتضی نہ ہو جائے)۔

بہ ہمتِ مجموعی دیکھئے تو صاف نظر آجائے گا کہ ہندوستان میں جس قسم کی اجتماعی زندگی باقی مسلمان بسر کرتے تھے وہی یہ لوگ بسر کرتے تھے۔ یہ بھی انگریز کے اُسی قانون کے پابند تھے جس کی پابندی دیگر مسلمان کرتے تھے۔ یہ بھی اُسی سرزمین میں رہتے تھے جہاں ”طاغوت“ کا نظام رائج تھا اور انہی پابندیوں کے ساتھ جو اس نظام نے عائد کر رکھی تھیں۔ ان سے کہیں بہتر تو ہندوؤں کی وہ جماعتیں تھیں جنہوں نے انگریز

کے کئی ایسے قوانین توڑ ڈالے جنہیں وہ نادرست خیال کرتی تھیں خواہ ایسا کرنے میں انہیں کتنی مصیبتیں کیوں نہ اٹھانی پڑیں! تو فرمائیے کہ وہ کون سی ماہ الامتیاز خصوصیت تھی جس کی بناء پر یہ اپنے آپ کو سچے مسلمان اور باقی مسلمانوں کو پیرانشی مسلمان کہتے تھے (اور اب بھی کہتے ہیں) آپ کہہ دیں گے کہ یہ مسلمانوں کو سچے مسلمان بننے کی دعوت دیتے ہیں۔ ہم لوچھتے ہیں کہ کیا محض اس دعوت دینے سے یہ لوگ سچے مسلمان بن جاتے ہیں۔ اور باقی مسلمان محض نام کے مسلمان رہ جاتے ہیں۔ پھر یہ بھی کہ کیا مسلمانوں کو سچے معنوں میں مسلمان بننے کی یہ آواز سب سے پہلی آواز ہے؟ کیا موزدودی صاحب سے پہلے کسی نے مسلمانوں کو یہ دعوت نہیں دی اور جنہوں نے یہ دعوت دی اُن میں سے کسی نے یہ بھی کیا کہ اپنی اس دعوت کی بناء پر اپنے آپ اور اپنے متبعین کو سچا مسلمان اور باقیوں کو نام کا مسلمان قرار دے دیا ہو۔ آپ غور کریں گے تو اس باب میں صرف قادیانیوں کی جماعت آپ کو ایسی ملے گی جنہوں نے ایسا کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ اُن کی دعوت کو صحیح نہ سمجھیں (جیسا کہ اسلامی جماعت کی دعوت کو وہ درست نہیں سمجھتے) لیکن اصل کے اعتبار سے دونوں میں یہ اشتراک ظاہر ہے۔

اسلامی جماعت کا مدار اس پر ہے کہ وہ جذبات سے اپیل کرتی | **جذبات پرستی** ہے حقائق سے نہیں۔ وہ کبھی نوجوانوں کو اس طرف نہیں آنے دے گی کہ جس قسم کے حالات سے ہم گزر رہے ہیں ان میں ہمارے لئے راہِ صواب کون سی ہے وہی جذبات پرستی (EMOTIONALISM) جو انسان کو ٹھوس

حقائق (CONCRETE PROBLEMS) سے تصویری دنیا (ABSTRACTS) میں لے پھرتی ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ جو عملی مشکلات ہمارے سامنے ہیں ان کا عملی

حل کیا ہے باقی سب شاعری ہے اور چونکہ مسلمان نوجوان کو شاعری زیادہ مرغوب ہے اس لئے ہر وہ تحریک جو شاعری (مہذبات) کو اپیل کرے گی ان کے نزدیک مقبول ہوگی۔ اسلامی جماعت قوم کے نوجوانوں کی اس نفسیاتی کمزوری سے کھیل رہی ہے۔

مختصر الفاظ میں ہمارا مسک یہ ہے کہ

فرق

اس لئے کہ اس سے ہمیں ایک ایسی
مملکت مل جاتی ہے۔

(۱) پاکستان کی تحریک اسلام دوستی
پر مبنی تھی۔

جس میں اسلامی نظام زندگی کے قیام اور
ترویج کے مواقع حاصل ہو جاتے ہیں
اور ذریعہ کا تحفظ مقصد کے تحفظ کا پہلا

(۲) اب پاکستان کا تحفظ اور اس کے
لئے ہر ممکن کوشش، عین اسلامی خدمت
ہے۔

زمین ہے۔

اس لئے کہ غیر ممکن ہے کہ
ساقی نہ رہے جام رہے۔ انہی سے پاکستان
کا تحفظ ممکن ہے اور پاکستان میں اسلامی
نظام زندگی کی توجہ گاہ بننے کے امکان ہیں

(۳) موجودہ مسلمان، جیسے بھی یہ ہیں ان
کی قوت اور بقا کے لئے ہر ممکن کوشش
نہایت ضروری ہے اور اسلامی خدمت

اس لئے کہ محض خدمت دین سے
اپ الگ اجتماعی زندگی برپا نہیں کر سکتے
جس کے لئے خدا کا نہ مملکت کا ہونا
نہایت ضروری ہے اور مسلمانوں سے

(۴) ہم سب مسلمان ایک ہی قسم کی اجتماعی
بیماریوں میں مبتلا ہیں اس لئے اگر
مسلمان ہیں تو ہم سب ہیں اور اگر مسلمان
نہیں تو ہم میں سے کوئی بھی نہیں محض

اگک ہو کر آپ ان کا جمعیت میں انتشار پیدا کر سکتے ہیں جو تحفظ پاکستان کے لئے سخت ضرور سامان ہے۔

اس لئے کہ تحریک تشیع (گروہ بندی) کو قرآن سنگین ترین جرم قرار دیتا ہے۔ یہ اُمت انہی گروہ ساز یوں کے ہاتھوں تباہ ہوئی ہے اور آج بھی ہو رہی ہے۔

گروہ بندی نفرت سکھاتی ہے اور قرآن رَحِمْلَهُ بَيْنَهُمْ کا تعلیم دیتا ہے ۱۸/۲

اس لئے کہ زمانہ جمہوریت کی آواز سننے

پر جمہور ہو رہا ہے۔ اگرچہ جمہوریت میں ان خیالات کو عام کر دیا تو پھر کوئی طاقت ان خیالات کو بیا نہیں سکے گی۔ اس

وقت تک چلے گئے علوم و جمہوریت میں

یہ احساس بالکل ناپید ہے۔ اس لئے

اسلامی نظام کی آواز ایک پارٹی کی آواز

ہے۔ عوام کی آواز نہیں۔ اسے عوام کی آواز

بنانا نہایت ضروری ہے۔

اس لئے کہ جو تبدیلی ہمارے ہاں ہوئی

مجمع اسلام کی طرف دعوت دینے سے

ہمیں سے کوئی شخص یا جماعت اپنے

آپ کو باقی مسلمانوں سے الگ نہیں فرض

کر سکتی ایسا کرنا اسلام سے دشمنی ہے۔

دعا ہیں بغیر گروہ بندی کے تحفظ پاکستان

کی کوششوں کے ساتھ ساتھ قوم میں

صحیح قرآنی نظام کا تصور اجاگر اور اس

کا احساس بیدار کرتے چلے جانا چاہیے

(۶) اور جب یہ احساس عام اور یہ تصور

پہرہ گیر ہو جائے تو آئینی طور پر وہ تبدیلی

پیدا کرنی چاہیے جس سے یہ تصور

ملکت کا قانون بن جائے۔

(۷) بعض دوسرے مندروں کی بنیادی تمثیلا

انہیں تاب انتظار نہیں دیتی اور وہ چاہتے ہیں کہ یہ انقلاب شباً شب ہو جائے۔ یہ حضرات جذبات کی رو میں بہہ جاتے ہیں اور جذباتی تحریکیں انہیں بہت پسند آتی ہیں لیکن تغیر حالات، صبر طلب ہوتا ہے اور وقت چاہتا ہے دنیا کا کوئی انقلاب بھی راتوں رات رونما نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ اسلام کا انقلاب بھی نہیں۔ لہذا پاکستان میں مجوزہ انقلاب بھی وقت کا محتاج ہے۔

ہے وہ محض دستاویزی تبدیلی ہے، قلب و نظر کی تبدیلی نہیں یہ تاریخ کے شاذ واقعات میں سے ہے کہ کسی قوم میں داخلی تبدیلی کے بغیر محض سیاسی طور پر خارجی تبدیلی واقع ہو گئی ہو، داخلی تبدیلی تدریجاً ہوگی۔ یہ مرحلہ صبر آزما ہے اور استقلال و استقامت چاہتا ہے لہذا، صحیح راہ عمل یہ ہے کہ

بالنشہ درویشی در ساند و ماد مزن
چون بختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

(۲) جھوٹی روایتیں

(جون ۱۹۵۱ء)

بعض لوگوں کو اس پر تعجب ہوا کہتا ہے کہ جو لوگ جھوٹی روایات وضع کیا کرتے تھے وہ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کی موجودگی میں اس کی جرأت کس طرح کر لیتے تھے لیکن ان کے لئے یہ چیز دم استعجاب نہیں رہے گی جب وہ دیکھیں

گئے کہ لوگ آج بھی افترا پر دازی اور بہتان تراشی میں کس طرح بکف چراغ داشتہ میدان میں آجاتے ہیں۔ طلوع اسلام ہر مہینے شائع ہوتا ہے اور سالہا سال سے شائع ہوتا چلا آرہا ہے۔ ہزار ہا لوگ اسے ہر مہینے پڑھتے ہیں۔ اس کی کاپیاں ہر جگہ سے مل سکتی ہیں۔ سیکڑوں قارئین کے ہاں اس کی فائلیں تک بھی موجود ہیں۔ جو کچھ لکھتا ہے کھلے کھلے طور پر لکھتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے واضح انداز میں کہتا ہے۔ اس میں نہ رموز ہوتے ہیں نہ بواطن، نہ اس میں کسی سیدہ بہ سیدہ طریقہ تعلیم و تعلم کو دخل ہے۔ اس کے باوجود دیکھئے کہ کہنے والے اس کے متعلق کیا کہتے ہیں

طلوع اسلام کے خلاف | قارئین طلوع اسلام میں سے ایک صاحب نے لکھا ہے کہ طلوع اسلام کے متعلق اسلامی جماعت کے

اخبار ”کوثر“ (لاہور) کی ۱۲ مئی کی اشاعت میں حسب ذیل سطور شائع ہوئی ہیں۔

دوسرے وہ لوگ جنہوں نے سرے سے سنت کے وجود ہی کا انکار کر دیا،

عبد حاضر میں طلوع اسلام کا ملحدانہ مکتب خیال اس گمراہ کا ترجمان ہے۔ اس

نے سرے ہی سے حدیث کا انکار کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محض

ایک ایسے شخص کی حیثیت دے دی جس نے قرآن مجید کو خدا سے پاک انسانوں کو

دیدیا اور نہ پھر اس پر خود عمل کیا اور نہ دوسروں سے عمل کرایا اور جس طریق پر

زندگی بسر کی اس کا کوئی حقہ ایسا ہے جس کی پیروی اور اطاعت واجب ہو بلکہ

اب جس کے جی میں جو آئے، قرآن مجید کے احکام کے معنی نکالے۔ یہاں تک کہ

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی بھی کوئی صورت معین نہیں۔ نمازیں خواہ تین ہوں یا

ایک عمرزدہ فرتوں کی حاضری ہی کو نماز کا قائم مقام تصور کر لیا جائے تو روزے بھی

چند ہی یعنی زیادہ سے زیادہ تین وغیرہ ذلک من الخواقات۔ اسلامی زندگی کسی معین اور مقرر مابعد حیات کا نام نہیں ہے۔ مسلمان جو کچھ کر لیں پس وہی

اسلام ہے

ہم تائین طلوع اسلام سے پوچھتے ہیں کہ کیا انہوں نے آج تک طلوع اسلام میں کہیں بھی یہ لکھا دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پر خود عمل کیا نہ دوسروں سے عمل کر لیا۔ جس کے حجب میں آئے قرآن کے احکام کے معنی نکالے یہاں تک کہ نماز، چیلنج روزہ، حج، زکوٰۃ کی کوئی صورت معین نہیں۔ یا یہ لکھا ہو کہ نمازیں خواہ تین ہوں، خواہ ایک یا مجرد دفتر کی حاضری ہی کو نماز کا قائم مقام تصور کر لیا جائے۔ یا کسی جگہ یہ لکھا ہو کہ روزے زیادہ سے زیادہ تین ہیں، یا یہ کہ اسلامی زندگی کسی معین اور مقرر مابعد حیات کا نام نہیں مسلمان جو کچھ کر لے پس وہی اسلام ہے۔ آپ غور کیجئے کہ کتنا بڑا ہے یہ افتراء جو وضع کیا گیا ہے اور کیا سنگین ہے یہ ہتان جو تراشا گیا ہے۔ جس کی تائید میں طلوع اسلام کے فائلوں میں سے ایک لفظ بھی پیش نہیں کیا جاسکتا۔

اب ذرا سوچئے کہ آنے والا مؤرخ جب ہمارے دور کی تاریخ لکھنے بیٹھے اور اُس کے سامنے اخبار کوثر کا مذکورہ صدر شذرہ ہو تو اس کے بعد وہ طلوع اسلام کے مکتب خیال کے متعلق جو رائے بھی قائم کرے گا، ظاہر ہے۔ آسنے والوں کے لئے اخبار کوثر کی مذکورہ شہادت ایک مستند روایت بن جائے گی بالخصوص جب وہ اس روایت کے راویوں کے متعلق یہ بھی لکھا ہو کہ کچھ لگا کہ یہ لوگ اپنے آپ کو امت کے صالحین قرار دیتے تھے۔ اس لئے جرح اور تعدیل کے ہر معیار کے مطابق یہ راوی لاعلم ثقہ قرار پائیں گے اور روایت بالکل صحیح اور معتبر۔

اب تو آپ کو اس پر تعجب نہیں ہو گا کہ جھوٹی روایتیں کس طرح وضع ہو سکتی ہیں۔

مودودی صاحب کی سزا کے خلاف

(طلوع اسلام کا مطالبہ)

(جون ۱۹۵۳ء)

سورۃ انفال کی پینسٹھویں آیت میں ایک ایسی عظیم الشان حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ جوں جوں نگاہ بصیرت اس پر غور کرتی ہے، قوموں کی زندگی اور موت اور ان کے عروج و زوال سے متعلق ایک بنیادی اصول کی عظمت و اہمیت ابھر کر سامنے چلی آتی ہے اس آیت میں جماعت مومنین سے یہ کہا گیا ہے کہ اگر تم میں بیس نفوس بھی ایسے نکل آئیں جو مستقل مزاج اور ثابت قدم رہیں تو وہ فریقِ مقابل کے دو سو آدمیوں پر غالب آجائیں اور اگر تم میں سو آدمی اس قسم کے نکل آئے تو وہ ہزار آدمیوں کو مغلوب کر لیں گے یعنی ساز و سامان کی برابری کے ساتھ یہ لوگ اپنے سے دس گنا زیادہ جمعیت پر غالب رہیں گے یہ ایک بہت بڑی سبقت (ADVANTAGEOUS POSITION) ہے جو کسی قوم کو حاصل ہو جائے۔ ایسی قوم ہر میدان سے خارج و منعزل ہو گئی اور زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے سے دس گنا زیادہ قوت پر غلبہ پائے گی۔ دنیا کی وہ کون سی قوم ہے جو یہ معلوم کرنا نہ چاہے گی کہ وہ راز کون سا ہے جس کے زور پر وہ فریقِ مقابل کی دس گنا زیادہ جمعیت و قوت پر غالب آجایا کہ بے قرآن نے اس راز کو پوشیدہ نہیں رکھا۔ اس لئے کہ وہ کتابِ مبین ہے یعنی کھلا کھلا منابِ حیات اور تمام نوعِ انسانی کے لئے واضح راہنمائی (هُدًى لِلنَّاسِ) دیتا ہے کہ دینیاتِ حسن (هُدًى) چنانچہ اس نے جہاں یہ بتایا کہ تم اپنے سے دس گنا جمعیت

پر غالب آسکتے ہو، یہ بھی بتا دیا کہ اس قوت کا راز کیا ہوگا؟ اس نے کہا کہ تمہارے فریق بمقابل کی دس گنا زیادہ جمعیت تمہارے ہاتھوں اس لئے شکست کھا جائیگی کہ۔

يَا أَيُّهَا قَوْمُ لَا يَفْقَهُوْنَ (۶۵)

اس لئے کہ وہ لوگ فہم و بصیرت سے کام نہیں لیتے۔ بعض اندھے جذبات کے جوش میں مخالفت پر اتر آتے ہیں یہ لوگ

فہم و بصیرت

معاملات میں ٹھنڈے دل سے غور کر کے عقل و بصیرت اور معاملہ فہمی کی رو سے فیصلہ نہیں کرتے بلکہ اندھا دھند جذبات کی رو میں بہے چلے جاتے ہیں اس لئے ایسے

لوگوں کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو یہ ان لوگوں کا کبھی مقابلہ نہیں کر سکتے جو اپنے معاملات کا فیصلہ جذبات کے بجائے عقل و بصیرت کی رو سے کرتے ہوں آپ نے غور فرمایا کہ قرآن کی رو سے کسی قوم کی قوت اور

جذبات پرستی

کمزوری کا بنیادی معیار کیا ہے۔ یہ کہ وہ قوم اپنے معاملات کا فیصلہ فہم و بصیرت سے کرتی ہے یا جذبات کے ہیجان سے۔ اس کے بعد یہ سوچئے کہ مسلمانوں کا شمار اول الذکر گروہ (ارباب فہم و فراست) میں ہو سکتا ہے یا ثانی الذکر گروہ میں جن کا ہر قدم جذبات کے سیلاب کے زور سے اٹھتا ہے اور جو آندھی کی طرح ابھر کر آنسوؤں کی طرح بیٹھ جاتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ آج دنیا میں مسلمانوں کی قوم سب سے زیادہ جذباتی واقع ہوئی ہے اور تم بالائے ستم کہ انہیں اپنی اس شدت جذبات پر بڑا فخر دانا ہے۔

وہ اپنے ان جذبات کو ایمان کی حرارت اور حق کی حمایت کا جوش قرار دے کر انہیں اپنا قوی امتیاز سمجھتے ہیں۔ عوام میں اس خیال کے عام کرنے اور ان کی آتش جذبات کو مشتعل رکھنے میں ان کے مفاد پرست رہنماؤں کا خاص ہاتھ ہوتا ہے۔ ان لیڈروں کا دامن

میں مذہبی پیشواؤں کا قدم سب سے آگے ہوتا ہے) فائدہ اس میں ہوتا ہے کہ لوگ مکبھی عقل و فہم سے کام نہ لیں اور ہمیشہ جذبات کے زور پر بلا سوچے سمجھے وہ کچھ کرتے جائیں جو کچھ وہ ان سے کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے قوم کو اس کا عادی بنا چھوڑا ہے کہ وہ ان کی ایک دھواں دھار تقریر، ایک آتشیں بیان، ایک فلک بوس نعرے پر عقل و فہم سے بیگانہ ہو جائیں اور اس دیوانگی میں وہ سب کچھ کر گزریں جس پر ان جذبات کے فروغ ہونے کے بعد وہ خود ہی نادم و پشیمان ہوں جو لیڈر اپنے پیچھے اس قسم کے لوگوں کو لگا لئے اس سے سب ڈرتے ہیں جتنی کہ ان سے کمزور حکومت بھی خائف ہو جاتی ہے وہ (اس دباؤ میں اپنا اُتو سیدھا کرتے رہتے ہیں اور عوام اس حماقت میں تباہ ہوتے رہتے ہیں۔ وہ بلا دریغ جانیں دیدیتے ہیں اور کبھی نہیں سوچتے کہ ان کے خون کی قیمت کون وصول کر رہا ہے۔

ہندوستان کی سیاست

آپ دباؤ ممالک اسلامیہ کو چھوڑ کر اگر صرف ہندوستان اور پاکستان کی گذشتہ پچیس تیس سال کی مختلف تاریخوں پر غور کریں گے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ قوم کی اس روش نے کہ ایک نعرہ ہوئے اسے ان کے جذبات آگ کی طرح بھڑک اُٹھتے ہیں، ملک کو کس قدر نقصان پہنچایا ہے علامہ اُس مالی اور جانی نقصان کے جس کا اندازہ لگانا لگانا بھی مشکل ہے ایک بڑا نقصان یہ ہو رہا ہے کہ قوم کے اعصاب اس قدر کمزور و فلہذاذ کی (محسوس) ہو چکے ہیں کہ اب کوئی شخص کسی ایسی بات کے سننے کی تاب نہیں رکھتا جو اس کے جذبات کے خلاف جاتی ہو، خواہ وہ بات کتنی ہی معقول و عقل و دانش پر مبنی کیوں نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جب کسی قوم کی حالت ایسی ہو جائے تو اُس قوم کے پیشینے کی کون سی شکل باقی رہ جاتی ہے۔

طلوع اسلام کی دعوت

یہ ہے اس وقت ہمارے ملک کی عام حالت جس کے اندر طلوع اسلام یہ دعوت دیتا ہے کہ ہر معاملہ پر قرآن کی روشنی میں عقل و فکر سے غور کرو اور اس کا فیصلہ جذبات کی شعلہ فشانہوں کے بجائے فہم و فراست کی معتدل میزان کی رو سے کرو۔ بعض حضرات اکثر چپا کرتے ہیں کہ عوام میں طلوع اسلام کی مقبولیت اتنی تیزی سے بڑھ کیوں نہیں رہی۔ اس کا جواب ظاہر ہے۔ جو دعوت عوام کو جذبات کی رومیں بہ جانے کی بجائے عقل و فکر سے کام لینے کی تلقین کرتی ہو اُسے عوام میں کس طرح مقبولیت حاصل ہو سکتی ہے لیکن طلوع اسلام کے سامنے مقبولیت کا سوال ہی نہیں۔ اس کا مسلک یہ ہے کہ قوم کسی نہ کسی طرح قرآن کی روشنی میں خود سوچنا شروع کر دے۔ وہ خود بھی اسی مسلک پر قائم ہے اور دوسروں کو بھی اسی پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔

یہی ہے وہ مسلک جس کی رو سے وہ آج اُس نازک مسئلے پر دعوتِ غور و فکر دیتا ہے جس نے اس وقت ملک کی فضا کو ایک شعلہ جوالہ میں تبدیل کر رکھا ہے ہم اپنے قارئین سے اتنی اپیل کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کچھ وقت کے لئے جذبات کو الگ رکھ دیں اور ہماری گذارشات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ ہمارا مقصد نہ کسی کی طرفداری ہے نہ کسی کی مخالفت مقصد صرف اتنا ہے کہ قوم کا سنجیدہ طبقہ اس نازک مسئلے پر دانش و بصیرت سے غور کرے اور فہم و فراست سے اس کا حل سوچے تاکہ ملک ان تباہیوں سے بچ جائے جو جذبات کے سیلاب کا لازمی نتیجہ ہوا کرتی ہیں۔

ایک دن یکا یک خبر آئی کہ لاہور کی فوجی عدالت نے عبدالستار نیازی صاحب کو موت کی سزا دے دی ہے اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ اچانک انداز سے

اس کا اعلان ہو گیا کہ سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کو بھی منزلت موت کا حکم سنا دیا گیا۔
مودودی صاحب کی سنرا | ان اطلاعات سے ہمارے دل پر کیا گزری، اس کے بیان کرنے کی اب کوئی ضرورت نہیں۔ اس

لئے کہ اس دوسری خبر کے ایک ہی دن بعد یہ خبر کہ یہ سنرائیں ہمنرائے قید میں تبدیل کر دی گئی ہیں، ہمارے اضطراب جگر سوز کو قدرے سکون میں بدلنے کا موجب بن گئی۔ ممکن ہے کہ بعض حضرات کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ مودودی صاحب کے متعلق اس خبر سے ہمیں اس قدر اضطراب کیوں پیدا ہو گیا، کیونکہ ہم تو ان کی دعوت اور تحریک کے مسلسل مخالف چلے آ رہے ہیں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ ہم آج بھی ان کی تحریک کی اسی طرح مخالفت کرتے ہیں جس طرح اس سے پہلے کرتے رہے ہیں۔ اس لئے کہ جیسا کہ ہم مستعد بار کہہ چکے ہیں، ہمارے نزدیک ان کی تحریک اسلام اور پاکستان دونوں کیلئے سخت خطرہ کا موجب ہے اس کے لئے ہم اپنے دلائل بار بار بیان کر چکے ہیں جن کے دہرانے کی اس وقت ضرورت نہیں۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ ہم مودودی صاحب کو نہ دین کا عالم سمجھتے ہیں نہ کوئی مفکر۔ لیکن ہمارے دل میں انسانی زندگی کے لئے وہ احترام بدرجہ غایت موجود ہے جس کی قرآن نے تعلیم دی ہے۔ انسانی زندگی کی یہ قدر و قیمت ہمارے نزدیک ہر قسم کی نسبتوں سے بلند ہے۔ قرآن کی رو سے انسان صرف انسان ہونے کی جہت سے طاب الاحترام ہے۔ اس کا اعلان یہ ہے کہ جس نے کسی ایک انسانی زندگی کو بھی ناحق تلف کر دیا تو اس کا جرم اتنا بڑا ہے کہ گویا اس نے تمام نوع انسانی کو ہلاک کر دیا۔ لہذا بد بخت ازلی ہے وہ دل جو کسی انسانی زندگی کے ناحق تلف ہو جانے کے احساس سے ہمہ تن اضطراب نہ بن جائے اللہ کا احسان ہے

کہ اس نے طلوع اسلام کو یہ توفیق ارزانی فرمائی ہے کہ وہ احترام انسانیت کے اس بلند جذبہ کو مسلک کے اختلاف سے ملوث نہ ہونے دے اللہ تعالیٰ ذلک۔

ہمارا انتظار اب یہ تھا کہ اس امر کا یقین ہو جانا چاہیے کہ یہ زندگیاں کہیں ناحق تلف تو نہیں ہو رہیں۔ اور جب یہ اعلان ہو گیا ان کی سزائے موت کو قید میں تبدیل کر دیا گیا ہے تو اس سے اتنا اطمینان ہو گیا کہ خیال اب اس کا امکان تو ہے کہ یہ معلوم کر لیا جائے کہ یہ فیصلہ حق پر مبنی ہے یا نہیں؟

قرآن جہاں انسانی زندگی کو اس قدر اہمیت دیتا ہے وہاں اس نے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا ہے کہ ایک چیز انسانی زندگی سے بھی زیادہ اہم ہے اور وہ ہے عدل ناحق اتلاف جان کے معنی یہ ہیں کہ وہ جان عدل کے مطابق نہیں لی گئی۔ اس مدل کی رو سے قرآن نے جرم قتل کی سزا موت تجویز کی ہے۔ نیز اس کی رو سے نظام مملکت کے خلاف بغاوت کی سزا بھی قتل

بغاوت کی سزا

یا قید یا جلا وطنی ہے (۵۳)۔ دنیا کی عام حکومتوں نے بھی قتل اور بغاوت کی یہی سزا تجویز کی ہے۔ بغاوت کی سزا کے متعلق مودودی صاحب اپنی کتاب ”مرتد کی سزا“ میں لکھتے ہیں۔

سوال صرف یہ ہے کہ جو ریاست کسی خطہ زمین پر حاکمیت رکھتی ہو یا نہ اپنے وجود کی

حفاظت کے لئے ایسے افعال کو جرم قرار دینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں جو اس کے

نظام کو درہم برہم کرنے والے ہوں۔ اس پر اگر کوئی محض ہو تو وہ ہمیں بتائے کہ

دنیا میں کس ریاست نے یہ حق استعمال نہیں کیا۔ (۵۴)

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

یہ قوانین کسی جذباتی بنیاد پر مبنی نہیں ہیں۔ بلکہ اس اصول پر مبنی ہیں کہ قائم شدہ ریاست

جس کے قیام پر ایک خطہ زمین یعنی سوسائٹی کے نظام کا قیام منحصر ہوا اپنے اجزائے
تکبسی کو انتشار سے بچرہ دکنے اذ اہنے نظام کو خرابی سے بچانے کے لئے طاقت
کے استعمال کا حق رکھتی ہے۔
(ص ۶۷)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

دنیا کے جس ملک کا قانون بھی آپ اٹھا کر دیکھیں گے وہاں آپ کو یہی اصول کام
کرنا نظر آئے گا کہ اسٹیٹ جن عناصر کے اجتماع سے تعمیر ہوتا ہے ان کو وہ منتشر
ہونے سے بزور روکتا ہے اور ہر اس چیز کو طاقت سے دباتا ہے جو اس کے نظام
کو درہم برہم کرنے کا رجحان رکھتی ہو۔
(ص ۶۵)

بغادت تو ایک طرف وہ تو یہاں تک بھی کہتے ہیں کہ :-

ایک منظم سوسائٹی جو ریاست کی شکل اختیار کر چکی ہو ایسے لوگوں کے لئے اپنے حدود
عمل میں مشکل ہی گنجائش رکال سکتی ہے جو دنیاوی امور میں اس سے اختلاف رکھتے

ہوں۔

(ص ۶۹)

اور یہ بھی کہ :-

جو شخص اس بنیاد کو تسلیم نہیں کرتا جس پر سوسائٹی اور اسٹیٹ کی تنظیم رکھی گئی ہے
اور اس سے کبھی آئندہ بھی یہ اُمید نہیں کی جا سکتی کہ وہ اسے قبول کر لے گا، ایسے
شخص کے لئے مناسب یہ ہے کہ جب وہ اپنے لئے اس بنیاد کو ناقابل قبول پاتا
ہے جس پر سوسائٹی اور اسٹیٹ کی تعمیر ہوئی ہے تو خود اس کے حدود سے نکل
جلے مگر جب وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کے لئے وہی علاج ممکن ہیں یا تو اسے
اسٹیٹ میں تمام حقوق شہریت سے محروم کر کے زندہ رہنے دیا جائے یا پھر اس

کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے پہلی صورت فی الواقع دوسری صورت سے شدید تر سزا ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ لَا یَمُوتُ فِتْنًا وَلَا یَحْیٰی فِتْنًا کی حالت میں مبتلا رہے اور اس صورت میں سوسائٹی کے لئے بھی وہ زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی ذات سے ایک مستقل فتنہ لوگوں کے درمیان پھیلتا رہے گا اور دوسرے صحیح و سالم اعضاء میں بھی اس کے زہر کے سرایت کرنے کا اندیشہ ہو گا اس لئے بہتر یہی ہے کہ اسے موت کی سزا دے کر اس کی اور سوسائٹی کی مصیبت کا بیک وقت خاتمہ کر دیا جائے۔

(صفحہ ۵۱)

ان تصریحات سے ہم صرف یہ بتانا چاہتے تھے کہ جہاں قرآن کی رو سے انسان کی زندگی کی اس قدر اہمیت اور قیمت ہے وہاں ایسے جرائم بھی **اثبات جرم کا طریق کار** ہیں جن کی پاداش میں بقا ملنے عدل موت کی سزا دی جاسکتی ہے۔ اگر یہ سزا عدل کی رو سے ہوگی تو لے قتل ناحق "نہیں کہا جائے گا لیکن اگر یہ عدل کے خلاف ہوگی تو یہ قتل ناحق قرار پائے گی۔ عام دنیاوی قوانین میں بھی انصاف اور ظلم کا یہی مفہوم ہے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ جس قانون نے قتل اور بغاوت کی سزا موت دیا کسی جرم کی کوئی سزا مقرر کی ہے اسی قانون نے یہ بھی متعین کر دیا ہے کہ یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ کسی ملزم نے فی الواقع یہ جرم کیا ہے یا نہیں، کیا طریق عمل اختیار کرنا چاہیے۔ اس طریق کی تفصیل کتنی ہی طویل اور مختلف کیوں نہ ہوں اس کے کم از کم اجزاء لے لائیے کہ حسب ذیل ہوں گے۔

(۱) قانون کی رد سے قائم کردہ عدالت۔

(۲) عدالت کی طرف سے الزام کا تعین۔

(۳) ملزم کے لئے اپنی مدافعت کا پورا پورا موقع اور سہولت۔

(۴) بلا جبر و اکراہ شہادات۔

(۵) غیر مبہم فیصلہ — اور

(۶) ماتحت عدالت کے فیصلہ کے خلاف اپیل کا حق۔

اگر کوئی فیصلہ ان شرائط و لوازم کے ساتھ صادر ہوتا ہے تو قانون کی رُو سے اس فیصلہ کو معنی بر عدل کہہ دیا جائے گا۔ ایسے فیصلے کے نفاذ میں نہ کسی کی رعایت ہونی چاہیے اور نہ ہی مجرم یا اس کے حامیوں کی طرف سے کوئی احتجاج، قرآن کا یہ فیصلہ ہے کہ قانون کے نفاذ اور منزل کے اجراء میں کوئی نرمی نہیں ہونی چاہیے۔

عام عدالتوں کی صورت میں چونکہ مقدمات کی کارروائی کھلے طور پر ہوتی ہے۔

اس لئے یہ معلوم ہوتا رہتا ہے کہ جرم کے ثبوت اور فیصلہ میں مندرجہ بالا قانونی شرائط کو ملحوظ رکھا جا رہا ہے یا نہیں؛ لیکن لاہور میں مارشل لا کی فوجی عدالت نے جس انداز سے مختلف مقدمات میں فیصلوں کا اعلان کیا ہے ان

سے ہلک کو یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ سزا کے فیصلوں تک پہنچنے کے لئے مندرجہ صدر قانونی تقاضوں کو پورا کیا گیا ہے یا نہیں؛ چونکہ ہمارے ملک کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ شہری آبادی کے ملزموں کے خلاف فوجی عدالت میں مقدمات کی کارروائی ہوئی، اس لئے دلوں میں شبہات پیدا ہونے لازمی تھے کہ نہ معلوم فوجی عدالت نے ملزموں کو اپنی صفائی پیش کرتے کے لئے پورے مواقع دیئے ہیں یا نہیں اور کیا یہ مواقع اُسی نوعیت کے تھے جس نوعیت کے مواقع ملک کی عام عدالتوں میں ملتے ہیں یا ان کی نوعیت مختلف تھی۔

یہ تھی وہ وجہ جس کی بناء پر نیازی صاحب اور مودودی صاحب کی سزائے موت کی خبریں ہمارے لئے وجہ صدمہ اضطراب بن گئیں اور صرف ہمارے لئے ہی نہیں بلکہ پورے ملک کے لئے ہمارے نزدیک ان فیصلوں کا اس طرح بختہ ABRUPTLY اعلان کرنا غلطی تھی۔ عام عدالتوں میں مقدمات کی کارروائی روز بروز لوگوں کے سامنے آتی جاتی ہے۔ استغاثہ اپنی شہادات اور دلائل پیش کرتا ہے۔ ملزم اپنی صفائی میں شہادات اور دلائل پیش کرتا ہے۔ الزام اور صفائی کے دونوں پہلو لوگوں کے سامنے آتے جاتے ہیں اور وہ رفتہ رفتہ نفسیاتی طور پر اس کا فیصلہ سننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اس کے بعد سخت سے سخت سزا کا فیصلہ بھی ان کے لئے حیران کن اور اضطراب انگیز نہیں ہوتا۔ اضطراب انگیز ہونا تو ایک طرف بعض مقامات میں جرم کی سنگینی اور ملزم کی ثقافت اس طرح نمایاں طور پر سامنے آ جاتی ہے کہ پبلک خود پکاراٹھتی ہے کہ مجرم کو سخت سے سخت سزا دی جائے۔

لیکن اس کے برعکس ذرا اس صورت حال کو ملاحظہ کیجئے کہ

حکومت کی غلطی

ایک دن خبر ملی کہ مودودی صاحب کو گرفتار کر لیا گیا ہے دوسری خبر یہ آئی کہ انہیں قلعہ سے سنٹرل جیل میں منتقل کر دیا گیا ہے اور اس کے بعد ایک صبح دفعۃً یہ خبر آگئی کہ انہیں سزائے موت کا حکم سنایا گیا ہے آپ سوچئے کہ کیا ملک بھر میں کوئی ایک شخص بھی ایسا ہو سکتا ہے جو اس قسم کی بھیانک خبر کو یوں دفعۃً سُنے اور اس کا دل سمجھتا ہے اضطراب نہ بن جائے۔ فوجی عدالت نے جب ان ملزمین (نیازی صاحب اور مودودی صاحب) کو انتہائی سزا دی ہے تو اس کے باوجود ان کے امکانات ہیں کہ ان سے ضرور کمرٹی نہ کوئی سنگین جرم سرزد ہوا ہوگا۔ یہ ملنے کو جی ہی

نہیں چاہتا کہ ان کا کوئی بھی جرم نہ ہو دیا کوئی خفیف سا جرم ہو، اور انہیں موت کی سزا دے دی جائے۔ اگر حکومت لوگوں کو ان کے جرم اور مقدمہ کی کارروائی سے مطلع کرتی تو ہو سکتا تھا کہ عوام حکومت کے اس اقدام کو حق بجانب سمجھتے ہوئے اس کی پوری تائید کرتے۔ لیکن حکومت نے اس نفسیاتی تعارض کو نظر انداز کر کے کتنی بڑی غلطی کی کہ ایک ثانیہ میں پورے کے پورے ملک میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں کی نگاہوں میں ملزم یکسر معصوم قرار پا گئے اور حکومت جابر و ظالم نظر آنے لگ گئی۔ حکومت کی اس غلطی کے نتائج اس قدر ویرانہ ہیں کہ اس کا اندازہ اس وقت لگایا ہی نہیں جاسکتا۔

پھر سزائے موت کے اعلان کے چھپتیس گھنٹے بعد جب کہ ملک میں چاروں طرف اس کے خلاف تاراج کی گئی، جذبات ابھر چکے تھے، لاہور سے اعلان ہوا کہ اس سزا کو تبدیل بہ سزائے قید کر دیا گیا ہے۔

دوسری غلطی

اس اعلان میں بھی قطعاً یہ نہیں بتایا گیا کہ پہلے کس جرم کی پاداش میں سزائے موت دی گئی تھی اور اب اسے کیوں بدلا گیا ہے۔ اس سے کچھ لوگ تو اس نتیجے پر پہنچے کہ سزائے موت کا فیصلہ یوں ہی اندھا دھند کر دیا گیا تھا اور اب لوگوں کے شور مچانے پر حکومت کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے، اس لئے اس فیصلے کو بدل دیا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ مودودی صاحب کا جرم کوئی بھی نہیں لیکن حکومت نے اب چودہ سال کی سزائے قید کا اعلان اس لئے کیا ہے تاکہ گورنمنٹ کی شبکی نہ ہو اور بعض لوگوں نے یہ کہا کہ دیکھا ہم نے ذرا سا دباؤ ڈالا اور حکومت نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ یہ لوگ اب اسی تصور کے ماتحت مودودی صاحب کی غیر مشروط

رہائی کے لئے مطالبہ کر رہے ہیں۔

حیرت ہے کہ یہ سب کچھ ہماری اس نئی حکومت کے عہد میں ہوا جس سے ملک کو بڑی خوشگوار توقعات وابستہ ہیں۔ حکومت کو چاہیے تھا کہ وہ مودودی صاحب (اور نیازی صاحب) کے جرائم کی تفصیلات کا اعلان کرتی۔ پھر یہ بتاتی کہ انہیں اپنی صفائی کا پورا پورا موقع دیا گیا تھا۔ ان کی مدافعت یہ تھی، جرم یوں ثابت ہوا تھا۔ قانون کی رو سے اس جرم کی سزا یہ ہے۔ لہذا اس سزا کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اس فیصلہ کے خلاف یوں اپیل ہو سکتی ہے جس علی ڈک۔ نہ صرف یہ کہ حکومت نے یہ کچھ اُس وقت نہیں کیا بلکہ اس باب میں آج تک بھی (جبکہ یہ دستور سپر قلم کی جارہی ہے) حکومت کی طرف سے ایک لفظ باہر نہیں آیا، حالانکہ مودودی صاحب کی سزا کے خلاف احتجاج کا سلسلہ جاری ہے۔

جماعت اسلامی کا طرز عمل | یہ تو ہوا حکومت کی طرف سے اب دوسری طرف آئیے۔ جماعت اسلامی کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ صاحبین کی جماعت ہے۔ ان کا ہر قدم خدا اور رسول کے حکم کے مطابق اٹھتا ہے۔ اس جماعت کے سامنے لاہور کی فوجی عدالت نے سیکٹر دو مسلمانوں کو پکڑا۔ انہیں اسی طرح سے سزائیں دیں جس طرح بعد میں مودودی صاحب کو سزا دی۔ حتیٰ کہ مودودی صاحب سے پہلے نیازی صاحب کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ لیکن اس جماعت میں سے کسی نے اتنا بھی نہیں کہا کہ یہ طریق کار اسلامی آئین کے خلاف ہے۔ اس سے لوگوں

لے مسٹر محمد علی دوزیر اعظم پاکستان کی جہیہ کابینہ سے ملا ہے جو اوائل ۱۹۵۵ء میں قائم ہوئی تھی۔

کے ساتھ عدل نہیں ہوتا، ظلم ہوتا ہے۔ لیکن جوں ہی ان کے اپنے امیر کے خلاف فیصلہ صادر ہوا، چاروں طرف سے شور مچا دیا گیا کہ فوجی عدالت کا یہ فیصلہ اسلام کے آئینِ عدل کے خلاف ہے۔ اس لئے مودودی صاحب کی سزا کو برطرف کر کے انہیں رہا کرنا چاہیے۔ یعنی جب وہی کچھ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا تھا تو یہ سب لوگ خاموش بیٹھے تھے لیکن جب وہی کچھ خود اُن کے اپنے امیر کے ساتھ ہوا تو حکومت اور اس کی ساری کارروائی خلاف اسلام قرار پا گئی اب بھی ان کا مطالبہ یہ نہیں کہ مارشل لاؤ کے تمام تمیزیوں کو رہا کیا جائے۔ ان کا مطالبہ صرف اپنے امیر کی رہائی کا ہے۔ اس کی ایک قانونی صورت یہ ہو سکتی تھی کہ باقاعدہ رحم کی درخواست کی جاتی، مگر یہاں یہ صورت نہیں ہے۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے، رحم کی درخواست پیش کرنے میں سب سے بڑا مانع خود مودودی صاحب کا یہ فیصلہ ہے کہ:-

ایک اسلامی حکومت میں خلیفہ یا امیر کا یہ منصب نہیں کہ وہ مجرموں کو عدالت کی دی ہوئی سزا سے محض رحم کی بنا پر معاف کر دے۔ (دکتوری تجاویز ص ۱۷)

لہذا رحم کی درخواست کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ یہاں رائے عامہ کے مظاہرہ کے زور پر رہائی کا مطالبہ ہے۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ ان کا مطالبہ یہ نہیں کہ یہ بتایا جائے کہ مودودی صاحب کا کیا جرم ہے اور انہیں اپنی مدافعت کا موقع دیا گیا تھا یا نہیں۔ یہ بھی مطالبہ نہیں کہ ان کے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔ مطالبہ یہ ہے کہ انہیں فوراً رہا کر دیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ مودودی صاحب کا کوئی جرم ثابت ہو چکا ہو اور وہ اپنی بریت ثابت نہ کر سکے ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے خلاف کوئی سنگین الزام ہو، لیکن انہیں اپنی مدافعت کا پورا پورا موقع دہل سکا ہو۔ ان حالات میں مطالبہ یہ ہونا چاہیے کہ

ان کے مقدمہ کی تفصیلات شائع کی جائیں اگر اس کے بعد دیکھا جائے کہ اس میں کوئی قانونی اسقام رہ گئے ہیں تو اس کی دوبارہ سماعت کی جائے نہ یہ مطالبہ کہ بلا تفریق اس امر کے کہ وہ مجرم ہیں یا نہیں ہیں انہیں بہر حال رہا کر دیا جائے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مودودی صاحب مجرم نہیں ہیں اور ان کے خلاف ظلم ہو رہا ہے یا انہیں مدافعت کا حق نہیں دیا گیا تو انہیں یہ حق دلانے کی تائید میں طلوع اسلام پیش پیش ہو گا۔

ایک بات البتہ اسی ہے جس سے مترشح ہوتا ہے کہ اس مطالبہ کی بنیاد اسلامی جماعت کے اس تصور پر ہے کہ موجودہ حکومت کو حق حاصل نہیں کہ وہ تحریکی قوتوں کے خلاف جبر کا استعمال کرے۔ آپ یہ دیکھ چکے ہیں کہ مودودی صاحب کے نزدیک ایک مملکت کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے تحفظ کے لئے جابرانہ قوت استعمال کر سکے اور جو اجزاء اس کی تخریب پر آمادہ ہوں ان کی آزادی پر پابندیاں عائد کر دے لیکن مودودی صاحب نے اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا ہے کہ یہ حق ہر ایک مملکت کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

البتہ یہاں اس حقیقت کو بھروسہ نہیں کر لینا چاہیے کہ جماعتی نظم کے لئے اس تدبیر کو صحیح قرار دینے کا مطلب یہ نہیں کہ ہر جماعتی نظم کے لئے اس تدبیر کا استعمال برحق ہے قطع نظر اس کے کہ وہ بجائے خود صالح ہو یا فاسد۔ یہ حق صرف اس جماعتی نظم کے لئے ہے جو اپنی ذات میں صالح ہو۔ رہا ایک فاسد نظام تو جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، اس کا وجود بجائے خود ایک ظلم ہے اور اگر وہ اپنے اجزاء کو سٹلٹے رکھنے کے لئے جابرانہ قوت استعمال کرے

تو یہ اس سے زیادہ بڑا ظلم ہو گا۔ (مرتد کی سزائے موت)
وہ دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

یہ قاعدہ اپنی جگہ عالمگیر مقبولیت رکھتا ہے کہ ریاست اور حاکمیت کی عین فطرت اس امر کی تفتنی ہے کہ اسے اپنے وجود اور اپنے نظام کی حفاظت کے لئے جبر اور قوت کے استعمال کا حق حاصل ہو۔ یہ حق ریاست میں حیثیت الریاست کا ذاتی حق ہے اور اگر کوئی چیز اس حق کو باطل بنا سکتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ جو ریاست اس حق سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہو وہ آپ ہی باطل پر قائم ہوئی ہو اس لئے کہ باطل کا وجود بجائے خود ایک جرم ہے اور اگر وہ اپنے قیام و بقاء کے لئے طاقت سے کام لیتا ہے تو یہ شدید جرم ہو جاتا ہے۔

(صفحہ ۲۵-۲۶)

ان اقتباسات سے یہ ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی کے نزدیک صرف ایک صالح نظام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے خلاف بغاوت کی کوششوں کو قوت سے دبائے۔ فاسد نظام کو قوت استعمال کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ ان حضرات کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ کوئی نظام صرف اس قوت صالح ہو سکتا ہے جب اس کا امین ان کی تعمیر کے مطابق شرعی ہو۔ چونکہ ابھی تک پاکستان کا نظام شرعی نہیں اس لئے جماعت اسلامی کے تصور کے مطابق موجودہ حکومت کا نظام فاسد ہے اور اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بغاوت کی کوششوں کو دبانے کے لئے قوت کا استعمال کرے۔ ہمارا خیال ہے کہ جماعت اسلامی کا یہ مطالبہ کہ مودودی صاحب کو فوراً رہا کر دیا جائے اسی بنیاد پر ہے کہ ان کے نزدیک موجودہ حکومت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ تحریکی عناصر کے خلاف

وقت کا استعمال کرے۔ اگر ہمارا خیال غلط ہے تو جماعت اسلامی کو چاہیے کہ وہ کھلے کھلے الفاظ میں اعلان کرے کہ ان کے نزدیک :-

(۱) موجودہ حکومت کو یہ حق حاصل ہے یا نہیں کہ وہ موجودہ نظام کے خلاف تخریبی قوتوں کو بکسر روک دے۔ اور

(۲) ان کا یہ مطالبہ کہ مودودی صاحب کو فوراً رہا کر دیا جائے کس بنیاد پر اٹھایا گیا ہے؟ اس وقت بہر کیف صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف حکومت خاموش بیٹھی ہے اور لوگوں کو یہ نہیں بتاتی کہ مودودی صاحب کا جرم کیا ہے جس کی پاداش میں انہیں چودہ سال کی سزائے قید دی گئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگوں کی نگاہوں میں مودودی صاحب بے گناہ، لہذا مظلوم قرار پا رہے ہیں اور حکومت ظالم و جاہل سمجھی جا رہی ہے۔ دوسری طرف اسلامی جماعت مودودی صاحب کی غیر مشروط رہائی کے محضر نامے پر لوگوں سے دستخط لئے جا رہی ہے اور کسی کو کھلے کھلے الفاظ میں نہیں بتاتی کہ اس مطالبہ کی بالآخر اسلامی بنیاد کون سی ہے۔

لوگوں سے کہا یہ جاتا ہے کہ مودودی صاحب کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ ملک میں شریعت کا نظام نافذ کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور حکومت طرح طرح کے بہانوں سے انہیں ختم کر دینا چاہتی ہے۔ ان سے کوئی نہیں پوچھتا کہ آپ کے پاس اس دعوے کی دلیل کیا ہے کہ مودودی صاحب کا کوئی اور جرم نہیں لیکن اس باب میں بھی حکومت کی خاموشی اسلامی جماعت کے اس مطالبہ کی تقویت کا موجب بنتی چلی جا رہی ہے۔

مؤیدین کا مسلک

اب دیکھیے اُن لوگوں کو جو اس مطالبہ میں اسلامی جماعت کے ہم نوا ہیں۔ ان میں سب سے پہلے خواجہ ناظم الدین صاحب نے بیان دیا کہ مودودی صاحب کو سزائے موت نہیں دی جانی چاہیے اور اس کی دلیل یہ پیش کی کہ مودودی صاحب ایک بہت بڑے عالم دین ہیں۔ ذرا اس دلیل کی معقولیت پر غور فرمائیے انہوں نے اس بات سے بحث ہی نہیں کی مودودی صاحب مجرم ہیں یا نہیں۔ انہوں نے صرف یہ کہا کہ وہ ایک بہت بڑے عالم ہیں اس لئے انہیں چھوڑ دیا جائے۔ یعنی اگر ایک عالم کسی کو قتل بھی کر دے تو اسے کبھی سزائے موت نہیں دینی چاہیے کیونکہ وہ بہت بڑا عالم ہے۔

انہی حمایت کرنے والوں میں کچھ حضرات ان اکتیس علماء میں سے بھی ہیں جنہوں نے نظام شریعت مدون فرما کر حکومت کے پاس بھیجا تھا انہوں نے بھی مطالبہ کیا ہے کہ چونکہ مودودی صاحب ایک بہت بڑی دینی شخصیت کے مالک ہیں اس لئے انہیں فوراً رہا کر دیا جائے۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے اپنے مسودہ آئین میں اس کا مطالبہ کیا تھا کہ درتوا درتوا صدرِ مملکت پاکستان کو بھی قانون کی رو سے کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہیں ہونی چاہیے۔ قانون کی نگاہ میں چھوٹا اور بڑا سب یکساں ہونا چاہیے۔ ان حضرات نے مارشل لا کے سیکڑوں غریب سزا یافتہ لوگوں کے متعلق تو ایک لفظ تک نہیں کہا لیکن مودودی صاحب کی رہائی کا مطالبہ کر دیا کیونکہ وہ ایک نامور شخصیت کے مالک ہیں۔ یہ ہے ان حضرات کا اسلام!

مودودی صاحب کی رہائی کا مطالبہ کراچی کے اٹھارہ مدیران اخبارات و رسائل کے طرف سے بھی پیش ہوا ہے اس مطالبہ کی تمہید میں یہ لکھا ہے کہ:-

ہم باشندگانِ پاکستان اس واقعہ کو ایک حادثہ فاجعہ قرار دیتے ہیں کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی جو بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں ایک جتید عالم ہیں اور ایک آئینی جماعت کے لیڈر ہیں، انہیں مارشل لا کے ماتحت گرفتار کر لیا گیا ہے اور فوجی عدالت نے ان پر مقدمہ چلایا اور انہیں سزائے موت دیدی جواب چودہ سال کی قید بامشقت کی سزائیں تبدیل کی گئی ہے۔

یعنی اگر لاہور کے سیکڑوں غریب آدمیوں کو جو کسی شہرت کے مالک نہیں تھے جو جاہل تھے، عالم نہیں تھے جو کسی بڑی جماعت کے لیڈر نہیں تھے، مارشل لا کے تحت گرفتار کیا گیا اُن پر فوجی عدالت نے مقدمہ چلا کر انہیں سخت سزائیں دیں۔ تو ہمارے ان مُدیرانِ کرام کے نزدیک یہ سب کچھ کوئی قابلِ ذکر واقعہ نہیں تھا۔ لیکن ایک بین الاقوامی شہرت کے مالک، بہت بڑے عالم اور ایک بڑی جماعت کے لیڈر کو اسی طرح گرفتار کر کے سزا دینا قیامتِ صغریٰ ہے۔

بہت بڑی شخصیت کے مالک | آپ غور کیجئے کہ ہم جذبات کی رُو میں بہہ کر کیا کچھ کہنے لگ جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو صبح و شام، اٹھتے بیٹھتے پکارتے رہتے ہیں کہ قانون کی نگاہ میں تمام افرادِ انسانی یکساں ہونے چاہئیں۔ غریب اور امیر، مشہور و مجہول اور لیڈر اور عامی میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن اب یہ حضرات ہیں کہ وہ مودودی صاحب کی رہائی کے لئے دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ وہ بہت بڑی شخصیت کے مالک ہیں۔ ایک مقتدر معاشرہ اور سرزمینِ بے آئین میں فرق یہ ہوتا ہے کہ مقتدر معاشرہ میں غریب اور امیر، عوام اور خواص قانون کی نگاہ میں یکساں ہوتے ہیں لیکن سرزمینِ بے آئین میں غریب

کو سزائیں بھیگتی پڑتی ہیں لیکن نامور شخصیتیں قانون کی گرفت سے باہر رہتی ہیں۔ یا تو ان پر کوئی ہاتھ ہی نہیں ڈالتا اور اگر وہ کہیں مایخوذ ہو جاتے ہیں تو انہیں باہر سے دباؤ ڈال کر چھڑا لیا جاتا ہے یہ تھادہ بنیادی فرق جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت توجہ دلائی تھی جب ایک نامور قبیلے کی عورت نے چوری کی اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفارش فرمائی کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔ اس پر آپ نے سخت غصہ سے فرمایا کہ تم لوگ وہی کرنے لگے ہو جو ان لوگوں میں ہوتا ہے جہاں قانون کا کوئی احترام نہیں ہوتا۔ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی کوئی جرم کرے تو میں اسے بھی پوری پوری سزا دوں گا۔ ہم پوچھتے یہ ہیں کہ کیا یہ مطالبہ کہ ایک شخص کو محض اُس لئے چھوڑ دیا جائے کہ وہ بین الاقوامی شہرت کا مالک ہے (بلا تخصیص اس امر کے کہ اُس نے جرم کیا ہے یا نہیں؟) کسی سرزمین سے اسٹین کی روش ہے یا اُس ملک کا مسلک جس میں قانون کا احترام ہو۔

ان مدیرانِ کرام کے علاوہ بعض علمائے مصر و شام (اور مفتی اعظم فلسطین) کی طرف سے بھی مطالبہ موصول ہوا ہے کہ مودودی صاحب کو فوراً رہا کر دیا جائے۔ انہوں نے بھی اس مطالبہ کے لئے کوئی دلیل نہیں دی، نہ شرعی نہ عام قانونی۔ مطالبہ کی بنیاد صرف اس پر ہے کہ مودودی صاحب بہت بڑی شخصیت کے مالک ہیں۔ یہاں بھی صرف جذبات سے کام لیا گیا ہے، دلیل و برہان کی رو سے کچھ نہیں کہا گیا۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ مودودی صاحب کی رہائی کے متعلق جو مطالبات اس وقت تک پیش ہوئے ہیں ان کی بنیاد صرف اتنی ہے کہ وہ ایک بڑی شخصیت کے مالک ہیں لیکن یہ دیکھئے کہ اس بارے میں خود مودودی صاحب کا کیا ارشاد ہے۔ وہ اپنی کتاب (مرتبہ کی سزائیں اس امر پر بحث کرتے ہوئے کہ جو شخص کسی سوسائٹی یا اسٹیٹ میں تخریب

کا باعث بنتا ہے اُسے موت کی سزا دے دینی چاہیے۔ دیکھتے ہیں کہ۔
 اس کی انفرادی ہستی خواہ کتنی ہی قیمتی ہو مگر بہر حال وہ اتنی قیمتی نہیں ہو سکتی
 کہ سوسائٹی کے پورے نظام کی خرابی اُس کی خاطر گوارا کی جائے۔ (ص ۵۷)

(۱)

بہر حال یہ ہے اس وقت تک کی صورتِ حالات۔ ایک طرف
غلط فہمیاں | گورنمنٹ بالکل خاموش بیٹھی ہے اور کچھ نہیں بتاتی کہ مودودی صاحب
 کا جرم کیا تھا جس کی پاداش میں انہیں موت کی سزا دی گئی تھی اور اس کے بعد اس
 سزا کو تبدیل یہ سزا نے قید کیا گیا۔ گورنمنٹ کی اس خاموشی کی وجہ سے مشہور یہ کیا جا رہا
 ہے کہ مودودی صاحب کا اس کے سوا کوئی جرم نہیں ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی
 شریعت کے مطابق نظام چاہتے ہیں اور گورنمنٹ یہاں سے تلاش کر کے ان کا کلا
 گھونٹنا چاہتی ہے تاکہ اس آواز کا بلند کرنے والا کوئی نہ رہے۔ چنانچہ جماعت اسلامی
 کے قیمتحرم اخلاق حسین صاحب نے ایک بیان میں فرمایا ہے۔

اس بیان کے ذریعہ ہم اُن حالات کی وضاحت کر دینا مناسب سمجھتے ہیں
 جس کے نتیجے میں آج مولانا مودودی کو موت کی سزا دی جا رہی ہے۔ جماعت
 اسلامی اور مولانا مودودی پر چھبھلاہٹ کا اصل سبب دستورِ اسلامی کا مطالبہ
 ہے جسے روکنے کے لئے کبھی مولانا پر جہادِ کشمیر کو نقصان پہنچانے کا الزام
 لگا کر انہیں قید و بند میں ڈالا گیا اور کبھی جماعت کا تعلق بعض غیر ملکی جماعتوں
 اور حکومتوں سے جوڑنے کی فکر کی گئی۔ ان حربوں میں ناکام ہو جانے کے بعد
 اب آخر میں قادیانی تحریک سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا گیا۔ (اخبارِ سلمان، کراچی، ۲۱ مئی ۱۹۵۳ء)

یہ ہیں وہ خیالات جن کی وجہ سے عوام کی ہمدردیاں مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے ساتھ بڑھتی جا رہی ہیں۔ یہاں تک کہ اُن اٹھارہ مدیران اخبارات نے جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، اپنے بیان میں لکھ دیا کہ مودودی صاحب کی سزا سے مسلمانانِ عالم مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ:-

پاکستان میں تجدید اسلام اور اس کے حیات بخش اصولوں کی تنفیذ کی کوشش جرم ہیں۔
ڈاکٹر آف کراچی مورخہ ۱۸ مئی ۱۹۵۳ء

ان حالات کی بناء پر جذبات کی یہ رو دن بدن تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے۔ اس سے جن خطرناک نتائج کا اندیشہ ہو سکتا ہے، اُن کی صراحت کی ضرورت نہیں جب یہ اور زیادہ بڑھ گئے تو دو صورتوں میں سے ایک بہر حال ناگزیر ہوگی۔ یا تو گورنمنٹ کو اس قسم کے مطالبات کو بکھر روکنا پڑے گا جس کا نتیجہ بہر حال بدنامی ہوگا اور یا گورنمنٹ کو اس دباؤ کے سامنے جھکنا پڑے گا جس کے معنی یہ ہیں کہ اس ملک سے قانون کا رہا سہا احترام بھی ختم ہو جائے گا اور یہ خیال ہر شخص کے دل میں تقویت پکڑ جائے گا کہ یہاں جو دباؤ ڈال لئے وہی میدان مار لیتا ہے۔

(۰)

ہوٹا کیا چاہیے؟ | ہمارے نزدیک مسئلہ بڑا آسان اور صاف ہے بشرطیکہ اسے جذبات سے الگ ہٹ کر اور شخصیتوں اور جماعتوں کی معنویت سے غیر متاثر رہ کر سوچا جائے۔ پنجاب کے گرفتار شدگان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں مارشل لا کے نافذ ہونے سے پہلے عام شہری قانون کی رُوسے گرفتار کیا گیا تھا ان کے متعلق ہماری حکومت سے یہ درخواست ہے کہ ان کے

مقامات پر (بلا تخصیص ادنیٰ و اعلیٰ) نظر ثانی کی جائے اور جو سادہ لوح مسلمان دوسروں کی انگلیخت سے قانون شکنی کے مرتکب ہوئے تھے ان کی سزاؤں پر ہمدردانہ غور کیا جائے۔ جو لوگ مارشل لاء کے دوران میں گرفتار کئے گئے تھے ان میں سے کچھ لوگ وہ ہوں گے جو خود مارشل لاء ہی کی کسی شق کی خلاف ورزی کے جرم میں ماخوذ ہوئے ہوں، مثلاً گرفتار کے اوقات میں گھر سے باہر نکل آنا یا صفائی وغیرہ کے سلسلے میں کسی جرم کا مرتکب ہو جانا۔ ان کی سزاؤں پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ ہمارے ملک کے لوگ اتنے تادیب یافتہ کہاں ہیں کہ وہ ایک ہی دن میں مارشل لاء جیسے سخت گیر قانون کے مقتضیات و عواقب سے واقف ہو جائیں۔ اس کے بعد تیسرا طبقہ ان لوگوں کا رہ جاتا ہے جنہوں نے مارشل لاء سے پہلے یا مارشل لاء کے دوران میں ایسے جرائم کا ارتکاب کیا جو عام شہری قانون کی رو سے بھی سنگین جرم قرار پاتے ہوں (مثلاً قتل یا بغاوت وغیرہ) ہمیں معلوم نہیں کہ ایسے مقامات میں فوجی عدالتوں کا طریق کار کیا ہے اگر وہاں ملزم کو اپنی صفائی پیش کرنے کی اسی طرح سہولتیں ملتی ہیں جس طرح عام ملکی عدالتوں میں اور مقامات کے فیصلے بھی اسی انداز سے ہوتے ہیں تو پھر اس باب میں کچھ اور کرنے کی ضرورت نہیں سوائے اس کے کہ اس امر کا اعلان کیا جائے کہ فلاں فلاں ملزم کے خلاف یہ الزام تھا اور اس طرح صفائی کا موقع دیا گیا اس کے بعد اس کا جرم ثابت ہوا اور اسے قانون کے مطابق سزا دی گئی۔ اب اس سزا کے خلاف یوں اپیل ہو سکتی ہے یا اس طرح رحم کی درخواست گزرائی جاسکتی ہے اگر اس ضمن میں کوئی تفصیل ایسی ہوں کہ جن کا اعلان کرنا مملکت کے مفاد کے خلاف ہو تو اس امر کی بھی تصریح کر دی جائے کہ یہ راز کی باتیں ہیں ان کو افشا نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن اگر نوجی عدالت میں مقتدات فیصل کرنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ وہاں ملزم کو اپنی صفائی پیش کرنے کے پورے پورے مواقع میسر نہیں تھے تو اس صورت میں ہم بزور درخواست کریں گے کہ ان مقتدات کی سماعت عام عدالتوں میں کی جائے۔

سب سے آخری درخواست یہ ہے کہ حکومت جو کچھ بھی فیصلہ کرے، وہ امیر اور غریب چھوٹے اور بڑے، عالم اور جاہل، لیڈر اور عامی سب کے

مساوات

لئے یکساں ہو۔ اس معاملہ میں انسانی نسبتوں کی بناء پر ایک انسان

اور دوسرے انسان میں کوئی تفریق کرنا اُس فسادِ آدمیت کی بنیاد رکھتا ہے جو ہمیشہ تباہی اور بربادی کا موجب ہوا کرتا ہے۔ ہماری یہی درخواست حکومت سے ہے اور یہی درخواست اُن حضرات سے جو ان ملزموں کے لئے ہمدردی کے جذبات اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ ہمارا مطالبہ ”ہر فرزندِ آدم“ کے لئے یکساں عدل و انصاف کا مطالبہ ہونا چاہیے نہ کہ خاص خاص شخصیتوں کے لئے کسی امتیازی سلوک کا مطالبہ۔ خدا کی میزان میں ایک گھوسی کی زندگی، جس کا اس وقت کوئی نام تک نہیں جانتا اتنی ہی زیادہ قیمتی ہے جتنی کسی بین الاقوامی شہرت رکھنے والے لیڈر کی یا کسی اور مملکت کے وزیر اعظم یا بادشاہ کی۔ اس لئے کہ

خونِ شہ رنگین ترازِ معار نیست

اور ایک درخواست حکومت سے یہ بھی ہے کہ جتنے لوگ اس تحریک میں ملے گئے یا قید و بند میں گرفتار ہیں ان کے پسماندگان یا متعلقین کی کفالت کا فوراً انتظام کیا جائے اس لئے کہ اگر مجرم تھے تو وہ لوگ تھے ان کے یتیم اور غریب بچوں اور بیویوں نے تو کوئی جرم نہیں کیا تھا جس کی پاداش میں انہیں نفروفاقت کی مسلسل سزا دی جائے۔ وہ بچے ہمارے اپنے بچے ہیں اور پاکستان کی بننے والی قوم انہیں سے

عبارت ہو گی۔

خدا کرے کہ ہماری ان گذارشات پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے اور چشمورے ہم نے پیش کئے ہیں انہیں جذبات کے شعلوں میں جلا دینے کے بجائے عقل و دانش کی میزان میں تولد جائے۔ اسی میں حکومت، ملک، قوم اور متعلقہ حضرات کی بہبودی اور خیر سگالی ہے۔

(۴) طلوع اسلام اور عجمیت اسلامی

(اکتوبر ۱۹۵۳ء)

پنجاب سے ایک صاحب لکھتے ہیں۔

”مجھ سے کافی احباب نے یہ شکایت کی ہے کہ طلوع اسلام نے جماعت اسلامی اور مودودی صاحب کے خلاف جو ہم چلا رکھی ہے اس کی وجہ سے وہ اپنا وقار اور مقبولیت کھو رہا ہے۔ یہ عام طبقے کی رائے ہے کہ ایسے نازک وقت میں طلوع اسلام کو اتنی سختی سے جماعت اسلامی کے خلاف قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا، جبکہ پنجاب میں مرزائیوں کے خلاف ایک ہم چلائی گئی۔ کافی اصحاب نے محض اس پالیسی سے تنگ آکر طلوع اسلام کا مطالعہ ترک کر دیا ہے۔ دوسرے طلوع اسلام نے قادیانیت کے خلاف کچھ بھی تو حصہ نہیں لیا۔ حالانکہ وہ ایک ایسی تحریک کا نقیب ہے جس کا اولین اور بڑا مقصد ہی ایسی جماعتوں کے خلاف ہے۔ اس نے پنجاب کے واقعات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

بلکہ المودودی صاحب کے خلاف اور تیزی سے لکھنا شروع کر دیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومت کے ایمان پر سب کچھ لکھا جا رہا ہے اس سے بھی طلوع اسلام کی تحریک کو دھکا پہنچ رہا ہے۔

[اس اعتراض کے جواب میں پہلے ایک تمہید لکھی گئی تھی جسے اس جگہ حذف کر دیا جاتا ہے اس کے بعد حسب ذیل سطور لکھی گئی تھیں۔]

طلوع اسلام کو جو قرآنی بصیرت عطا ہوئی ہے اس کی روشنی میں وہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لئے جو قوتیں مصروفِ عمل رہی ہیں راجح بھی مصروفِ عمل ہیں ان میں ملائیت کا حصہ بہت بڑا نمایاں ہے۔ اس کے نزدیک ملائیت قرآن اور مسلمان دونوں کی بدترین دشمن ہے اس لئے طلوع اسلام ملائیت کی مخالفت کو اپنی زندگی کا اولین فریضہ سمجھتا ہے۔ اس کا یقین ہے کہ شجرِ ملامت کبھی سرسبز و شاداب نہیں ہو سکتا جب تک اس کے اوپر سے اس آکاس بیل کو اتارا نہیں جائے گا۔

اس سلسلے کی اگلی کڑی یہ ہے کہ چارے نزدیک پاکستان میں ملائیت اپنی سب سے زیادہ خطرناک شکل میں جماعت اسلامی کے پیکر میں پائے کو برب ہے۔ اس لئے کہ اس جماعت کے مقصد سیاسی ہیں جماعت اسلامی کے حربے اور حربے ملائیت کے۔ ہم اس جماعت کو پاکستان

اور اسلام دونوں کی دشمن سمجھتے ہیں۔ پاکستان کی دشمن اس لئے کہ یہ لوگ تحریک پاکستان کے دوران میں پاکستان کی سخت مخالفت کرتے رہے۔ اب پاکستان کے ساتھ ان کی دلچسپی اتنی ہے کہ وہ زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں۔

اگر انہیں کچھ یقین ہو جائے کہ ان کا یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا تو اس کے بعد انہیں اس کی قطعاً پرواہ نہیں ہوگی کہ پاکستان رہتا ہے یا جاتا ہے۔

اور اسلام کی دشمنی اس لئے کہ اگر یہاں تمام اقتدار ان کے ہاتھ میں آگئی تو پھر یہاں قرآن کے نافذ العمل ہونے کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔ مسلمانوں کی تیرہ سو سال کی تاریخ بتا رہی ہے کہ ملائے ہمیشہ مسلمان کو قرآن سے دور رکھا ہے، (اس لئے کہ قرآن آجائے سے ملا باقی نہیں رہتا، نہ صرف قرآن سے بلکہ عقل و بصیرت سے بھی دور۔ اگر پاکستان میں قوت ملا کے ہاتھ میں آگئی تو یہاں ظلم و استبداد کا وہی نقشہ

قائم ہو جائے گا جو از مسند وسطیٰ میں یورپ میں شرعی احتساب (INQUISITION) کے ہاتھوں قائم ہوا تھا۔ ہم یہ کچھ محض قیاساً نہیں لکھ رہے، برہانے دلیل و شہادت لکھ رہے ہیں۔ آپ مودودی صاحب کی کتاب ”اسلام میں مرتد کی سزا“ کا مطالعہ کیجئے۔ آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ انہوں نے ابھی سے فتویٰ دے دیا ہے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہر وہ مسلمان مرتد سمجھا جائے گا جس کے متعلق ارباب شریعت یہ فیصلہ کر دیں کہ اس کے عقائد ”دین حقہ“ کے مطابق نہیں ہیں۔ اور اس چیز کو وہ پاکستان کے دستور میں شامل کرنا چاہتے ہیں کہ امر شرعی میں آخری فیصلہ ”علمائے کرام“ کے ہاتھ میں ہو گا۔ ذرا سوچئے کہ اس صورت حالات کا نتیجہ کیا نکلے گا؟

اب ہمارے لئے سخن ان حضرات کی طرف ہے جو مندرجہ بالا نتائج سے متفق

ہے اس کا جواب طلوع اسلام کی طرف سے ”قتل مرتد غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت“ کے نام سے شائع شدہ کتاب میں دیا گیا تھا۔

ہیں اور سب کچھ سوچ اور سمجھ لینے کے بعد طلوع اسلام کے رفقاء نے سفر نہیں کیا۔ ہم ان حضرات کی رفاقت پر ناز ہے۔ ہم ان کے اخلاص کا احترام کرتے ہیں۔ ان کے ذوق قرآنی کی ہماری نگاہوں میں بڑی قدر ہے۔ ان کے مشورے ہمارے لئے چراغِ راہ اور ان کی نیک آرزوئیں ہمارے لئے زادِ سفر ہیں۔ ہم ان حضرات سے پوچھتے ہیں کہ کیا ان کے نزدیک اتنے بڑے خطرے کے سدِ باب کے لئے جس کی تصریح اوپر کی جا چکی ہے، یہ کافی ہو گا کہ طلوع اسلام کبھی کبھار میرا ہے جماعت اسلامی کی سرگرمیوں کا ذکر کر دیا کرے۔ جماعت اسلامی کے پروپیگنڈے کا یہ عالم ہے کہ بستی بستی، قریہ قریہ، گاؤں گاؤں ان کے مراکز موجود ہیں جن میں چلتے پھرتے مبلغ کام کرتے رہتے ہیں۔ متعدد جرائد اور رسائل ان کی آواز کو اطراف و اکناف مملکت بلکہ بیرون ملک تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ ان کا لٹریچر گلی گلی، محلہ محلہ فروخت ہوتا ہے اس تمام شور و شغب کے مقابلے میں

خطرے کی اہمیت

ایک طلوع اسلام کی خفیف سی آواز ہے جو لوگوں کو ان کے خطرات سے آگاہ کرے قرآن کی طرف دعوت دیتی ہے کیا ان حالات میں آپ سمجھتے ہیں کہ طلوع اسلام کی طرف سے جماعت اسلامی کی مسلسل مخالفت زیادتی ہے ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس مقصد کے لئے طلوع اسلام کے مسلک کے دس روز نامے بھی شائع ہوں، تو کم ہیں۔ جو لوگ طلوع اسلام میں جماعت اسلامی کی مسلسل مخالفت کو زیادتی سمجھتے ہیں، انہوں نے درحقیقت اس خطرے کی اہمیت اور اس کی ہم گیریت کا صحیح صحیح اندازہ نہیں لگایا۔ جنہیں اس کا صحیح صحیح اندازہ ہے ان کا بیٹا بانہ اصرار ہے کہ طلوع اسلام کو جلد از جلد روزنامہ میں تبدیل کیا جائے اور اس کے لٹریچر کو زیادہ سے زیادہ پھیلا دیا جائے۔

باقی رہا یہ کہ طلوع اسلام کو اس جماعت کی اس زمانہ میں مخالفت نہیں کرنی چاہیے تھی جب وہ حوادثِ پنجاب کے حواقب میں ماخوذ ہے، تو یہ آواز ٹھیک ان سطحی جذبات کی ترجمان ہے جسے EXPLOIT، مکر نے کے لئے یہ لوگ اس قسم کے مواقع پیدا کرتے رہتے ہیں اور پھر ان خطرات میں دیدہ و دانستہ کود پڑتے ہیں۔ اس قسم کے حربے جذباتی قوموں میں بڑے کارگر ثابت ہوتے ہیں۔ مفاد پرست سیاست میں جب یہ خدشہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے نقاب باریک ہو رہے ہیں اور ان کی مقبولیت میں فرق آ رہا ہے تو یہ اپنے پارٹی پردہ گرام کو کچھ وقت کے

حوادثِ پنجاب | لئے ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور کوئی ایسی تحریک شروع کر دیتے ہیں جو عام لوگوں میں مشترک ہو اور ان کے جذبات بھر سکے۔ ایک تو عوام کا حافظہ ویسے ہی کمزور ہوتا ہے، پھر جذبات کی رو میں رہا سہا احساس بھی بڑھ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ لوگ ان کی پچھلی تاریخ (PREVIOUS HISTORY) کو بھول جاتے ہیں اور ان کے زندہ باد کے نعرے لگانے لگ جاتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ اپنی لیڈر شپ کی گرتی ہوئی عمارت کو از سر نو قائم کر لیتے ہیں۔ اور اگر اس کے ساتھ حکومت کا جرم تدبیر بھی شامل ہو جائے تو پھر ان کے ہیر و تہمتیں کوئی کسر ہی نہیں رہ جاتی۔

یہی کچھ گزشتہ دنوں حوادثِ پنجاب کے سلسلے میں ہوا ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ ان لوگوں کی لباط آرائیوں اور مہرہ بازیوں اور اباب جل و عقد عاقبت نالندیشیوں اور غلط کوششوں سے ان کے اقتدار کے گرے ہوئے گنبد پھر سے استوار ہو گئے۔ اسی کا اثر ہے جو طلوع اسلام سے کہا جاتا ہے کہ اسے ان دنوں جماعت

اسلامی کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے تھی! یعنی ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ویسے تو جماعت اسلامی کی مخالفت ضروری ہے لیکن چونکہ ان دنوں ان کے لیڈر گرفتار ہو چکے ہیں، اس لئے اب ان کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے بلکہ کہتا یہ چاہیے کہ یہ لوگ اسلام کے سچے خادم ملت کے محض بہی خواہ اور پاکستان کے جاں نثار سپاہی ہیں۔ اس لئے ملت کو چاہیے کہ انہیں اپنا ہیرو سمجھے!

طلوع اسلام سے یہ نہیں ہو سکے گا کہ وہ زہر کو اس لئے تریاق کہہ دے کہ اس پر شکر چڑھا کر؟ SUGAR COATED بتا دیا گیا ہے۔ اس مقام پر تو اس کی آواز کو اور بلند ہو جانا چاہیے تاکہ جو سادہ لوح انسان اس زہر کو شکر سمجھ کر کھا جانے پر آمادہ ہوں انہیں اس ہلاکت سے بچا لیا جائے۔ قرآن کا مطالبہ یہ ہے کہ مخالفین سے عدل کیا جائے۔ اگر آپ نے دیکھا ہو کہ اس باب میں طلوع اسلام نے کس طرح اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر مودودی صاحب اور دیگر گرفتارانِ حوادثِ پنجاب کے لئے عدل کا مطالبہ کیا تھا، تو مودودی صاحب کی سزا کے متعلق جو مضمون شائع ہوا ہے، اُسے پڑھیے آپ کو نظر آجائے گا کہ اس زمانہ میں جبکہ ہنوز لوگوں کے دلوں سے مارشل لا کے خوف کا بھوت اترا نہیں تھا، طلوع اسلام نے کس بیباکی سے مطالبہ کیا تھا کہ اگر مودودی صاحب کو ان کی مدافعت کا پورا پورا موقع دیئے بغیر سزا دیدی گئی ہے تو ان کا مقدمہ کسی سول

عدالت میں ادھر رٹو داسر ہونا چاہیے جس میں انہیں اپنی صفائی پیش کرنے کی اطمینان بخش سہولتیں میسر ہوں۔ یہ آواز سب سے پہلے طلوع اسلام کی طرف سے اٹھی تھی۔ ایک مخالف کے لئے عدل طلبی کی اس سے بڑھ کر مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔

لیکن اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ طلوع اسلام اُس دعوت اور مسلک کی مخالفت (جو جماعت اسلامی کی طرف سے پیش کی جا رہی ہے) اس لئے چھوڑ دے کہ اُس کے چند ایک لیڈر گرفتار ہو چکے ہیں تو ہم نہیں سمجھتے کہ آپ کا یہ مطالبہ کس طرح جائز اور معقول قرار پائے گا۔ طلوع اسلام جماعت اسلامی کے لیڈروں کا مخالف نہیں۔ وہ مخالف ہے اُس دعوت اور تحریک کا جسے لے کر وہ جماعت اٹھی ہے۔ اس لئے جب تک وہ دعوت اور تحریک باقی ہے طلوع اسلام کی طرف سے اس کی مخالفت جاری رہے گی۔ اگر جماعت اسلامی کے لیڈر ابد کارکن اس دعوت اور مسلک کو چھوڑ دیں تو طلوع اسلام سب سے پہلے آگے بڑھ کر انہیں سینے سے لگا لے گا۔ طلوع اسلام اُس تحریک کی مخالفت کس طرح چھوڑ دے جسے وہ اپنی بصیرت کے مطابق قرآن اور پاکستان دونوں کے لئے خطرناک سمجھتا ہو قرآن طلوع اسلام کے لئے رگ حیات ہے اور پاکستان سے اسے محبت اس لئے ہے کہ وہ اس خطہ زمین پر قرآن کے نظام ربوبیت کو متشکل دیکھنا چاہتا ہے۔ لہذا جو فرد جماعت یا تحریک، قرآن اور پاکستان کی مخالف ہو، اُس کی مخالفت طلوع اسلام کی زندگی کا مقصد ہے۔ اگر وہ اپنے اس مقصد میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ اپنے دعوے سے قدری برتا ہے اور اگر اسے بالکل چھوڑ دیتا ہے تو پھر اس کی ہستی کی بھی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

آپ سمجھیں کہ طلوع اسلام نے قادیانیت کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ آپ بھول چکے ہوں تو آپ کو یاد دلایا جائے کہ طلوع اسلام کی قادیانیت اور طلوع اسلام

طرف سے احمدیت اور اسلام کا پمفلٹ اُس

زمانہ میں شائع ہوا تھا جب "آئینی قادیانیت" کی تحریک کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھی۔ اس پمفلٹ کو دیکھنے اور پھر سوچنے کہ قادیانیت کی تردید میں اس سے بہتر دلائل کہیں اور بھی آپ کو مل سکتے ہیں۔ اس کے دلائل کی حکمت کا یہ عالم ہے کہ آج تک مرزائی جماعت کو جرأت نہیں ہو سکی کہ اس کا جواب لکھ سکے۔ (اور آپ دیکھئے گا کہ میرزائی تحریک کو جب بھی شکست ہوگی ہاں نہیں دلائل و شواہد سے ہوگی جو اس پمفلٹ میں مذکورہ ہیں۔ ملا کے پیش کردہ دلائل تو لے لے اس کی تقویت کا موجب بن رہے ہیں۔) اب رہا یہ کہ ہم نے آئینی قادیانیت "تحریک کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ سو اس کے لئے طلوع اسلام بابت اپریل ۱۹۵۳ء کا عنوان "با چشمِ ہم" دیکھئے جس میں ہم نے اجمالی طور پر سب کچھ لکھ دیا تھا اور تفصیلی طور پر کہنے کو اس وقت پراٹھا رکھا تھا جب فضا میں سکون اور جذبات میں آمار سیرا ہو جائے ہم ایسے وقت کے انتظار میں تھے کہ پنجاب انکوائری کمیٹی کا تعین ہو گیا اور یہ سارا قصہ اُن کی تحقیقات کے احاطہ کے اندر آ گیا۔ اس کمیٹی کی حیثیت عدالت کی سی ہے اس لئے اب اس کیس کے متعلق کچھ لکھنا دائرہ عدالت میں مداخلت کے مرادف سمجھا جائے گا۔ لہذا ہم مجبور ہیں ہم اس مقام پر اتنا عرض کر دینا چاہتے ہیں، اگر ہم اس کے متعلق تفصیل سے لکھتے تو آپ کی یہ شکایت کہ طلوع اسلام مودودی صاحب کی مخالفت میں زیادتی کر رہا ہے اور کبھی بڑھ جاتی۔ اس سارے قصہ میں سب سے زیادہ اہمیت مودودی صاحب کے رسالہ "قادیانی مسئلہ" کو دی جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس رسالہ کے دلائل

لے اس کے علاوہ طلوع اسلام میں میرزاویت کے خلاف بہت سے مقالات شائع ہو چکے ہیں۔

اس قدر پوچھ ہیں کہ ان کا تجزیہ کیا جائے تو وہ خود احمدیوں کے حق میں چلے جاتے ہیں۔ اس لئے اگر اس عدالتی عبوری کی بنا پر جس کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے (طلوع اسلام نے اس رسالہ کا تجزیہ نہیں کیا تو یہ چیز مودودی صاحب اور ان کے ہم نواؤں کے حق میں ہی گئی ہے میرزا نایت کے مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ اگر اسے خالص قرآن کے نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو میرزا غلام احمد کی نبوت تو ایک طرف ان کا اسلام بھی باقی نہیں رہتا۔ اور طلوع اسلام کا مسلک ظاہر ہے کہ یہ ہر مسئلہ کو خالص قرآنی نقطہ نگاہ سے دیکھتا ہے لیکن اگر اس مسئلہ کا فیصلہ روایات کی رو سے کیا جائے تو کوئی اعتراض ایسا نہیں جس کا جواب میرزا نیوں کی طرف سے نہ دیا جاسکے روایات کی رو سے قریب ساٹھ شرک پر جس سے میرزا نیوں کے ساتھ مناظرے اور مباحثے ہو رہے ہیں لیکن یہ مسئلہ گرداب میں پھنسی ہوئی لکڑی کی طرح اپنے مقام سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھا۔ اگر اس مسئلہ پر خالص قرآن کی روشنی میں بحث کی جاتی تو سارا قصہ چند منٹ میں طے ہو جاتا لیکن ہمارے ملا قرآن خالص کو اس لئے سامنے نہیں لاتے کہ اس کی رو سے اگر میرزا نایت ختم ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ ملا نیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اس رہا یہ

طلوع اسلام اور حکومت | کہنا کہ طلوع اسلام کی طرف سے جماعت اسلامی

کی مخالفت حکومت کے ایما سے ہو رہی ہے تو اس جماعت کی طرف سے یہ حربہ بھی کوئی نیا حربہ نہیں ہے یہی کچھ یہ لوگ طلوع اسلام کے متعلق ہندوستان میں کہا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں ان کا کہنا یہ تھا کہ طلوع اسلام تحریک پاکستان کی حمایت و فہمذا جماعت اسلامی کی مخالفت، حکومت کے ایما سے کرتا ہے۔

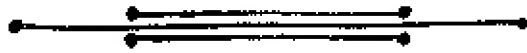
یعنی اس کے کہنے کے مطابق ہندوستان میں انگریز اور ہندو (جن کی وہاں حکومت تھی) یہ چاہتے تھے کہ پاکستان قائم ہو جائے اور جو شخص پاکستان کی حمایت کرتا تھا وہ حکام پرست تھا حکومت کے اثر سے آزاد وہ لوگ تھے جو پاکستان کی مخالفت کرتے تھے۔ یہی کچھ جماعت اسلامی والوں نے یہاں کہنا شروع کر رکھا ہے۔ احرار یوں کی بھی یہی ٹیکنیک ہوا کرتی تھی کہ جوں ہی کسی نے ان کی مخالفت کی انہوں نے شور مچا دیا کہ یہ میر زائی ہے اور جب وہ بیچارہ چینی چلا یا کہ مجھے میر زائیت سے کوئی واسطہ نہیں تو کہہ دیا کہ میر زائی نہیں تو میر زائی نوار ضرور ہے۔ یہی حالت جماعت اسلامی کی ہے۔ جو شخص ان کی مخالفت کرے وہ حکومت کا ایجنٹ ہے۔

”سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں“

ہمارا مسلک | بہر حال یہ ہے جماعت اسلامی کی تحریک و دعوت سے متعلق طلوع اسلام کا مسلک اور یہ ہے کہ اس کا نصب العین حیات

ہم تمام قارئین طلوع اسلام سے درخواست کریں گے کہ وہ اس مسلک کا غائر نگاہ سے مطالعہ کریں اور اس کے بعد فیصلہ کریں کہ وہ طلوع اسلام کے رفیق سفر ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ ہم ایک مرتبہ پھر دہرا دینا چاہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مسلمانوں کے نظام زندگی کی عمارت خالص قرآنی بنیادوں پر اٹھنی چاہیے۔ جو فرد یا جماعت اس بنیادی تصور کا مخالف ہے ہم پوری شدت کے ساتھ اس کی مخالفت کریں گے خواہ وہ کسی گوشے سے بھی متعلق ہو۔ جو حضرات طلوع اسلام کے اس مسلک سے متفق ہیں، اُن کی رفاقت طلوع اسلام کے لئے ضرور ناز کا موجب اور تقویت و نصرت کا باعث ہے۔ ہم اُن کے مشوروں کے شکو گزار

اعدان کی تجاویز کے قید دان ہیں۔ لیکن جو لوگ اس اصل سے متفق نہیں اور نہ ہی اپنے اندر تلاش حقیقت کی تڑپ رکھتے ہیں وہ ہمارے رفیق نہیں بن سکتے، نہ ہمیں اُن کی نگاہوں میں مقبولیت حاصل کرنے کی خواہش ہے نہ عزت پانے کی تمنا۔ قَانَ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۝۱۳۹



حرفِ آخر

گذشتہ صفحات میں جماعتِ اسلامی کے معتقدات و تصورات اور عزائم و مقاصد کے مختلف گوشے آپ کے سامنے آ گئے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ ان تمام کوششوں کا مقصد یہ ہے کہ یہ سطحی مذہبیت کے راستے عوام میں مقبول ہوتے جائیں اور اس طرح خدا کی حکومت کے مقدس نقاب میں اپنی ہوس اقتدار کو تسکین دے لیں، ان کی تضاد بینیاں، جو آپ کے سامنے آ چکی ہیں، وہ اس حقیقت کی زندہ شہادت ہیں کہ اور توادر، مذہب کے معاملہ میں بھی یہ لوگ حسبِ موقع رنگ بدلنے سے نہیں ہچکچاتے۔

یہ کتاب مکمل ہو چکی تھی کہ ہمارے سامنے فساداتِ پنجاب کی تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ آ گئی جس میں اس جماعت کے عزائم و مقاصد کو اچھی طرح بے نقاب کیا گیا ہے۔ عدم گنجائش مانع ہے کہ ہم اس رپورٹ کی تفصیلات پیش کر سکیں اس لئے ہم صرف چند اقتباسات پر اکتفاء کرتے ہیں۔ حکومتِ پنجاب کے ہوم سیکریٹری کے ایک خط میں لکھا ہے کہ

جب دوسری جماعتوں، مثل جماعتِ اسلامی، اسلام لیگ اور شیعوں نے دیکھا کہ ختم نبوت کے سوال پر عوام کو اپنا ہم نوا بنانے میں احرار چپکے ہی چپکے ہم پر سبقت لے گئے ہیں، تو یہ بھی احمدیوں کی مخالفت میں ان کے ساتھ

مل گئے جماعتِ اسلامی نے اپنے اکٹھے مطالبات میں ایک اور کا اضافہ کر لیا۔^(مثلاً)
اس سوال کا ذکر کرتے ہوئے کہ فسادات میں حصہ لینے والی جماعتیں مرزائیوں کے
متعلق مطالبات کو مذہبی مطالبات قرار دیتی تھیں، اس رپورٹ میں احترامِ جماعتِ
اسلامی وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

اگر ان مطالبات کی نوعیت مذہبی تھی اور مذہب ناقابلِ تغیر و تبدل ہے،
تو یہ سمجھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ آئیڈیالوجی جس کی بنیاد مذہب پر ہو کہیں
طرح و قفاً فوقتاً اور موقع بہ موقع بدلتی رہتی ہے۔ (صفحہ ۱۵۸)

جماعتِ اسلامی کے متعلق اس رپورٹ میں جس آخری رائے کا اظہار کیا گیا ہے وہ یہ ہے۔
ہمارا خیال ہے کہ ہم ایسا سمجھنے میں جماعتِ اسلامی کی قلبی کیفیت کا صحیح مطالعہ
کر سکے ہیں کہ اگرچہ یہ لوگ اس پروگرام میں یقین نہیں رکھتے تھے جو ڈائریکٹ
ایکشن کی تنفیذ کے سلسلہ میں اختیار کیا گیا تھا انہیں اس کا ہر وقت خدشہ
تھا کہ اگر انہوں نے اپنے خیالات کو ایمانداری اور صاف گوئی سے پبلک
کے سامنے پیش کر دیا تو وہ ان میں نامقبول ہو جائیں گے۔ لہذا اپنی ذہنیت
اور مسلک کے اعتبار سے یہ جماعت بھی کسی دوسری سیاسی شخصیت
یا ادارہ سے مختلف نہیں تھی اور دوسروں کی طرح یہ بھی خائف تھے کہ ان
سے کوئی ایسی چیز سرزد نہ ہونے پائے جس سے ان پر عوام کی طرف
سے تنقید ہونے لگ جائے۔ (صفحہ ۲۵۳)

ہمارا خیال ہے کہ اس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ اس جماعت کی ساری داستان
ان چند الفاظ میں سمٹا لی جاسکتی ہے کہ:

حصولِ اقتدار کے لئے مذہب کی آڑ میں عوام کی مقبولیت حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا۔

باقی رہا پاکستان، تو اس سے انہیں اتنی ہی دل چسپی ہے کہ اگر اس کی حکومت ان کے ہاتھ میں آسکتی ہے تو یہ باقی رہے اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو یہ جہنم میں جانے تاکہ یہ اس کے بعد لوگوں سے کہہ سکیں کہ ہم تو شروع ہی سے کہتے تھے کہ پاکستان بن ہی نہیں سکتا اور اگر بن گیا تو قائم نہیں رہ سکتا۔
خدا، اسلام اور پاکستان کو ان کی شرانگیزیوں اور ہوسناکیوں سے محفوظ رکھے۔

